پذیرائی

ملک مقبول احمد

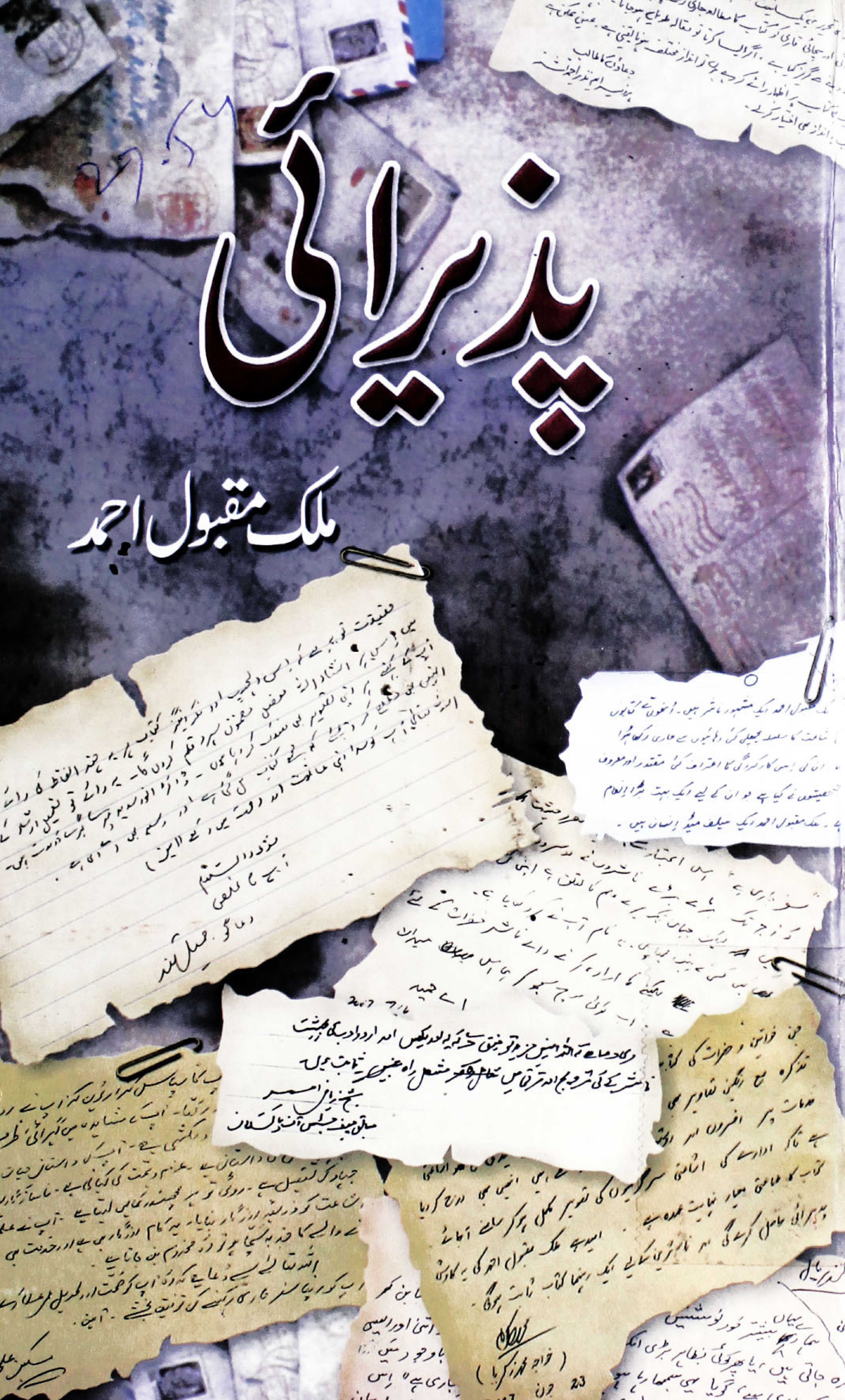

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صرف اللہ ہی ہے جس سے مدد چاہی جائے اور اللہ ہی
کے کرم پر موقوف ہے مقاصد اور مرادوں تک پہنچنا اور کسی
مقصد کے لیے سعی و حرکت اور اس کو حاصل کرنے کی
قوت و طاقت صرف اللہ ہی سے مل سکتی ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

پذیرائی

ملک مقبول احمد

مقبول اکیڈمی۔ لاہور

Marfat.com

84220

© جملہ حقوق محفوظ

اشاعت اول	:	جنوری 2008ء
اہتمام	:	ڈاکٹر ارشد مقبول
ناشر	:	مقبول اکیڈمی
مطبع	:	خورشید مقبول پریس
قیمت	:	چھ سو روپے

ISBN-978-969-510-388-8

SHOWROOMS

MAQBOOL ACADEMY:

- Chowk Urdu Bazar, Circular Road, Lahore.
  Ph: 7324164, 7233165
- 10-Dayal Singh Mansion, The Mall, Lahore.
  Ph: 7357058 Fax: 7238241

MAQBOOL BOOKS:

- Link Road, Model Town, Lahore.
  Ph: 5169923, 5169924
- 14-Pak Block, Main Road, Allama Iqbal Town, Lahore.
  Ph: 5417359
- Siddique Trade Centre, Gulberg, Lahore.
  Ph: 5753975

Marfat.com

انتساب

بابر مقبول

اکبر مقبول

عاصمہ مقبول

مدیحہ مقبول

ارم مقبول

بینا وحید

ماریہ وحید

کے نام

جن سے میری امیدیں وابستہ ہیں

اور

جن کی کامیابی اور فلاح دنیوی و روحانی کیلئے میں
دعا گو ہوں۔

Marfat.com

Marfat.com

ترتیب

1-	پیش لفظ	ملک مقبول احمد	9
2-	دیباچہ / منشایاد	ممتاز افسانہ نگار، نقاد	11
3-	ابوالامتیاز ع۔س مسلم	دانشور، شاعر	24
4-	احمد پراچہ	ادیب نقاد	30
5-	اختر شمار	ڈاکٹر، شاعر، مدیر	33
6-	ارم مقبول	طالبہ	37
7-	اسرار زیدی	ادیب، صحافی	40
8-	اظہر جاوید	دانشور، شاعر، مدیر	50
9-	اعتبار ساجد	پروفیسر، مزاح نگار، شاعر	54
10-	اکبر حمیدی	پروفیسر، افسانہ نگار	59
11-	اکرام بشیر	پروفیسر، کالم نگار	63
12-	اللہ بخش ملک	ڈاکٹر، ماہر تعلیم	66
13-	امجد اسلام امجد	ڈاکٹر، ادیب، شاعر	69
14-	امجد پرویز	ڈاکٹر، کالم نگار، موسیقار	71
15-	امینہ عنبرین	صحافی	77
16-	انور سدید	ڈاکٹر، ادیب، نقاد	81
17-	انیس یعقوب	آرٹسٹ، دانشور	91
18-	اے حمید	ناول نگار، دانشور	95
19-	باقی احمد پوری	شاعر، ادیب	100
20-	بدر منیر	ادیب، کالم نگار	106
21-	بشیر موجد	مصور	110
22-	بلقیس ریاض	ناول نگار، سفرنامہ نگار	113
23-	پرتو روہیلہ	شاعر، سفرنامہ نگار	115
24-	تنویر حسین	پروفیسر، مزاح نگار	118
25-	ثریا خورشید	سیاستدان، دانشور	123
26-	جان کاشمیری	شاعر، مدیر، انشائیہ نگار	126
27-	جاوید اختر بھٹی	محقق، ادیب	132
28-	جمیل آذر	پروفیسر، انشائیہ نگار، نقاد	139
29-	جوگندر پال	ڈاکٹر، ناول نگار	171
30-	حافظ صفوان محمد چوہان	انٹرنیٹ انجینئر، ادیب	176
31-	حامد حسن حامد	ناشر، ادیب	182
32-	حزیں کاشمیری	شاعر، ادیب	187
33-	حمید اختر	ادیب، دانشور	190
34-	خواجہ محمد زکریا	ڈاکٹر، ادیب، دانشور	194
35-	ربیعہ ارشد	صحافی	196
36-	رشید امجد	ڈاکٹر، افسانہ نگار	201
37-	ریاض محمود	ڈاکٹر، قانون دان، دانشور	204
38-	ریحانہ قمر	ادیب	206
39-	زاہد حسین انجم	ادیب، دانشور	208
40-	سجاد نقوی	پروفیسر، ادیب	212
41-	سلمیٰ صدیقی	ادیب	216
42-	سعید بدر	ادیب، دانشور، نعت نگار	220
43-	سید قاسم محمود	مترجم، مؤرخ، افسانہ نگار	227
44-	سید معراج نیّر	ڈاکٹر، نقاد	234

Marfat.com

45- سید عبدالواحد رضوی ایڈووکیٹ، دانشور 243
46- شبہ طراز آرٹسٹ، ادیب 252
47- شیخ ریاض احمد چیف جسٹس آف پاکستان (ر) 257
48- صفدر محمود ڈاکٹر، کالم نگار، مؤرخ 260
49- طارق اسمٰعیل ساگر ناول نگار، صحافی 263
50- طارق شاہین صحافی، شاعر 265
51- طارق شاہد ادیب 268
52- طارق عزیز دانشور، ڈاکٹر، پروفیسر 271
53- طالب ہاشمی ادیب، دانشور 278
54- ظفر علی راجا ادیب، شاعر، قانون دان 282
55- عامر خاکوانی صحافی 292
56- عباس خان جسٹس (ر)، ادیب 295
57 عبدالستار عاصم علامہ صحافی، ادیب 299
58 عبدالعلیم صدیقی پروفیسر، مترجم 302
59- عثمان علی پروفیسر، مؤرخ 305
60- عذرا اصغر ادیب، ناول نگار 310
61- علی احمد فاطمی پروفیسر، ڈاکٹر 314
62- علی سفیان آفاقی صحافی، سفرنامہ نگار 319
63- علی محمد خان ڈاکٹر، پروفیسر، ادیب 325
64- عمرانہ مشتاق پروفیسر، کالم نگار 328
65- غفور شاہ قاسم پروفیسر، ڈاکٹر 331
66- قاضی ذوالفقار احمد ادیب، ناول نگار 340
67- قائم نقوی صحافی، شاعر 349
68- قمر نقوی نقشبند ناول نگار، مدیر 352
69- قمر یورش ادیب 362
70- کیول دھیر ڈاکٹر، افسانہ نگار 365
71- مجیب الرحمٰن شامی صحافی، دانشور، مدیر 370
72- محمد آصف چودھری صحافی 375
73- محمد ایوب خاں صحافی، مدیر 379
74- محمد خالد چودھری ناشر 383
75- محمد عالم مختار حق ادیب، محقق 387
76- محمد مظفر مرزا پروفیسر، محقق 390
77- محیط اسمٰعیل ادیب، شاعر 395
78- مرزا خلیل احمد بیگ پروفیسر، ادیب 398
79- مسکین علی حجازی پروفیسر، ڈاکٹر، صحافی 405
80- مناظر عاشق ہرگانوی ڈاکٹر، دانشور، ادیب 407
81- منصور احمد باجوہ ڈاکٹر، مزاح نگار 415
82- منور عثمانی پروفیسر، ادیب 419
83- ناصر نقوی صحافی ادیب 423
84- نذیر احمد تشنہ پروفیسر، دانشور 426
85- وحید قریشی ڈاکٹر، محقق، نقاد 439
86- وزیر آغا ڈاکٹر، انشائیہ نگار 442
87- اخبار جہاں کراچی اسرار زیدی 444
88- بجنگ آمد لاہور 448
89- روزنامہ جنگ کراچی 451
90- روزنامہ خبریں لاہور 453
91- ہفت روزہ فیملی لاہور 454
92- ہفت روزہ نیا زمانہ 456
93- ماہنامہ چہارسو 457
94- روزنامہ جنگ لاہور 459
95- ہفت روزہ ندائے ملت 460
96- ڈیلی ڈان 461

Marfat.com

پیش لفظ

میری خودنوشت سوانح ''سفر جاری ہے'' شائع ہوئی تو میرے کرم فرماؤں میں سے جناب اظہر جاوید، ڈاکٹر انور سدید اور ڈاکٹر طارق عزیز نے یہ مشورہ دیا کہ یہ کتاب چند اہل قلم حضرات اور جرائد کو تبصرے کے لیے بھیجی جائے، میں نے ان کے ارشاد کی تعمیل کی۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ کتاب میں نے اپنے بچوں کے اصرار پر ان کی خوشی کے لیے لکھی تھی، اس وقت مجھے یہ خیال ہرگز نہ تھا کہ اس کو عام قاری ہی نہیں ادب کے خواص بھی پسند کریں گے، لیکن اخبارات و رسائل میں جب اس کتاب پر تبصرے چھپے، تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اسے بہت پسند کیا گیا۔ کیونکہ مجھے یہ توقع بالکل نہ تھی کہ میری اس معمولی سی کاوش کی اس قدر پذیرائی ہوگی۔ (**الحمدُ لِلّٰہ**)

پاکستان اور بیرون ملک کے بیشتر اہلِ قلم نے اس کتاب کے بارے میں اپنی رائے لکھ کر بھیجی، بعض ارباب قلم نے تو اس کتاب پر مضامین لکھے اور رسائل نے تبصرے شائع کئے۔۔ کچھ دوستوں نے مشورہ دیا کہ یہ علمی، ادبی مضامین اور تبصرے کتاب میں محفوظ کر دیئے جائیں تو ادب کے طالب علم بھی استفادہ کر سکیں گے۔

لہٰذا ادیبوں اور دانشوروں کی تحریروں پر مشتمل یہ کتاب ''پذیرائی'' کے نام سے پیش کی جا رہی ہے۔ اس میں تبصرہ نگار کے مختصر حالاتِ زندگی مع تصویر بھی شامل کر دیئے گئے ہیں۔ مختلف رسائل و جرائد میں ''سفر جاری ہے'' پر جن اہل قلم حضرات نے اپنے تاثرات تحریر فرمائے ہیں اور اس ناچیز کے بارے میں جن آرا کا اظہار کیا ہے۔ میں اس کے لئے تہ دل سے ان کا شکر گزار ہوں۔

Marfat.com

مجھے خوشی ہے کہ اس کتاب کے وسیلے سے مجھے بہت سے نئے کرم فرماؤں سے تعارف کا شرف حاصل ہوا۔ میرے دل میں ان کا بہت احترام ہے، میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے میری معمولی کاوش کو تحسین کی نظر سے دیکھا۔

میں اپنے کرم فرماؤں میں سے جناب اظہر جاوید، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر طارق عزیز، قاضی ذوالفقار احمد، محترم انیس یعقوب اور جناب زاہد حسین انجم کا بے حد شکرگزار ہوں، کہ انہوں نے مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا، میں اردو کے ممتاز افسانہ نگار محترم منشا یاد کا ممنونِ احسان ہوں کہ انہوں نے برادرم پروفیسر جمیل آذر کی وساطت سے اپنی اہم مصروفیات سے وقت نکال کر اس کتاب کا گران قدر دیباچہ تحریر کیا۔

میں برادرم حاجی محمد سرور، عبدالمجید ساگر اور شیخ محمد اعظم کا بھی مشکور ہوں کہ انہوں نے کتاب کی پیشکش میں عملی طور پر بے حد محنت اور محبت سے تعاون کیا۔۔۔۔ زیرِ نظر کتاب ''پذیرائی'' کی تالیف میں آپ سب شامل ہیں، اور میرے لئے یہ بڑا اعزاز ہے۔

والسلام

دعاؤں کا طالب

ملک مقبول احمد

Marfat.com

جناب منشا یاد

''خوشبو کی طرح پذیرائی''

''سفر جاری ہے'' پڑھنے کے بعد تو میں انہیں بہت اچھی طرح سے جاننے اور ماننے لگا ہوں بلکہ ان کے اہلِ خانہ اور عزیزوں سے بھی بھرپور تعارف ہو گیا ہے۔ کتاب میں چھپی ہوئی تصویر دیکھ کر ان کی صورت بھی جانی پہچانی لگتی ہے مگر ان سطور کے لکھنے تک غالباً میری ملک مقبول احمد سے بالمشافہ ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن مقبول اکادمی سے متعلق ایک خوشگوار یاد میرے ذہن میں کئی برسوں سے محفوظ ہے۔ ایک بار لاہور سے اسلام آباد واپسی کے روز میں کسی کتاب کی تلاش میں مال روڈ والے شوروم پر گیا اور کتاب کے بارے میں دریافت کیا۔ اتفاق سے میری مطلوبہ کتاب اسی روز چھپ کر آئی تھی۔ اب مجھے یاد نہیں کہ ملک صاحب خود تھے یا ان کا کوئی بیٹا جس نے مجھے پہچان لیا اور یہ کہہ کر کہ آپ پہلی بار ہماری دکان پر آئے ہیں، کتاب کی قیمت قبول نہ کی۔ لاہور کے بعض دیگر پبلشرز سے میری جان پہچان اور کسی حد تک کاروباری معاملات بھی تھے مگر مقبول اکادمی سے ایسا کوئی تعلق نہ تھا۔ میں اس حسنِ سلوک سے بہت متاثر ہوا۔ یہ محض چند سو روپوں کی بات نہ تھی، ایک عام سے مصنف سے ایک بڑے پبلشر کے سلوک اور رویے کا اظہار تھا۔ میں نے جان لیا کہ یہ ادارہ محض کتابوں کا کاروبار ہی نہیں کرتا، اللہ نے اسے کتاب اور مصنف کی عزت و توقیر کرنے کی توفیق بھی دے رکھی ہے۔ اہم بات یہ تھی کہ یہ سلوک کسی غرض، ضرورت یا کاروباری تعلق کے بغیر، محض خلوص کی بنیاد پر کیا گیا۔ ورنہ انہیں میرے جیسے کسی مصنف

Marfat.com

کی تلاش تھی نہ مجھے کسی پبلشر کی۔ مگر ان کا وہ اظہارِ محبت میرے دل میں ہمیشہ کے لیے نقش ہو گیا۔ اور یہ میرا ہی تاثر نہیں بلکہ ''پذیرائی'' میں شامل بیشتر تبصرہ نگاروں اور مکتوب نگاروں نے ملک مقبول احمد صاحب کی اس خوبی کا ذکر کیا ہے کہ وہ محض کاروباری آدمی نہیں، کتاب اور لکھنے والوں کی عزت کرنے والے نیک دل انسان ہیں۔ میرزا ادیب ایک سچے، سادہ اور مخلص ادیب تھے اور ان کے بہت قریب۔ ان کا عمر بھر ان سے واسطہ رہا۔ ان کی گواہی ملاحظہ ہو:

''ہمارے یہاں ناشر اور مصنف کے درمیان عام تنازعہ رہتا ہے۔ آپ بالکل ہی مختلف ہیں۔ میں نے آج تک کسی مصنف کو بھی آپ کے خلاف بولتے نہیں سنا۔ سب آپ کی وعدہ ایفائی اور خوش خلقی کی تعریف کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں آپ کو دیگر ناشرین سے الگ سمجھتا ہوں۔''

ایک اور گواہی ملاحظہ کیجیے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ستار طاہر قلم کے مزدور اور منہ پر سچ بولنے کا حوصلہ رکھنے والے ادیب تھے۔ ان کا کہنا ہے:

''یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی اور دوست نوازی تھی کہ بہت ہی مشکل وقت میں آپ میرے کام آئے تھے اور آپ نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ آپ نے جو میرے لیے کیا ہے اس کا تقاضا نہیں کرینگے اور ''جسابِ دوستاں در دل'' والا معاملہ ہوگا۔ لیکن ملک صاحب میں آپ کا مقروض ہوں۔ آپکا قرض اتارنا چاہتا ہوں۔ اور اتار دونگا''

چلئے میرزا ادیب تو ایک مرنجاں مرنج انسان تھے اور ستار طاہر کی کوئی مجبوری ہوگی۔ پھر ان دونوں کا تعلق لاہور سے تھا۔ اب لاہور سے باہر کے کچھ اہم گواہوں کی رائے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ محترم و ممتاز شاعر محشر بدایونی لکھتے ہیں ''فصل فردا'' کی اسی (۸۰) جلدیں ملیں۔ کتاب بے حد پسند آئی۔ یہ کتاب اپنے معیار کے مطابق کتابت طباعت کے لحاظ سے میری سب کتابوں پر سبقت رکھتی ہے۔ ابھی تک اسے جس نے دیکھا بہت کھل کر تعریف کی ہے۔ احباب اسے حیرت و مسرت کے جذبات کے

Marfat.com

ساتھ دیکھتے ہیں ۔ یہ آپ کی اعلیٰ مذاقی کی علامت ہے ۔ پھر آپ کو مجھ سے جو ایک تعلق خاطر ہے اس کا بھی خوبصورت اظہار ۔ میں آپ کے خلوصِ نیت کا دل سے مداح و ستائش گر ہوں ۔ خدا آپ کو آپ کی خدمتوں کا اجر دے ۔ امین''

حمید کاشمیری بہت ہی بھلے انسان اور بڑے ادیب تھے ۔ ان کا کہنا ہے کہ ''دیواریں موصول ہوگئی ہے ۔ پچھلے دنوں کچھ طبیعت ناساز تھی کچھ مصروفیات اتنی زیادہ تھیں کہ رسید بھجوا نہ سکا بہرحال آپ کا شکریہ ! آپ نے منی آمرڈر واپس بھیج کر شرمندہ کر دیا ہے ۔ آپ کی اس وضع داری نے مجھے بہت متاثر کیا ہے''

قمر نقوی صاحب نے ایک بہت ہی دلچسپ اور منظوم خط بھی لکھا مگر اپنے نثری خط میں وہ کہتے ہیں:

''آپ کا مرسلہ کتابوں کا پارسل مشمولہ ''شکارنامہ'' اور ''اردو شاعری کی آخری کتاب'' موصول ہو کر باعث مسرت ہوا ۔ دونوں کتابیں بہت عمدہ شائع ہوئی ہیں ۔ بحمد للہ سرورق بھی اعلیٰ ہے ۔ خصوصاً اردو شاعری کی آخری کتاب کا سرورق تو بہت دلکش اور ادبی قسم کا ہے ۔ شکارنامے کا سرورق اچھا ہے ۔ آپ کی ضد ہے کہ ہر شکار کی کتاب کا سرورق آرٹسٹ ہی بنائے گا گو میں سرورق کے لئے دوبارہ تصاویر ارسال کر چکا ہوں ۔ (قمر نقوی)

مجھے ''سفر جاری ہے'' ڈاکٹر انور سدید کی وساطت سے ملی ۔ میں چونکہ ان دنوں اپنی خودنوشت لکھنے میں مصروف ہوں ، اس لیے خودنوشت سوانح عمریاں دلچسپی سے پڑھتا ہوں ۔ یہ کتاب پا کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور میں نے فوراً ہی اس کی ورق گردانی شروع کر دی ۔ پہلی ورق گردانی میں اگر کوئی کتاب مجھے گرفت میں نہ لے تو میں اس کا پڑھنا ملتوی کرتا رہتا ہوں ۔ کیونکہ کسی ضرورت ، خوف یا معاوضے کے بغیر ایک غیر دلچسپ کتاب پڑھنا ٹوکری بھر پیاز کھانے کے مترادف ہوتا ہے ۔ میں نے کتاب کے شروع میں دی گئی اہل نقد و نظر کی آراء سے متاثر ہونے کی بجائے براہِ راست ''کتاب

Marfat.com

اور اس کا تعارف'' والا باب پڑھنا شروع کیا۔ کتاب کے بارے میں دیگر دانشوروں اور فلاسفروں کے اقوال سے قطع نظر مجھے مصنف کے اپنے بہت سے خیال انگیز جملے پڑھ کر ان کی علمی اور فکری حیثیت کا اعتبار آ گیا اور کتاب اور مصنف سے دلچسپی پیدا ہوتی چلی گئی۔ جیسے:

☆ ربِ ذوالجلال کو جب بھی بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے اپنے پیغمبر مبعوث کرنے کی ضرورت پیش آئی تو ان کو وحی اور الہام کے ذریعے آسمانی صحیفے اور آفاقی کتب سے سرفراز فرمایا۔

☆ بلاشبہ کتاب مصنف کے لکھ دینے ہی سے وجود میں آتی ہے لیکن کتاب کو صوری حسن و رعنائی ناشر فراہم کرتا ہے۔

☆ کتاب بظاہر ایک خاموش شے ہے لیکن اس کے اندر گویائی کے سمندر موجزن ہیں۔ کتاب رحمانی اور آسمانی تخلیق ہے اور اس کا مقصد نسلِ انسانی کو صراطِ مستقیم پر چلانا اور معاشرے کی اصلاح ہے۔

☆ میں کتاب کی خاموشی کے باوجود اس کی گویائی سے آشنائی رکھتا ہوں اور اس کے باطن کی دانش کو سمجھتا ہوں۔ میرا نصابی علم محدود ہے مگر میری کتاب سے محبت گہری ہے۔ کتاب ہمیں عقل و خرد کے ان جزیروں کی سیاحت کراتی ہے، جو گردشِ زماں میں گم ہو چکے ہیں۔

ان باتوں سے مجھے یقین ہو گیا کہ مصنف کتاب کی ضرورت و اہمیت سے بہت اچھی طرح آگاہ ہے اور وہ محض کتابیں شائع ہی نہیں کرتے ان کی خاموشی کی زبان کو بھی سمجھتے ہیں اور کتابوں میں مستور علم و ادب کی گہری باتوں کو سمجھنے کا شعور رکھتے ہیں۔ پھر جب یہ خوبصورت سطور میری نظر سے گزریں تو میں ان کا اور بھی قائل ہو گیا۔ انہوں نے لکھا تھا: '' مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی شرم، جھجک یا رکاوٹ نہیں کہ میں تعلیمی سرٹیفکیٹوں، ڈگریوں اور دستاویزی حوالوں سے انتہائی کم علم ہوں لیکن پھولوں کے

Marfat.com

درمیان رہ کر خوشبودار ہو جانے والی مٹی کی طرح میں بھی ادباء شعراء، مصنفین، مترجمین، معلمین، محققین، اور عالی ظرف انسانوں اور کتابوں کے داخلی جمال سے فیضیاب ہوا اور میں خود بھی ایک کتاب بن کر رہ گیا''

ظاہر ہے کہ ان کی نگاہ محض کتاب کے ظاہری حسن پر ہی نہیں، وہ اس کے باطن سے بھی آشنائی رکھتے ہیں۔ اور وہ کم تعلیم یافتہ شخص ہرگز نہیں، یہ محض ان کا انکسار ہے۔ اعتبار ساجد نے بالکل ٹھیک لکھا ہے کہ ''اپنی کم علمی کا اعتراف وہ عالی ظرف انسان کررہا ہے جسے بین الاقوامی ادارے مارکوئیس پبلشنگ بورڈ نے اپنی کتاب ہواز ہوان دی ورلڈ (Who is who in the world) میں پاکستان کی اہم شخصیت کے طور پر 1999ء میں شامل کیا ہے۔ حالانکہ ہمارے ہاں لوگ پتہ بھی توڑتے ہیں تو درخت گرانے کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں۔ مگر اس پوری کتاب میں کوئی دعویٰ نہیں اور یہی سب سے بڑا دعویٰ ہے''

مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شخص اپنی زندگی کا احوال اور اپنے اشاعتی تجربات بیان کرتے ہوئے یقیناً جو کہے گا وہ سچ ہوگا اور اس سچائی اور خلوص کی گواہی ہمیں کتاب کی سطر سطر میں ملتی ہے۔ اپنے اشاعتی تجربے اور اپنی کتاب کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ ''کتابوں کی طباعت کا کام کئی حوالوں سے ایک پرخطر کام ہے۔ اکیلا فرد اس میں ہاتھ نہیں ڈال سکتا لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ اس کام کی ابتدا ایک فرد ہی کرتا ہے۔ اس فرد کے اندر ایک اپج ہوتی ہے جس کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگتا ہے اور پھر اس کے دل میں ایک کتاب کے بعد دوسری بہتر کتاب پیش کرنے کی ترنگ پیدا ہوتی چلی جاتی ہے''

تو گویا کتاب چھاپنے کا کام ان کے نزدیک محض روٹی روزی کا وسیلہ یا کاروبار نہیں تھا۔ یہ ان کا شوق بھی تھا جو بڑھ کر عشق کی صورت اختیار کر گیا ورنہ اس کا جادو سر چڑھ کر نہ بولتا اور وہ کتاب چھاپتے چھاپتے خود کتاب نہ بن جاتے۔ کاروبار میں کاروباری حربے استعمال ہوتے ہیں۔ ترنگ صرف شوق اور عشق میں اٹھتی ہے۔

Marfat.com

یقیناً انہیں بہتر کتاب پیش کر کے وہی مسرت اور لطف ملتا ہو گا جو کسی آرٹسٹ کو تخلیق میں ملتا ہے۔ اپنے کام اور پیشے سے عشق ہونا خوش نصیبی ہے ورنہ اس سے بیگار بھلی ۔

میں نے تمہیدی ابواب کے بعد ان کے حالاتِ زندگی پڑھنا شروع کیے تو ان کے اور اپنے بچپن کے حالات اور ماحول میں گہری مماثلت محسوس ہونے لگی جس سے میری دلچسپی مزید بڑھ گئی۔ وہی میرے بچپن میں دیکھے بھالے گاؤں جیسا گاؤں۔ آبادی کے تین اطراف میں پھیلا ہوا جوہڑ، جو جیٹھ اساڑھ کی گرمی میں سوکھ جاتا اور مٹی کی تہہ پپڑیوں کی صورت اختیار کر جاتی۔ وہی صحن میں شیشم اور بیریوں کے درخت، پرندوں کے گھونسلے اور شام کے وقت ان کا شور، گھر میں چھوٹی سی کھوہی، چرخے کاتتی، سرکنڈے اور کھجور کے رنگ برنگے پتوں سے مونڈھے، ٹوکریاں، چھابے اور چنگیریں بناتی عورتیں، وہی سریلی آوازوں والی دوہے، بارہ ماہے، معراج نامے، اور جدائی و داع کے گیت گاتی لڑکیاں۔ وہی گھر کے در و دیوار پر چڑھی بیلیں، توریوں کا مزیدار سالن اور سوکھ جانے والی موٹی توریوں کے نرم برش۔ اور وہی گھر کے تنور پر پکی ہوئی گرم گرم اور خوشبو دار روٹی۔

کچھ اور آگے بڑھا تو بچپن کے مشاغل اور کھیلوں کا احوال بھی ویسا ہی تھا جیسا میرے بچپن کا۔ وہی چاندنی راتوں میں آدھی آدھی رات تک کھلے میدانوں میں کوکلا چھپاتی کھیلنا۔ وہی ستاروں بھرا آسمان، گرمیوں میں سرخ آندھی اور سیلاب، خشک سالی میں بارش کی دعائیں اور گیت، گاؤں کا ساون اور سانپوں اور دیگر حشرات الارض کا گھروں میں گھس آنا اور درختوں پر چڑھ جانا، فصلوں کا پانی میں ڈوب جانا اور مویشیوں کے لئے چارے کی قلت پیدا ہو جانا۔ لوگوں کو رفع حاجت تک کے لئے خشک جگہ نہ ملنا۔ اس کے بعد میلوں ٹھیلوں اور کھیل تماشوں کا ذکر۔ اور تب تو وہ مجھے بہت ہی اپنے قریب لگے جب پتہ چلا کہ انہیں بھی میری طرح میلے ٹھیلے اور ناٹک دیکھنے کا بہت شوق تھا اور ان کے اندر بھی بندر اور ریچھ کا تماشا دکھانے، پھوڑے پھنسیوں پر جونکیں لگانے، طوطے

Marfat.com

سے فال نکلوانے ،رسوں پر چلنے اور قلابازیاں لگانے والے نٹ اور بازیگر اب تک زندہ ہیں اور انہیں بھی رہس دھاریئے اور ان کے لڑکیوں کا سوانگ دھار کر ناٹک میں حصہ لینے والے خوبرو اور خوش گلو لڑکے یاد ہیں۔

توہم پرستی ہمارے معاشرے میں زندگی کے حقائق کو سمجھنے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے اور مذہبی اعتقادات میں غلط ملط کر دی جاتی ہے۔''راستہ روکنے والی بلا'' کا قصہ جس کی ایک واضح مثال ہے۔ایسے قصے اور توہمات ہمارے دیہات میں عام ہیں مگر انہوں نے اس سے جو نتیجہ نکالا ،وہ بہت سے پڑھے لکھے بلکہ بعض عالم فاضل لوگوں کی سمجھ میں بھی نہیں آتا۔ مجھے اس سے ان کی راست فکری کا بھی اندازہ ہو گیا۔ لکھتے ہیں ''خوف کا احساس اور واہمے ہی بھوت پریت ہوتے ہیں۔اندھیرے میں ان دیکھی اشیاء کے کئی کئی بازو،ٹانگیں اور سر نظر آتے ہیں اور انسان اپنی داخلی کمزوری سے ڈر جاتا ہے۔''

موسیقی سے بے حد لگاؤ ،سیف الملوک پڑھنا اور گھر کی خواتین اور دوستوں عزیزوں کو گا کر سنانا بھی مجھے اپنے جیسا ہی لگا۔وہ عمر میں مجھ سے چھ سات برس بڑے ہیں مگر میرے اور ان کے ابتدائی حالات میں حیرت انگیز مماثلت ہے۔میری شادی بھی اپنی کزن سے ہوئی جسے صفائی کا جنون ہے۔میری بھی ایک بیٹی ہے اور میں نے بھی ایک بیٹے کو زبردستی ڈاکٹر بنایا۔مڈل کا امتحان پاس کر کے انہوں نے پٹواری بننا قبول نہ کیا اور میں نے سکول ٹیچر۔انہوں نے فاضل فارسی کا کورس پڑھا مگر امتحان نہ دیا مگر میں نے براستہ بٹھنڈہ ایم اے کرنے کے لیے فاضل اردو کا امتحان دیا اور پاس بھی کر لیا۔ایک حیرت انگیز مماثلت یہ کہ میرے ایک چھوٹے بھائی کا نام بھی منظور احمد تھا جو بچپن میں فوت ہو گیا تھا۔البتہ ایک فرق یہ ہے کہ انہیں والد نے کبھی نہیں مارا،صرف والدہ ٹھکائی کرتی تھیں۔مگر مجھے دونوں مار لیتے تھے۔والدہ جھوٹ موٹ اور والد سچ مچ۔ایک اور اتفاق دیکھئے کہ ملک صاحب کا تعلق ضلع سیال کوٹ سے ہے اور میرا ضلع شیخوپورہ سے مگر

Marfat.com

بہت سال پہلے ایک بار انہوں نے میرے گاؤں کے قریب سچا سودا، متصل فاروق آباد میں دو مربعے اراضی خرید لی اور زمینداری شروع کر دی۔ وہ علیحدہ بات ہے کہ انہیں یہ راس نہ آئی۔ شاید اللہ تعالیٰ کو ان سے علم و ادب کی خدمت لینا ہی مقصود تھا۔ تاہم ان مماثلتوں سے وہ مجھے بہت ہی اپنے اپنے لگنے لگے لیکن جب میں نے اکبر حمیدی، جمیل آذر، اور ابوالامتیاز ع۔س مسلم اور بعض دیگر احباب کے تاثرات پڑھے جن کو ملک صاحب کے بچپن کا احوال پڑھ کر اپنا بچپن اور گاؤں یاد آ گیا تھا تو مجھے ابوالامتیاز ع۔س مسلم کی اس تحریف سے اتفاق کرنا پڑا کہ:

''دیکھنا ''تحریر'' کی لذت کہ جو اس نے ''لکھا''
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے''

''سفر جاری ہے'' کے مصنف کا اندازِ تحریر سادہ، غیر مبہم مگر دلکش ہے۔ غالباً ان کے تجربے میں یہ بات آئی ہوگی کہ مصنف کا اندازِ تحریر ایسا ہی ہونا چاہیے کہ کتاب، پڑھنے والے پر پتھر بن کر نہ گرے، اس سے دوست کی طرح کلام کرے۔ کتاب کے مطالعے کے دوران میں بعض جملوں نے تو مجھے چونکا دیا۔ ایسے جملے کوئی عام وقائع نگار یا نثر نویس، جب تک وہ سچا ادیب نہ ہو اور اس کے اندر تخلیق کی شمع روشن نہ ہو، ہرگز نہیں لکھ سکتا۔ مثلاً ننھیال جانے اور اپنی ماموں زاد منگیتر سے ملاقات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اس دور میں وہ میرے دل کی پہنائیوں میں مستقل طور پر آباد ہو گئی تھی۔ میرے ننھیال جانے کے ارادوں میں اور پھر تمام سفر کے دوران میں وہ ہی ذہن کے پردوں پر رقصاں رہتی۔ میں اسے اپنی گہری اور سچی دوست سمجھتا تھا۔ بڑی سی حویلی کے کسی گوشتے میں ہم گھنٹوں بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہتے۔ ہم دن کا زیادہ وقت ایک دوسرے کی نظروں کے دائرے میں گزارتے۔''

یوں تو پانی کے علاج اور لوئی کوہنی کی کتاب ''نیا علم شفا بخشی'' کی انہوں نے اتنی اچھی وکالت کی ہے کہ اب اس کتاب کا پڑھنا سب پر واجب ہو جائے گا مگر ''پتے کی

Marfat.com

بات'' کے عنوان سے صحت اور تندرستی کے لیے صبح کی سیر اور ورزش کے سلسلے میں اپنے تجربات بیان کرتے ہوئے انہوں نے ایک نہایت بلیغ اور خوبصورت جملہ لکھا ہے:

''موٹاپا گلے میں بندر باندھ کر جسم کو اٹھائے اٹھائے پھرنے کے مترادف ہے''

دیہات میں برسات کے دنوں کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں کہ پورا منظر اور ماحول زندہ ہو کر آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے'' ساون میں بادل امنڈ کر آتے اور بارش کھل کر برستی۔ ندی نالے، کھیت، کنویں اور جوہڑ سب بھر جاتے۔ سطح زمین پانی کی ہموار چادر نظر آتی۔ زرد رنگ کے مینڈک ہزاروں کی تعداد میں نہ جانے کہاں سے آ جاتے اور کھیتوں کی منڈیروں پر بیٹھ کر ایک ساتھ ٹراتے۔ چوہے، سانپ، نیولے خشک جگہ کی تلاش میں ادھر اُدھر نکل جاتے۔ کچھ درختوں پر بھی چڑھ جاتے جہاں سے انہیں چیلیں اور شکرے پکڑ کر کھانے کے لیے اونچے درختوں پر لے جاتے۔ جو انسانوں کے ہتھے چڑھ جاتے وہ مارے جاتے۔ کن کھجورے اور بچھو وغیرہ بھی اپنی جانیں بچانے کے لیے زمین کے نیچے پانی بھر جانے سے گھروں کے کچے فرشوں پر نکل آتے''

انہیں موقع اور محل کے مطابق بات کرنے کا سلیقہ بھی خوب آتا ہے۔ سکولوں میں سامان کی سپلائی کے ٹھیکے کا ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے۔ جب رشوت یا کمیشن نہیں لیا گیا تو صاف لکھ دیا لیکن جب کچھ دینا لینا پڑا تو لہجہ بدل لیا اور کھلے انداز میں کچھ کہنے کی بجائے اشارے اور کنائے میں بات کہہ دی۔ ایگزیکٹو ڈسٹرکٹ آفیسر (لٹریسی) شیخوپورہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ لکھتے ہیں'' انہوں نے ہم سے کسی قسم کی کمیشن یا زائد شے طلب نہیں کی۔ مگر اکاؤنٹ آفس سے ہمارے بل پاس کرانے کے بارے میں انہوں نے ہم سے معذرت کر لی۔ لہٰذا وہاں سے بل پاس کرانے کے لیے ہم نے اپنے ذرائع استعمال کئے۔ سب حضرات جانتے ہیں کہ اکاؤنٹ آفس سے بل کس طرح پاس ہوتے ہیں''

کتاب میں اپنے حالات اور واقعات کے علاوہ بھی انہوں نے بہت سی کارآمد اور دلچسپ چیزیں شامل کر دی ہیں۔ ادیبوں کے خطوط، تبصرے اور تصویریں،

Marfat.com

مصنفین کے حالاتِ زندگی اور تصویریں، کتابوں پر تبصرے، حج بیت اللہ کا سفر نامہ، انٹرویوز، حکومتی اہل کاروں کی چٹھیاں، بعض کتابوں کے بارے میں معلومات جیسے آزادی ہند اور تمدنِ عرب کی اشاعت اور اسلامی کتابوں اور تاریخی ناولوں کے قصے۔ بعض مصنفین سے ملاقاتوں کا احوال اور ان کے رویوں کے بارے میں انکشافات۔ جیسے میاں ایم اسلم کی جوتوں والے ٹائیٹل پر ناراضی۔ محمد سعید، رئیس احمد جعفری اور اے حمید کے ناولوں کی مقبولیت اور اردو ادب کے تین نامور دانشوروں کا ذکر جو بغیر داڑھی کے مولانا تھے۔ انہوں نے بہت سے ادیبوں کے، جن کا ان کے ادارے سے تعلق رہا، حالاتِ زندگی اور تصویروں کے ساتھ تعارف بھی کتاب میں شامل کیا اور ان کے بارے میں کلمہ خیر ضرور کہا مگر کسی کی بے جا اور غیر واجب توصیف نہیں کی۔ ہر ایک کے بارے میں بہت نپے تلے انداز میں اپنی رائے دی۔ جو جیسا ہے اسے ویسا ہی پیش کیا ہے۔ کم نہ زیادہ۔ اس طرح یہ حوالے کی کتاب بھی بن گئی۔ سید قاسم محمود کا بھی، اشاعتی تجربوں کے حوالے سے ہی سہی، یہی خیال ہے "میری رائے میں یہی اس کتاب کی اولین خصوصیت ہے کہ یہ مستقبل میں کام آنے والی کتاب ہے"

کتاب میں ڈاکٹر صفدر محمود، علی سفیان آفاقی، ڈاکٹر انور سدید، اے حمید، شعیب بن عزیز، طارق اسمٰعیل ساگر، سید واجد رضوی، ابوالامتیاز ع، س مسلم، قاضی ذوالفقار احمد، قمر نقوی، اور ڈاکٹر اللہ بخش ملک جیسے دانشوروں اور اہلِ نقد و نظر کے مضامین، تبصرے اور تاثرات شامل ہیں اور ہر ایک نے کتاب کے کسی نہ کسی پہلو اور مصنف کی کسی نہ کسی خوبی کو سراہا ہے۔ ڈاکٹر صفدر محمود جیسے مستند اور مقتدر دانشور نے اسے ایک ادبی دستاویز قرار دیا۔ علی سفیان آفاقی نے ایک دلچسپ خود نوشت۔ ڈاکٹر انور سدید نے کہا کہ اس آپ بیتی سے ان کی ملاقات ایک ایسے اسلام پسند ناشر سے ہوئی جس نے کتاب کی اشاعت کو ایک مقدس فریضے کے طور پر قبول کر رکھا ہے۔ اے حمید نے انہیں بھی ایک رومان پرور ادیب قرار دیا۔ شعیب بن عزیز نے انہیں گرم دمِ جستجو اور نرم دمِ گفتگو رہنے والے کامیاب انسان اور ناشر کہا۔ قاضی ذوالفقار نے انہیں ادب کی شمع

Marfat.com

فروزاں اور قمر نقوی نے خلوص کا روشن چراغ قرار دیا۔ ڈاکٹر طارق عزیز نے ''سفر جاری ہے'' کو اردو کی مشہور اور نمایاں سوانح عمریوں ''نا قابل فراموش'' (دیوان سنگھ مفتون) ''سرگزشت'' (عبدالمجید سالک) ''نقشِ حیات'' (مولانا حسین احمد مدنی) ''عمر رفتہ'' (تقی محمد خاں) ''یادوں کی برات'' (جوش ملیح آبادی) ''جہانِ دانش'' (احسان دانش) اور ''مٹی کا دیا'' (میرزا ادیب) کے تناظر میں رکھ کر دیکھا اور اردو کی نمایاں آپ بیتیوں میں اہم اور دقیع اضافہ قرار دیا۔

میں نے ان سب باتوں اور دعووں کو ذہن میں رکھ کر کتاب کا مطالعہ کیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مجھے کہیں بھی بے جا توصیف یا پبلک ریلیشننگ دکھائی نہ دی۔ اب بھلا ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا جیسے کھرے شخص سے کوئی اس بات کی توقع کر سکتا ہے کہ وہ لگی لپٹی رکھیں گے۔ مگر انہوں نے بھی کتاب کو سراہا ہے:

''مقبول صاحب نے طویل خودنوشت لکھنے سے اجتناب کیا ہے۔ بلکہ اپنے حالات، مشاہدات اور تجربات کچھ اوپر ایک سو صفحات ہی میں تمام کر دیئے ہیں اور حق یہ ہے کہ واقعات ایسے انداز میں لکھے ہیں کہ دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ چار سو پچپن صفحات کی اس کتاب کا معتبر حصہ براہِ راست خودنوشت کی ذیل میں نہیں آتا۔ تاہم صاحب تصنیف کی زندگی اور ان کے کاروباری معاملات کو بالواسطہ انداز میں اس طرح ہمارے سامنے لاتا ہے کہ یہ حصہ بھی سوانح سے مربوط ہو جاتا ہے''

''پذیرائی'' میں نئے پرانے سبھی تبصرے، مضامین اور خطوط شامل ہیں۔ اس طرح الف سے واوَ تک (''ی'' نام کا کوئی مصنف شامل نہیں ہے البتہ یونس جاوید کی رائے ایک رپورٹ میں ضرور شامل ہے) سارے ہی معروف ادیب اور شاعر شامل ہو گئے ہیں۔ بعض خطوط معلوماتی ہیں اور بعض دلچسپ۔ ان سے نہ صرف کتاب کے محاسن پر روشنی پڑتی ہے بلکہ ملک مقبول احمد صاحب کی مقبولیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ چند اہم ادیبوں کے خطوط کے اقتباسات دیکھئے:

☆ یہ کتاب محض آپ بیتی نہیں رہی بلکہ اس میں جگ بیتی اور کتاب کی کہانی

Marfat.com

بھی شامل ہو گئی ہے۔ (وحید قریشی)

☆ وہ پاکستان کے غالباً پہلے ناشر ہیں جنہوں نے اپنی آپ بیتی سپردِ قلم کی ہے۔۔۔انہوں نے ایک ناشر کے صحیح منصب کو ہمہ وقت سامنے رکھا ہے۔قارئین اس کتاب کے مطالعے سے نشر و اشاعت کے بازار کی جملہ کرتوتوں سے بخوبی آگاہ ہو سکتے ہیں۔ (وزیر آغا)

☆ ''سفر جاری ہے'' ان کے گوناگوں شخصی مشاہدات اور تجربات کے بیان کے ساتھ ساتھ اس دور کے ادیبوں اور ادبی فضا کا احوال اور منظر نامہ بھی بن گئی ہے جس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ (امجد اسلام امجد)

☆ ملک صاحب نے اپنے آپ کو غیر معمولی بتانے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ ایک پر اثر سادگی کے ساتھ داستانِ حیات میں اپنے کردار کے حقیقی نقوش واضح کئے ہیں۔ (رشید امجد)

کتاب میں شامل مضامین اور تبصروں میں برادرم پروفیسر جمیل آذر، جنہوں نے میرے پیچھے پڑ کر یہ دیباچہ لکھوایا، کے تبصرہ نما خطوط یا خطوط نما تبصرے 29 صفحات پر مشتمل اور غالباً سب سے زیادہ بھرپور اور طویل ہیں۔ انہوں نے کتاب کے ہر پہلو کا گہرائی سے جائزہ لیا ہے۔

میں سمجھتا ہوں ''سفر جاری ہے'' کو وقیع بنانے میں دو تین امور شامل ہیں۔ ایک تو یہ کہ ملک مقبول احمد کے حالاتِ زندگی بہت دلچسپ تھے اور ہر کامیاب اور سیلف میڈ شخص کی طرح ان کے پاس بھی بتانے اور دوسروں سے Share کرنے کو بہت کچھ تھا۔ دوسرے اس میں پہلی بار ایک پبلشر نے مصنفین سے متعلق معاملات و مسائل اور اپنے تجربات بیان کیے جو مصنفین اور ناشرین کے لیے مشعلِ راہ بن سکتے ہیں۔لیکن سچی بات یہ ہے کہ ایسی کتاب صرف وہی پبلشر لکھ سکتا ہے جو محض تاجر نہ ہو، کتاب سے سچی محبت کرتا ہو اور اس کی قدر و قیمت کو پہچانتا ہو۔جس کی شائع کی ہوئی کتابیں معیاری ہوں، اشاعتی ادارہ باوقار اور قابل اعتماد ہو، جس نے مصنفین سے معاملات اور

84220

Marfat.com

معاہدے خوش اسلوبی سے نبھائے ہوں۔

اللہ کرے ملک مقبول احمد اسی طرح شرف مقبولیت پاتے رہیں۔ ان کا یہ سفر تادیر جاری رہے اور پڑھنے والے خوشبو کی طرح ان کی کتابوں کی پذیرائی کرتے رہیں۔

جناب منشا یاد اردو کے ممتاز افسانہ نگار ہیں۔ ان کے فن کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے دیہاتی آگہی کو اردو افسانے میں شہری بصیرت سے متعارف کرایا ہے۔ آپ 5 ستمبر 1937ء کو ضلع شیخوپورہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ سکول کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد سول انجینئرنگ میں ڈپلوما حاصل کیا۔ دارالحکومت پاکستان کے ترقیاتی ادارہ میں انجینئر کے ابتدائی عہدے پر فائز ہوئے اور ستمبر 1997ء میں ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے سے ریٹائر ہو گئے۔ اس دوران انہوں نے ایم اے (اردو) اور ایم اے (پنجابی) کیا۔ کہانیاں سننے اور پھر لکھنے کا شوق سکول کے زمانے میں ہی پیدا ہو گیا تھا۔ افسانہ نگاری کے میدان میں آئے تو اپنے معاصرین میں بہترین شمار ہوئے۔ ان کے فن کی تحسین ہندوستان میں ڈاکٹر کیول دھیر، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اور شمس الرحمان فاروقی اور پاکستان میں ڈاکٹر وزیر آغا اور ڈاکٹر انور سدید نے کی۔ ممتاز رسالہ ''اوراق''۔ ''طلوعِ آفتاب''۔ ''چہارسو'' اور ''ادب ساز'' (دہلی) نے ان کے فن اور شخصیت پر خصوصی گوشتے شائع کیے۔ حکومت پاکستان نے انہیں ''پرائڈ آف پرفارمنس'' کا اعزاز عطا کیا۔ ان کے افسانوں کی پہلی کتاب ''بند مٹھی میں جگنو'' 1975ء میں اور تاحال آخری کتاب ''خواب سرائے'' 2005ء میں چھپی۔ ان کے اردو اور پنجابی افسانوں کے کئی انتخاب چھپ چکے ہیں۔ کئی کتابوں پر ایوارڈ مل چکے ہیں۔ اسلام آباد میں ''لکھنے والوں کی انجمن'' اور ''حلقہ ارباب ذوق'' کی بنیاد رکھی انہیں کامیابی سے چلایا، متعدد غیر ملکی کانفرنسوں میں پاکستان کی نمائندگی کر چکے ہیں۔ ان دنوں اردو اور پنجابی میں افسانہ، ناول، ڈرامہ، ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے لئے لکھ رہے ہیں۔

بلاشبہ منشا یاد اردو ادب کی آبرو ہیں۔

Marfat.com

جناب ابوالامتیاز ع۔س۔ مسلم

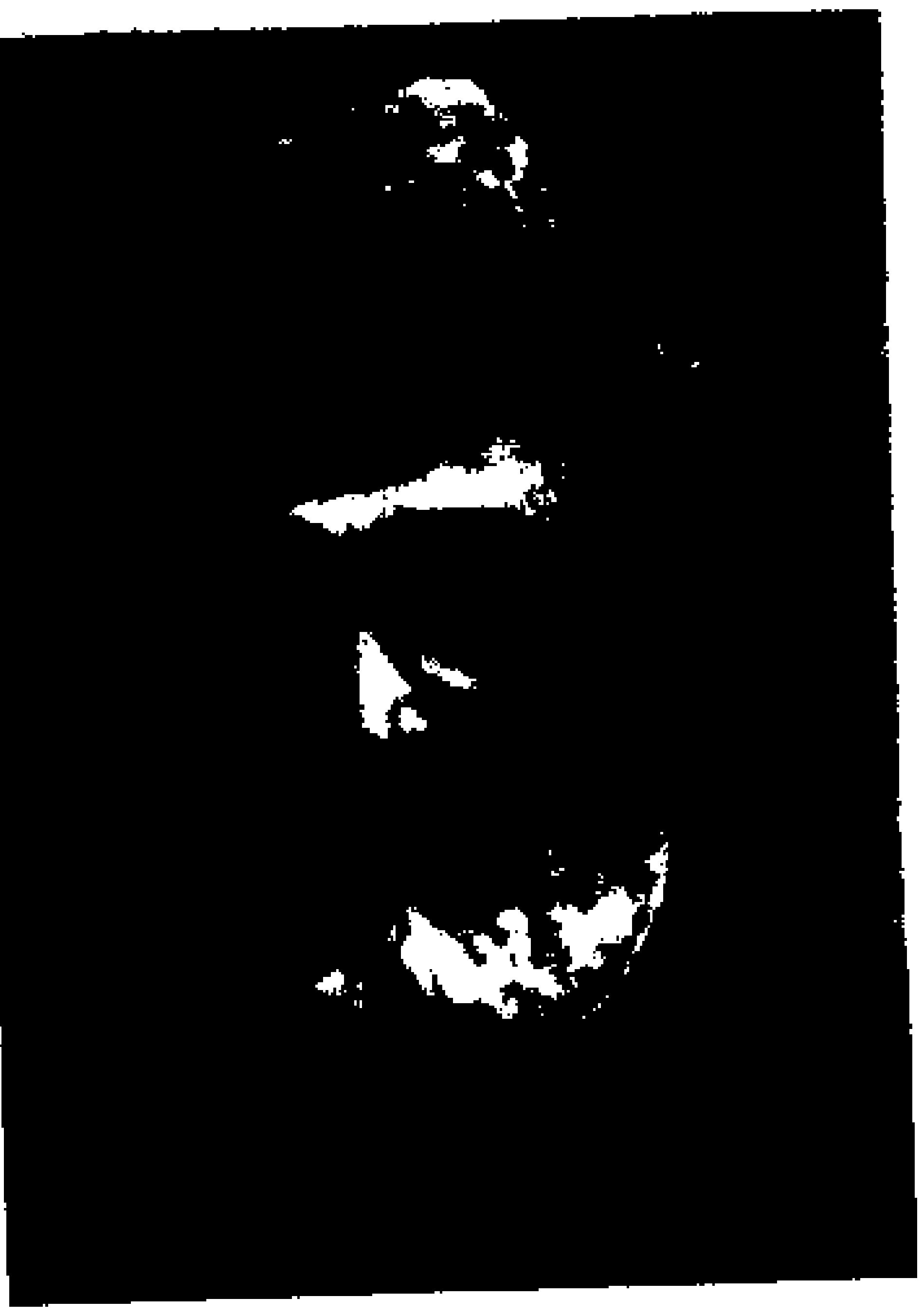

ابوالامتیاز ع۔س۔ مسلم پاکستان کے معروف دانشور اور ادیب ہیں۔ وہ بھارت کے ضلع جالندھر میں 1922ء میں پیدا ہوئے۔ اور آزادی کے بعد پاکستان آگئے۔ ابتدائی تعلیم کے دوران ہی ان کا رجحان دین اسلام اور ادب کی طرف ہو گیا تھا۔ کراچی سے انہوں نے ایک ادبی رسالہ جاری کیا اور متعدد مصنفین کو شہرت حاصل کرنے میں معاونت کی۔ کچھ عرصہ خلیجی ریاستوں میں تجارت کرنے کے بعد اب انہوں نے اپنی زندگی تصنیف و تالیف کے لیے وقف کر دی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے خلق خدا کی خدمت کے لیے ''رحمت وقف'' ۔۔''رحمت ہسپتال'' اور سوسائٹی برائے ذہنی پسماندگان بھی قائم کر رکھے ہیں۔

ع۔س۔ مسلم کی تخلیقی شخصیت کے تین زاویے اہم ہیں۔ شاعر کی حیثیت میں وہ قومی، ملی اور ادبی نظمیں اور غزلیں لکھتے ہیں۔ ادیب کی حیثیت میں افسانہ و انشاء پردازی ان کی محبوب صنف ہے۔ ان کے دانشورانہ مضامین نظریاتی اخبار ''نوائے وقت'' میں چھپتے ہیں۔

عاشق حقیقی کی حیثیت میں انہوں نے حمدیں، مناجاتیں اور نعتیں تخلیق کی ہیں۔ حمد و نعت میں ان کی کتابیں ''کاروانِ حرم'' ۔۔۔''حمد باری تعالیٰ'' اور ''زبور نعت'' چھپ چکی ہیں۔ ان کی انگریزی کی کتاب ''روڈ ٹو حرم'' (Road To Haram) کو قبول عام مل چکا ہے۔ ان کی پنجابی شاعری کی کتاب ''واگاں میں ول موڑ'' پنجاب یونیورسٹی (اورینٹل کالج) لاہور کے ایم اے کے نصاب میں شامل ہے۔ ع۔س۔ مسلم کی خودنوشت سوانح عمری بھی چھپ چکی ہے۔ جسے ہندو پاک کی سماجی اور تہذیبی تاریخ کا مرقع تسلیم کیا گیا ہے۔ عمر عزیز کے 85 سال گزار لینے کے باوجود وہ صحت مند و توانا ہیں اور ان کا قلم رواں دواں ہے۔ ''سفر جاری ہے'' پر انہوں نے محبت کی نظر ڈالی ہے۔

Marfat.com

ابوالامتیاز ع س مسلم

سفرِ زیست کی داستان

ملک مقبول احمد کی خودنوشت ''سفر جاری ہے'' مجھے ملی تو میں نے سرہانے رکھ لی کہ فُرصت کے لمحات میں ورق گردانی کروں گا۔ چند بار کتاب کھولی بھی لیکن اُن کے مداحوں کی تحریروں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ دراصل میں نے اپنی کتابوں کے سلسلے میں بیک وقت کئی کام ہاتھ میں لے رکھے تھے، جن میں ''حمدِ باری تعالیٰ'' اور ''زبورِ نعت'' کی ترتیب و تدوین کے علاوہ انہی کے ہاں سے شائع شدہ کتاب ''کاروانِ حرم'' کا انگریزی نظم میں ترجمہ ''ROAD TO HARAM'' اور اسی ضمن میں تحقیق و ترتیب سرِ فہرست تھی۔ اس میں شب و روز کی محنت کے علاوہ رابطوں کی مصروفیت بھی تھی۔

عمرِ عزیز کے پچاسی سال مکمل ہو کر چھیاسیواں شروع ہے۔ ہجری تقویم کے حساب سے اس میں تین برس کا اضافہ کر لیجیے۔ اس ارذل العمر سے تو اللہ کے محبوب ﷺ نے بھی پناہ مانگی ہے۔ خود اللہ کا فرمان ہے کہ:

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ط (۲۲۔ حج۔ ۵)۔ ''اور تم میں سے وہ بھی ہیں جنہیں ارذل العمر (یعنی ایسی نکمی عمر) تک پہنچا دیا جاتا ہے جس سے وہ (ضعیفی کے باعث) ایک شے سے

Marfat.com

باخبر ہو کر (بھی) بے خبر ہو جاتے ہیں''۔

(کیونکہ وہ ضعفِ حافظہ اور قوائے دماغی کے انحطاط کا شکار ہو جاتے ہیں)۔

چنانچہ نہ صرف تخلیقی کارکردگی زوال پذیر ہو جاتی ہے، بلکہ روزمرّہ کے معمول کا کام بھی کل پر ٹلتا رہتا ہے۔ ایک دن ہمت کر کے میں نے کتاب کھول ہی لی تو گویا زندگی کی الف لیلہ سامنے تھی۔ لیکن یہ لق و دق صحرا میں کسی پیرِ فرتوت کو کندھوں پر سوار کر لینے یا کسی محبوبہ کے سوال کے جواب کی تلاش میں نگر نگر سرگردانی والی خیالی الف لیلہ نہیں تھی، بلکہ اس کی دلچسپیاں حقیقی تجربات، روزمرّہ کے مشاہدات، زندگی کی نفسیات کے گہرے مطالعے اور نازک جذبات و احساسات کے عمیق ادراک کے سرچشموں سے پھوٹتی ہیں۔

الف لیلہ کی سدا سہاگن اور دلچسپ داستان سے میرا دھیان منشی تیرتھ رام فیروز پوری کی طرف چلا گیا، جن کے ناولوں کی اشاعت سے ملک مقبول احمد نے اپنے اشاعتی کاروبار کا آغاز کیا۔ اُن کے راتوں کی نیند حرام کرنے والے ناول ایک زمانے میں ہم بھی پڑھتے تھے، لیکن یہ اُب دور کی بات ہے، جب ملک مقبول صاحب سکول سے بھاگ کر گیان چند کے ساتھ، والد کے ڈر سے بیری کے درخت اور آس پاس کے کھیتوں میں چُھپتے پھرتے تھے۔ استقلالِ پاکستان کے بعد تیرتھ رام کے ساتھ ان کے ناولوں کا ذوق بھی انحطاط پذیر ہو گیا۔ ملک صاحب پر اللہ کا فضل خاص ہے کہ اُس دلدل سے صحیح سلامت نکل آئے۔

والدِ گرامی نے تو اُنہیں کچھ نہیں کہا اور پکڑ کر گھر لے آئے، لیکن ''بے جی'' نے چوبارے والے کمرے کے سامنے چھوٹے صحن میں لے جا کر جوتوں کے ساتھ جو اُن کی ''مرمّت'' کی، اور یہ فریضہ وہ اکثر انجام دیتی رہتی تھیں، تو یہ بھی ملک صاحب پر اللہ کی خاص رحمت تھی، ورنہ وہ ''ریاستی بارڈر پار کر کے جموں

Marfat.com

بھاگ جانے'' کے بعد کن مصائب کا شکار ہوتے ، اس کچی عمر میں کیسے لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتے تو آج کہاں اور کیا ہوتے اور چھوٹ بھی جاتے تو کن نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو چکے ہوتے ۔ اس کا اندازہ وہ آج خود اپنے پوتوں اور نواسیوں کے تصور سے کر سکتے ہیں ۔ مثل مشہور ہے کہ ''ماواں ٹھنڈیاں چھاواں'' اُن کی ڈانٹ ڈپٹ اور مار بھی ممتا کے جذبات سے لبریز ہوتی ہے اور دودھ مکھن کھلانے کی طرح بچوں کی ذہنی صحت اور بھلائی کی خاطر ہوتی ہے ۔ انسان سو برس کا بھی ہو جائے تو ماں کی یاد آنسوؤں کی جھڑی بن کر سارے دکھ درد دھو ڈالتی ہے ۔

ملک مقبول احمد نے اپنے گاؤں دیووال ، سکولوں اور گیان چند جیسے دوستوں کا تذکرہ کیا تو میری آنکھوں میں ضلع جالندھر کے میرے گاؤں لوہگڑھ کی گلیاں گھوم گئیں ۔ وہی بڑ کا درخت جو گرمیوں کی دوپہر میں دیووال کی سماجی زندگی کا مرکز ہوتا تھا ، لوہگڑھ میں بھی اپنی ٹھنڈی چھاؤں کی آغوش کھولے ، ہم سب کو امن وسکون بخشتا تھا ۔ بیریوں کے ہرے ہرے پیڑ ''لکن میٹی'' کھیلنے والوں کو آڑ میں لے کر لہلہانے لگتے ۔ گاؤں کے راستوں میں ویسی ہی 'بلائیں'' راہ چلنے والوں کو راتوں میں پریشان کرتیں ۔ وہی میلے ٹھیلے ، بولیاں ، ٹھولیاں ، جوانوں کے ناٹک ، بازی گروں کے کھیل تماشے ، اور ساون رت کی اٹکھیلیاں مجھے ایک بار پھر اُسی دنیا میں لے گئے ۔

کبھی میں گھوں گھوں کی لوری میں چکی پیستی ماں کی گود میں سو رہا ہوتا ۔ کبھی اُسے صحن میں کھڑی بھینس کو ، جس کا نام اُس نے پیار سے ''صابرہ'' رکھ چھوڑا تھا ، چارہ ڈالتے ، پیار سے اُس کے چمکتے جسم پر ہاتھ پھیرتے ، اُس کے ''کٹے'' کو دودھ کے لیے چھوڑتے اور ''صابرہ'' کو خوشی سے سُوں سُوں کرتے دیکھتا تو حیران رہ جاتا ۔ اور کبھی وہ تپتی دوپہر میں اپنے بخار کی شدت سے بے نیاز میری ''چھپاکی'' پر

Marfat.com

بے چین ہو کر دُور کھیتوں کے اونچے نیچے ٹیڑھے میڑھے ''بنے'' پھلانگتی کسی ''گل سنانے والے'' کی تلاش میں سرگرداں پھرتی تو ملک مقبول کے کان کے درد کو آرام آجانے کی طرح میری چھپاکی بھی غائب ہو جاتی۔۔ دیوال کی گلیوں کے بارے میں پڑھتا پڑھتا میں لوہگڑھ کی گلیوں میں کھو گیا، اور تھوڑی دیر کے لیے بھول گیا کہ میں تو ملک مقبول احمد کی اصلی الف لیلہ ''سفر جاری ہے'' کا ہم سفر ہوں۔ غالبؔ سے تھوڑی سی معذرت کے ساتھ:

دیکھنا ''تحریر'' کی لذّت کہ جو اُس نے ''لکھا''

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ایسی حقیقت نگاری وہی کر سکتا ہے جو سچی یادوں اور بھرپور تجربوں کا امین ہو۔ جو اپنی جدو جہد سے مطمئن اور اپنے رب کا شکر گزار ہو، جس نے اُسے کامیابیوں کے ساتھ اطمینانِ قلب سے بھی مالا مال کر رکھا ہے۔ وہ ملمع سازی سے اپنے قاری کو متاثر کرنے کی کوشش نہیں کرتا، بلکہ صرف صداقتِ اظہار سے سکون پاتا ہے اور خوش ہے کہ اُس نے اپنی آل اولاد، پوتے پوتیوں اور نواسیوں کو نہ صرف اپنی مادی وراثت منتقل کر دی، بلکہ اپنی جدو جہد، تجربے اور اُن روایات و اقدار سے آگاہی کے لیے بھی ایک دفتر مرتب کر دیا، جو ہماری تہذیب و تمدّن کا سرمایہ ہیں، اور جن کے لحاظ سے کامیابی کے راستے روشن ہوتے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب ہیں۔

''سفر جاری ہے'' ہر اُس نوجوان کے لیے مشعلِ راہ ہے جو اپنی ہمّت اور دست و بازو کی قوّت سے اپنی عزتِ نفس اور خودداری کا سودا کیے بغیر شاہراہ کامیابی پر گامزن ہونا چاہتا ہے۔ انہوں نے گنتی کے چند فقروں میں ہر قسم کے لوگوں کی ۔۔۔ خواہ وہ شاعر و ادیب ہوں، مُصنّف ہوں، ناشر و تاجر ہوں، سرکاری افسران

Marfat.com

ہوں یا ''وکھری ٹائپ کے لوگ'' ہوں، جو ہر طبقے میں پائے جاتے ہیں، ایسی تصویر کشی کر دی ہے جو آسانی سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ''وکھری ٹائپ'' کے ''مظلوم'' لوگ ہر جگہ اپنے نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ میں نے بھی اُن کا تذکرہ اپنی خودنوشت ''لمحہ بہ لمحہ زندگی'' میں کیا ہے۔

ملک صاحب کا مقصد جہاں اپنی زندگی کی داستان کا بیان ہے، وہاں ایسے تذکروں سے اُس چھوٹی بڑی اونچ نیچ سے بھی آگاہ کرنا ہے، جن سے عملی زندگی میں ہر فردِ بشر کا واسطہ پڑتا ہے

۔تاکہ اُن کے قاری اور آل اولاد بھی اس سے سبق حاصل کریں۔ ورنہ وہ فطرتاً ایک صلح کل، اللہ سے خوف کرنے والے، اُس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے اور انہی کے نقشِ قدم پر چل کر معاف کر دینے والی صفت کے حامل ہیں اور دل میں بات نہیں رکھتے۔

''سفر جاری ہے'' اُن کے سفرِ زیست کی داستان ہے، جو بیک وقت کلید کامیابی بھی ہے اور اپنے دائرے کے اندر تاریخ بھی۔ یہ اپنے پیدا کرنے والے کی بارگاہ میں ہدیۂ تشکر اور اُس کی حمد بھی ہے اور آئندہ نسل کے لیے خضرِ راہ بھی۔ ایک مُصنف یا عام مفہوم میں شاعر و ادیب نہ ہوتے ہوئے بھی اُن کے قلم سے ایسی کتاب کی تصنیف ایک غیر معمولی بات ہے لیکن اس میں حیرت کیسی! ہم تو ایک اُمّی ﷺ نبی کی امت ہیں۔

میری نیک تمنائیں ملک مقبول احمد کے ساتھ ہیں۔

Marfat.com

جناب احمد پراچہ

احمد پراچہ نے اردو ادب میں اپنی محنت سے نام پیدا کیا اور کوہاٹ کی ادبی خدمات پر گراں قدر کام کیا۔ ان کا اصل نام محمد یعقوب اور قلمی نام احمد پراچہ ہے۔ وہ 3 جنوری 1936ء کو کوہاٹ میں پیدا ہوئے اور وہیں ابتدائی تعلیم کی منزلیں طے کیں۔ لیکن نویں جماعت میں مدرسے کو خیر باد کہہ دیا اور تخلیقی ادب کی طرف راغب ہو گئے۔ تعلیم کی اس کمی کو انہوں نے 1963ء میں ادیب فاضل کا امتحان پاس کر کے پورا کیا۔

احمد پراچہ نے لکھنے کا آغاز 1953ء میں بچوں کے رسالہ ''ہدایت'' لاہور سے کیا۔ پھر افسانہ، ناول نگاری اور ڈرامہ نویسی کی طرف آ گئے۔ ریڈیو پاکستان کوہاٹ سے پہلا ڈرامہ ''واپسی'' احمد پراچہ نے لکھا تھا۔ انہیں ناول ''خلش'' لکھ کر کوہاٹ کا پہلا ناول نگار ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اسی شہر سے پہلا ادبی رسالہ ''نایاب'' بھی انہوں نے جاری کیا۔ انجمن ترقی اردو، بزم شعاع ادب، بزم خیابان ادب کے انتظامی عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں اور ان دنوں ''کوہاٹ آرٹس کونسل'' میں ادبی مشیر کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

احمد پراچہ کی کتاب ''کوہاٹ کا ذہنی ارتقاء'' پر آدم جی ادبی ایوارڈ مل چکا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اردو زبان و ادب کی خدمات پر ''سند اعتراف'' عطا کی اور ''خادم اردو'' کا خطاب دیا۔ وہ ایک درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کے افسانوں کا مجموعہ ''سوتی جاگتی گلیاں'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ شخصیت و کردار نگاری ان کے فن کی خصوصی جہت ہے۔ انہوں نے مولانا احمد گل، غلام حیدر اختر، سید رسول شاہ بخاری، ایوب صابر اور بیگم نسیم ولی خان پر کتابیں تالیف کی ہیں۔ مقبول اکیڈمی کو ان کی کتاب ''پروین شاکر فکر و فن'' شائع کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ ''سفر جاری ہے'' پر انہوں نے جو خط لکھا وہ ان کے خلوص کا آئینہ دار ہے۔

Marfat.com

احمد پراچہ

محترم ومکرّم ملک مقبول احمد صاحب

السلام علیکم!

اللہ کرے آپ مع الخیر ہوں، آمین

آپ کی خوبصورت اور ضخیم آپ بیتی ''سفر جاری ہے'' کی ایک عدد جلد نظر نواز ہوئی۔ اس محبت، توجہ اور عزت افزائی کے لیے شکرگزار ہوں۔

آپ جیسے شریف الطبع اور سنجیدہ شخص کے ساتھ بے تکلفی برتنا یقیناً مجھے زیب نہیں دیتا مگر میں آپ کے ساتھ بے تکلّف ہوتے ہوئے یہ کہے بغیر رہ بھی نہیں سکتا کہ آپ تو ''چھپے رُستم'' نکلے، دیگر مُصنّفین و مؤلفین کی کتابیں چھاپتے چھاپتے ''سفر جاری ہے'' جیسی دلپذیر خودنوشت چھاپ کر آپ خود بھی اہلِ قلم کے قافلہ میں شامل ہوگئے ہیں۔

ہفتہ عشرہ قبل کتاب ڈاکیہ سے وصول کرنے کے بعد کھولی۔ اس کی چند ابتدائی سطریں ہی پڑھیں کہ آپ کے اُسلوبِ نگارِش نے اس طرح اپنی گرفت میں لیا کہ دِنوں دوسری کسی کتاب کو ہاتھ تک نہ لگا سکا۔ بس شب و روز فرصت کے لمحات میں یہی کتاب حرزِ جان بنی رہی ہے۔

''سفر جاری ہے'' پڑھنے کے دوران کئی بار ساحر لدھیانوی کا یہ شعر یاد آتا رہا ؎

Marfat.com

دُنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

بلا مبالغہ آپ کی خودنوشت اس شعر کی جیتی جاگتی خوبصورت مثال ہے جو کہ آپ کے ذاتی گونا گوں مشاہدات، تجربات اور حوادثات پر مبنی ہے، اس کتاب کا اندازِ بیان دِلچسپ اور پُر اثر بھی ہے اور پڑھنے والا یہ گمان نہیں کر سکتا کہ یہ کتاب فاضل مُصنّف کی پہلی کوشش ہے کیونکہ کتاب مذکورہ کا ہر لفظ، ہر سطر اور ہر جملہ صاف اور رواں ہے اور کتاب میں جو زبان استعمال کی گئی ہے، وہ ادبی رنگ لیے ہوئے ہے۔

گو کہ خودنوشت مذکورہ میں فردِواحد کا اظہار ملتا ہے لیکن اس میں قومی و ملّی، سیاسی اور تہذیبی زندگی اور تاریخ کے حوالے بھی ملتے ہیں۔

''سفر جاری ہے'' کے مطالعہ کے بعد میں یہ کہے بغیر رہ نہیں سکتا کہ بلاشُبہ یہ کتاب دلچسپ اور معیاری سوانح عمریوں میں ایک گراں قدر اضافہ ہے، جس کے لیے آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

ع گر قُبول اُفتد زہے عزّو شرف

خیریت کا طالب

احمد پراچہ

Marfat.com

جناب ڈاکٹر اختر شمار

ڈاکٹر اختر شمار نے ملتان سے آکر لاہور کے ادبی افق کو جگمگایا۔ان کا اصل نام محمد اعظم خان ہے۔ وہ ملتان میں 17 اپریل1960ء کو پیدا ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کیا اور حیدر دہلوی پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔آپ درس وتدریس کے شعبے سے وابستہ ہیں۔گورنمنٹ اسلامیہ کالج قصور، دیال سنگھ کالج لاہور اور گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور میں خدمات ادا کرنے کے بعد ان دنوں ایف سی کالج لاہور میں شعبہ اردو کے صدر نشین ہیں۔

ڈاکٹر اختر شمار فطری شاعر ہیں، جدید اردو غزل میں ان کی آواز کی توانائی تسلیم کی جا چکی ہے۔ان کے شعری مجموعے ''روشنی کے پھول''۔۔۔''کسی کی آنکھ ہوئے ہم''۔۔۔''یہ آغاز محبت ہے''،''جیون تیرے نام''۔۔۔''ہمیں تری تمنا ہے''۔۔۔''آپ سا کوئی نہیں'' اور ''تم ہی میری محبت ہو'' چھپ کر مقبول ہو چکے ہیں۔ان کی تحقیقی کتابوں میں ''جنوبی ایشیا کی مسلم تہذیب وفکر کا مطالعہ''۔۔۔''انتخاب جمال''۔۔۔''بھرتری ہری ایک عظیم شاعر'' اور ''پنجابی ادب رنگ'' شامل ہیں۔ڈاکٹر اختر شمار نے1996ء کے سال میں حلقہ ارباب ذوق لاہور کے سیکرٹری کی خدمات انجام دیں اپنے سماجی، معاشرتی اور تہذیبی تصورات کو وہ اپنے کالموں میں پیش کرتے ہیں۔ان کے کالم روزنامہ ''خبریں'' اور ''ایکسپریس'' کے بعد اب روزنامہ ''نوائے وقت'' میں شائع ہوتے ہیں۔ان کا ادبی کالم ہفت روزہ ''فیملی میگزین'' میں چھپتا ہے۔ڈاکٹر اختر شمار ادبی جریدہ ''بجنگ آمد'' کے اعزازی مدیر اعلیٰ ہیں۔دراز قد اختر شمار دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے زیادہ مخلص دوست ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا تاثر خاصے کی چیز ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر اختر شمار

سفر جاری ہے۔۔۔۔ایک تاثّر

دنیا کا ہر انسان اپنے ساتھ ایک کہانی لیے پھرتا ہے۔ یہ الگ بات وہ یہ کہانی سنائے یا نہ سنائے لکھے یا نہ لکھے...... گویا ہر شخص کی زندگی کے حالات کسی نہ کسی حوالے سے دلچسپی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بیتیاں، سوانح عمریاں یا خودنوشتیں ہمیشہ سے قارئین کی توجہ کا مرکز رہی ہیں۔ حال ہی میں ممتاز پبلشر (سربراہ مقبول اکیڈمی لاہور) ملک مقبول احمد کی خودنوشت ''سفر جاری ہے'' کے نام سے منصہ شہود پر آئی ہے۔ ملک مقبول احمد صاحب ایک زیرک ناشر ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ مطالعہ انسان ہیں۔ ان کی زندگی ''کھلی کتاب'' کی طرح اب ہمارے سامنے ہے۔ یوں تو ان سے ملنے والا ہر شخص کسی نہ کسی حوالے سے ان کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ وہ ایک دردمند دل کے مالک ہیں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ ان کا رویہ ہمیشہ دوستانہ و مشفقانہ ہوتا ہے۔ بہت کم لوگ ان سے ناراض ہوں گے وگرنہ عموماً پبلشروں سے زیادہ لوگ خوش نہیں ہوتے اور یوں بھی ہر کسی کو خوش کیا بھی نہیں جا سکتا۔

ملک مقبول احمد صاحب کی خودنوشت پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ وہ احسان دانش کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ احسان دانش نے اپنی آپ بیتی ''جہانِ دانش''

Marfat.com

میں اپنی زندگی کے کٹھن مراحل کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے اپنے ابتدائی ایام کی تلخیاں، محنت مزدوری اور مصائب کو بلا جھجک صفحۂ قرطاس پر بکھیرا۔ اسی طرح ملک مقبول احمد نے بھی اپنے حالاتِ زندگی تفصیل کے ساتھ بغیر کسی لگی لپٹی کے بیان کر دیے ہیں۔ ملک صاحب ایک منکسر المزاج، خدا ترس، معصوم اور محبت کرنے والے انسان ہیں۔ انہوں نے اپنے عزیز واقارب سے لے کر دوستوں اور کاروباری شخصیات اور اہلِ قلم کا تذکرہ بھی نہایت محبت سے کیا ہے۔ عام طور پر اہلِ قلم حضرات اپنی خودنوشت لکھتے ہوئے بعض متنازعہ امور اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنی شکر رنجیوں کو بھی کتاب کا حصہ بنا ڈالتے ہیں، جس سے عام قاری بعض اوقات اچھا تاثر نہیں لیتا۔ لیکن ملک مقبول احمد صاحب نے اپنی کتاب میں حقائق کو موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے کسی بھی شخص کی دل آزاری کرنے کی معمولی سی کوشش بھی نہیں کی...... آپ ''سفر جاری ہے'' کا کوئی صفحہ پڑھ لیں۔ مصنف کی انسان دوستی، محنت، جستجو سادگی اور لگن نمایاں محسوس ہوگی۔ مصنف کی زندگی کے تجربات ومشاہدات پڑھنے والے کے دل پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کے حالات وواقعات اور اپنے اردگرد کے لوگوں کے بارے میں دلچسپ حقائق اور مشاہدات بھی قلم بند کیے ہیں۔ جس سے ان کے گہرے شعور اور مشاہدے کا ثبوت ملتا ہے۔ گویا اس کتاب کا ہر صفحہ مطالعہ مشاہدہ کا آئینہ دار ہے۔

ملک صاحب نے جہاں اپنے گاؤں کی سادہ زندگی اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ میل جول اور دلچسپیوں کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے، وہاں شہری ماحول، یہاں کی کاروباری زندگی کے اتار چڑھاؤ لوگوں کی خوبیوں اور خامیوں کا تذکرہ بھی نہایت سلیقے سے کیا ہے۔

یہ خودنوشت ایک ناشر کی زندگی کا مرقع ہے جس میں جہاں تلخیاں اور

Marfat.com

محرومیاں نظر آتی ہیں، وہاں محنتِ شاقہ کے معجزات وثمرات بھی نمایاں محسوس کیے جا سکتے ہیں۔''سفر جاری ہے'' میں ملک مقبول صاحب کی یادوں کے ساتھ ساتھ اہم اہلِ قلم سے تعلقات، اور ان کی بعض تحریروں سے اقتباسات اور خطوط بھی شامل ہیں جس سے اس کتاب کی اہمیت دو چند ہوگئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ کتاب اردو کی اہم خودنوشتوں میں شمار کی جاسکتی ہے کہ اس میں ایک مکمل آپ بیتی کی تمام صفات موجود ہیں۔

''سفر جاری ہے'' بلا شبہ ایک سچے کھرے، محنتی ایمان دار مسلمان کی آپ بیتی ہے۔ جس کی تحریر سادہ ہو کر بھی دلنشیں اور پُر تاثیر ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ملک مقبول احمد صاحب اب مزید لکھنے کی کوشش کریں۔ کیوں کہ ان میں ایک خوبصورت رائٹر موجود ہے۔ ان کی مزید کتابیں بھی سامنے آنی چاہییں ـــــ کتاب اپنے گیٹ اپ اور پیشکش کے حوالے سے بھی دیدہ زیب ہے اور اس میں مصنف کے علاوہ ان کے خاندان، عزیز و اقارب اور دوستوں کی تصاویر بھی شامل ہیں۔

Marfat.com

عزیزہ ارم مقبول

ارم مقبول میری پوتی ہے، اس کے والد ارشد مقبول ڈاکٹر ہیں۔ لیکن ارم مقبول کا ذوق ادب کی طرف راغب ہے، اپنی ابتدائی تعلیم کے زمانے میں ہی اسے بچوں کے رسالے اور کہانیاں پڑھنے کا شوق تھا۔ اور اب تو مطالعہ کا شوق جنون کی طرح اس پر سوار ہے۔ اس نے اپنے مطالعے کی میز پر افسانوں اور غزلوں پر مشتمل کتابوں کا انبار لگا رکھا ہے۔ گھر میں ایک اچھی خاصی لائبریری ہے، جس میں ہر موضوع کی کتابیں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اپنی دلچسپی کی کتابیں منگوا کر پڑھتی رہتی ہے، اسے نامور شخصیات کی آپ بیتیاں پڑھنے کا شوق ہے۔ ''سفر جاری ہے'' لکھنے کی فرمائش میں وہ میرے سب بچوں میں پیش پیش تھیں۔ ارم ایک ہونہار لڑکی ہے، اس کے سامنے زندگی کا میدان کھلا ہے، یہ میری زندگی کا بے حد قیمتی اثاثہ ہے، اللہ تعالیٰ اسے کامیابیوں سے ہمکنار کرے، ادب سے اس کا تعلق قائم رہے اور وہ خود بھی مصنفہ بن کر اپنے دادا کا نام روشن کرے۔ (آمین)

''سفر جاری ہے'' ارم مقبول کا تاثر آپ کو ضرور متاثر کرے گا۔

Marfat.com

ارم مقبول

ایک اَدبی شاہکار

دنیا میں کوئی بھی شخص کامل نہیں ہوتا لیکن بہت سے لوگ اتنی محنت کرتے اور کامیابیاں حاصل کرتے ہیں کہ اہلِ جہاں ان کو کامل تصور کرتے ہیں اور ان کی تقلید کرتے ہیں کہ وہ بھی دنیا میں اونچا مقام حاصل کرلیں، میں محسوس کرتی ہوں کہ اگلے زمانوں کے لوگ بہت جفاکش اور محنت پسند ہوتے تھے اور اپنی تقدیر خود بناتے تھے۔ جبکہ آج کی نوجوان نسل محنت سے کتراتی ہے اور پکی پکائی کو حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ حتیٰ کہ اپنے بزرگوں کے راستے کو بھی نظرانداز کر دیتی ہے، جو کامیابی کی کلید ثابت ہو چکی ہے۔

یہ چند باتیں مین نے اس لئے لکھی ہیں کہ میں نے ابھی ابھی ایک کتاب ''سفر جاری ہے'' پڑھی ہے، جس کے مُصنّف میرے دادا ابو ملک مقبول احمد ہیں۔ میں انہیں اس وقت سے دیکھ رہی ہوں، جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے۔ اُن کی پرانی زندگی، جو انہوں نے سیالکوٹ کے ایک گاؤں سے شروع کی تھی، مجھے معلوم نہیں تھی۔ اب اس کتاب سے معلوم ہوا کہ وہ ایک متوسّط گھرانے کے فرد تھے۔ لیکن اپنی محنت اور دیانت سے لاہور جیسے بڑے شہر میں کتابیں چھاپ کر اور مُصنّفین سے تعلق پیدا کر کے کامیاب ناشر بن گئے اور ان کی یہ محنت پھل لانے لگی۔

Marfat.com

میں نے ان کی زندگی کے حالات پڑھے تو میرے دل میں ایک نئی سوچ اور نیا ولولہ پیدا ہوگیا۔ اب یہ کتاب ہی میری زندگی کی راہنما ہے اور میرے دادا ابو میرے لئے ایک مثالی انسان ہیں۔ یہ کتاب ظاہر کرتی ہے کہ ان کی زندگی آزمائشوں کی زندگی ہے، لیکن ہر آزمائش کا انہوں نے مقابلہ کیا اور کامیابی نے ان کے قدم چومے۔ اب میرے سامنے وہ دادا ابو ہیں، جو دوسرے لوگوں کو بھی کامیابی کا راستہ دکھا رہے ہیں۔ آپ یہ کتاب پڑھیں گے تو مُصنّف سے ملنے کی خواہش دل میں پائیں گے۔ میں انہیں روز دیکھتی ہوں اور بڑھاپے میں جوانوں سے زیادہ کام کرتے ہوئے دیکھتی ہوں تو ان کے سامنے جھک جاتی ہوں اور کہتی ہوں کہ میرے لئے بھی دعا کریں کہ میں آپ کے نقشِ قدم پر چلوں، اپنی زندگی کے سنگِ میل خود حاصل کروں اور میں بھی مُصنّف بن جاؤں۔

دادا جان کی یہ کتاب میری راہنما ہے اور مجھے یقین ہے کہ میرے ارادے بھی آہستہ آہستہ پختہ ہو جائیں گے اور میں زندگی میں کامیابیاں حاصل کرتی رہوں گی۔ (ان شاء اللہ)

Marfat.com

جناب اسرار زیدی

جناب اسرار جگت استاد ہیں۔یعنی انہوں نے سینکڑوں ادیبوں کی ذہنی اور فکری پرورش میں حصہ لیا اوران کے قلم کوسنوارا۔وہ مشرقی پنجاب کے ایک دورافتادہ قصبے حسین پور میں 6نومبر1925ءکو پیدا ہوئے ۔ ان کے جدامجد سید رحمت علی ریاست گوالیار کے گورنر تھے۔ دادا سید غلام حسین زیدی اس ریاست کے پولیس چیف تھے۔ آزادی کے بعدان کا خاندان پاکستان آیا تو والد سید ممتاز احمد نے پوسٹل ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت اختیار کی اور چیف پوسٹ ماسٹر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

اسرار زیدی نے اینگلو عربک کالج دہلی سے بی اے کیا۔شاعری کے ساتھ صحافت کا شوق بھی بچپن میں ہی پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ تعلیم کے دوران ہی روزنامہ ''جمہور'' دہلی اور ماہنامہ ''جمالستان'' دہلی سے صحافت کا آغاز کیا۔ ملتان سے منٹگمری منتقل ہوئے تو روزنامہ ''خدمت'' کی ادارت آٹھ سال تک کی ۔1958 میں مارشل لا کے سبب ''خدمت'' بند ہو گیا تو اسرار زیدی لاہور آ گئے ۔اور روزنامہ ''احسان'' ۔''ہلال پاکستان'' اور ''امروز'' میں کام کیا۔

عبداللہ ملک نے اخبار ''آزاد'' جاری کیا تو اس میں صحافتی خدمات ادا کرنے لگے۔ 1970ءسے جنگ گروپ کے ہفت روزہ ''اخبار جہاں'' میں باقاعدگی سے ادبی کالم لکھ رہے ہیں۔

اسرار زیدی کی تصانیف وتراجم کی تعداد پچاس سے زائد ہے۔ان میں چار شعری مجموعے شامل ہیں۔علامہ اقبال کی ''بانگ درا'' اور ''بال جبریل'' کی شرحیں لکھ چکے ہیں۔ان کی شخصیت اور فن پر ایم اے کا تحقیقی مقالہ لکھا جا چکا ہے۔

اسرار زیدی کشادہ نظر اور انسانیت پسند مصنف ہیں۔ان کی دانشوری اور ترقی پسند فکر کی تحسین تمام ادبی حلقوں میں کی جاتی ہے۔اوران کی بزرگی کا احترام کیا جاتا ہے۔

''سفر جاری ہے'' کا تذکرہ ''سفر شرط ہے'' کے عنوان سے انہوں نے ''اخبار جہاں'' میں بڑی کشادہ نظری سے کیا ہے۔

Marfat.com

اسرار زیدی

سفر ہے شرط

وقت تیز رفتاری میں گزرے یا سست رفتاری کے ساتھ! وقت نے تو بہر حال گزرنا ہی ہوتا ہے۔ یہی اس کا مقدر ہے، اس لئے کہ وقت جامد نہیں، متحرک ہے۔ وقت کو ماضی حال اور مستقبل پر تقسیم کر لیجیے۔ اس کا سفر ایک مرکزی نکتے سے مشروط ہے۔ حال نے اپنی مسافت طے کی تو ایک طرف ماضی میں منتقل ہو گیا تو دوسری جانب مستقبل میں۔ یوں یہ چکر دیکھا جائے تو انسانی گرفت سے باہر دکھائی دے گا۔ فرد کی پوری زندگی کا محور اس چکر سے وابستہ ہے۔

ان تمہیدی جملوں کے منظر نامے میں اپنے ماضی کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ مسافت ایک ایسے دورانیے سے وابستہ ہے، جس میں نفرتیں بھی ہیں اور محبتیں بھی، تلخی بھی ہے، ترشی بھی! باہمی رشتوں کی مٹھاس بھی ہے، چاہت اور وضع داری بھی، اچھی بُری ہر نوع کی باتیں ہیں جو بالآخر یادوں میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ انہی یادوں کے حوالے سے خود نوشت سوانح عمریاں ترتیب پاتی ہیں اور سیاحت نامے وجود میں آتے ہیں جو کسی بھی قلم کار کے تجربات و مشاہدات پر مشتمل ہوتے ہیں جن کے مطالعے سے قاری کو اس امر کا ادراک ضرور ہو جاتا ہے کہ یہ لکھنے والا کیا ہے، کیا نہیں ہے؟ اس تخلیق کی معیاری قدر کیا ہے۔ یہ تخلیقیت

Marfat.com

ایک ایسا عمل ہے، جو کسی کی پہچان کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔

مختصر یہ کہ ان سطور کے حوالے سے ایک خودنوشت سوانح ''سفر جاری ہے'' کے بارے میں اپنے تاثرات پیش کرنا ہے۔ ذاتی طور پر ایک طالب علم کی حیثیت سے اس امر کا اظہار غیر ضروری نہ ہوگا کہ زندگی میں اب تک درجنوں ادیبوں، صحافیوں، عالموں، مؤرخوں اور سیاستدانوں کی خودنوشت سوانح حیات کے مطالعہ کا اعزاز حاصل رہا ہے۔ تاہم ''سفر جاری ہے'' کی اشاعت اس لئے چونکا دینے والی اور انفرادیت کی حامل سمجھی جائے گی کہ یہ ایک معروف اشاعت کدے کے مالک و منتظم ملک مقبول احمد کی تخلیق ہے۔ نشر و اشاعت کے حوالے سے ملک صاحب اس لئے بھی کسی تعارف کے محتاج نہیں کہ موصوف نے اس کاروبار کو ایک تخلیقی تجربے سے روشناس کرایا ہے۔ کم و بیش نصف صدی کے دوران انہوں نے ادب، شاعری، تنقید اور مختلف موضوعات پر لاتعداد کتب شائع کی ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ پاکستان، بھارت اور بیرونِ ممالک میں مقیم اردو زبان میں لکھنے والا شاید کوئی بھی ایسا تخلیق کار ہو، جس کی تصنیف شائع کرنے کا اعزاز حاصل نہ ہوا ہو۔

نشر و اشاعت سے تعلق رکھنے والے حضرات کے بارے میں بلا تامل اپنے واقف کار اہلِ قلم کے حوالے سے اگر یہ کہا جائے کہ وہ اپنی تصانیف کے ضمن میں معاوضے یا رائلٹی یا پھر کسی اور بنیاد پر اپنے ناشر سے شکوہ کناں نظر آتے رہے ہیں جبکہ میں نے ملک صاحب کے اشاعتی ادارے کو ہر اعتبار سے قابل اعتماد پایا اور کسی ایک کو بھی گلہ مند نہیں دیکھا۔ یوں کہ اپنے کاروبار کو وہ رزقِ حلال کا وسیلہ سمجھتے آئے ہیں۔ اس حوالے سے بھی مقبول اکیڈمی ملک صاحب کے زیرِ انتظام ایک منفرد اور مثالی ادارہ قرار پاتا ہے!

مقبول اکیڈمی تک میری رسائی اپنے عزیز اور محترم دوست میرزا ادیب

Marfat.com

کے توسط سے چونتیس پینتیس سال قبل ہوئی۔ اسی مرحلے پر ملک مقبول سے باقاعدہ تعارف ہوا۔ موصوف سے غائبانہ تعارف میرزا ادیب اور بعض دوسرے مصنفین کے علاوہ اکیڈمی میں شائع ہونے والی کتب کے ناشر کی حیثیت سے تو ایک عرصے سے تھا تاہم باضابطہ طور پر ملاقات اس روز ہی ہوئی، میں بھی ان کے لئے اجنبی نہ تھا اس لئے کہ وہ کاروباری ہونے کے ساتھ وسیع المطالعہ بھی ہیں۔ اس کا اندازہ موصوف کی گفتگو سے ہوا۔ میرزا ادیب کی بیشتر تصانیف مقبول اکیڈمی نے شائع کی تھیں۔ بہر حال رسمی بات چیت اور چائے کے دوران اس امر کی وضاحت بھی ہوگئی۔ کہ ملک صاحب محض کاروباری ناشر ہی نہیں ایک وضعدار خلیق اور اعتدال پسند شخصیت بھی ہیں۔ اس کے ساتھ یہ آگاہی بھی رکھتے ہیں کہ کون کیا لکھ رہا ہے اور اب تک کیا لکھا ہے تخلیقی اور کاروبار کی بنیاد پر اس کی حیثیت کیا ہے اور اس کا معیار کیا ہے؟

کم وبیش نصف گھنٹے کی نشست میں ہمارے مابین بات بچوں کے ادب تک آگئی ان دنوں بچوں کے لئے ناول خاصی تعداد میں شائع ہو رہے تھے۔ میرزا ادیب بھی اب تک بہت سی کہانیاں، مضامین اور ناول بچوں کے لئے تحریر کر چکے تھے اس موضوع پر انہوں نے بڑی معلوماتی اور جامع گفتگو کی۔ ملک صاحب کے استفسار پر میں نے بس اتنا ہی کہا کہ بچوں کے لئے لکھنا اس لئے خاصا دشوار ہے کہ اس کو زبان و بیان کے ساتھ بچوں کی نفسیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی سطح پر آ کر لکھنا ہوتا ہے۔ اس کا تجربہ اس وقت ہوا جب خود میں نے بچوں کے لئے چند ناول لکھے! ملک صاحب نے بلا تامل ان ناولوں کو اپنے ادارے سے شائع کرنے کی خواہش کا اظہار کیا!

چنانچہ چند روز بعد ہی ہم میرزا ادیب کی معیت میں دو ناولوں ''سند باد

Marfat.com

جہازی کا آٹھواں سفر'' اور'' سمندری شہزادہ'' کے مسودوں کے ہمراہ مقبول اکیڈمی پہنچے تو ملک صاحب نے حسبِ معمول آؤ بھگت کی۔ مسودوں پر سرسری نظر ڈالی اور میز کی دراز میں رکھا ایک چھپا ہوا معاہدے کا فارم نکال کر میرے دستخط لئے پھر خود کچھ لکھ کر اسے فائل میں رکھ دیا۔ ملازم کو چائے کا کہہ کر چند نوٹ لفافے میں ڈالے اور یہ لفافہ میرے حوالے کیا، نہ ہی میں نے کچھ پوچھا، نہ ہی انہوں نے بتایا کہ رقم کتنی ہے۔ میرزا ادیب صاحب کا کہنا تھا کہ یہی ہر مصنف کے ساتھ ملک صاحب کا طرزِ عمل ہے۔

اس کے کم و بیش ایک ماہ بعد میرے لئے یہ امر باعثِ حیرت تھا کہ ملک صاحب اچانک میرے غریب خانے پر تشریف لائے اور سلام دعا کے بعد دس دس جلدوں پر مشتمل دونوں ناولوں کے پیکٹ عطا کر کے مبارکباد دی اور بتایا کہ بچوں اور بڑوں نے ان ناولوں کو بہت پسند کیا ہے اس کے بعد وہ نئے ایڈیشنوں کی نوید کے ساتھ تشریف لاتے اور پہلے کی طرح ایک لفافے میں بند رقم بھی عنایت کر جاتے۔ ناولوں کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے، جب اکیڈمی جا کر مزید کاپیوں کا مطالبہ کرتا تو معذرت کرتے ہوئے شیزان ریسٹورنٹ کے سامنے ان کے صاحبزادے ڈاکٹر ارشد مقبول کا جو شوروم تھا، وہاں سے حاصل کرنے کا کہتے۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا، یہ سلسلہ جاری رہا لیکن میرزا ادیب کی وفات ہم دونوں کے لئے ذاتی المیہ سے کم نہ تھی۔ میرزا ادیب ملک صاحب کے پسندیدہ مصنف ہی نہ تھے، ذاتی دوست بھی تھے۔ جہاں تک میرا تعلق تھا، مرحوم میرے لئے تو سب کچھ تھے۔ ان کی ذات ہمارے درمیان مسلسل ایسے رابطے کا باعث تھی، جو ان کے جانے سے کم و بیش عارضی طور پر منقطع ہوگئی لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ دل کو دل سے راہ ہو تو کوئی رکاوٹ آڑے نہیں آتی۔

Marfat.com

چند مہینے گزرے تھے کہ میں ایک روز حبیب بنک گیا وہاں اپنا ایک ڈرافٹ جمع کرانا تھا۔ اندر داخل ہوا تو ملک صاحب کو ایک فارم بھرتے پایا۔ مئیک سلیک ہوئی۔ حسب معمول بڑی محبت سے ملے۔ نہ کوئی گلہ نہ شکوہ! فرمانے لگے میں دس بارہ روز بعد حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے جا رہا ہوں۔ قبل ازیں خاصی مصروفیت ہوگی۔ اگر دو تین دن میں آپ اکیڈمی آنے کی زحمت گوارا کریں تو ممنون ہوں گا۔ میں ان دنوں ایملی زولا کی بیس سالہ سوانح کے حوالے سے اس کی ایک ناول نما تصنیف کلوڈز کنفیشن کے ترجمے میں مصروف تھا سو وعدہ کی تعمیل نہ کر سکا۔

چند روز بعد موصوف خود غریب خانے پر تشریف لائے میری مصروفیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ سے ملاقات ضروری تھی، اس لئے حج پر جانے سے قبل خود حاضر ہو گیا ہوں'' میں معذرت طلب تھا۔ چند منٹ کی گفتگو کے بعد رخصت ہوتے ہوئے حسبِ معمول ایک لفافہ میز پر رکھا اور فرمایا میرے لئے دعا کیجیے! میں نے جواباً عرض کیا حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے تو آپ خود تشریف لے جا رہے ہیں، وہی منزل تو دعاؤں کی ہے۔ ہم جیسے لوگ جو فی الحال اس سعادت سے محروم ہیں ان کے لئے دعاؤں کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے۔

حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کر کے ملک صاحب کی واپسی کب ہوئی، اس کا تو مجھے علم نہیں تاہم بعض احباب کی زبانی یہ پتا چلا کہ ملک صاحب مقبول اکیڈمی میں حسبِ معمول مصروف کار ہیں۔ بہر حال یہ بات میں بڑے یقین اور اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ حج کا مقدس فریضہ ادا کرنے کے دوران اپنی افتادِ طبع اور فطرت کے مطابق وہ اپنے احباب کو فراموش نہ کر سکے ہوں گے اسے حالات کا تقاضا سمجھیے یا موسموں کی ہر لمحے بدلتی ہوئی کیفیت کہ کچھ عرصے سے میرے لئے گھر سے نکلنا ہی خاصا دشوار ہو رہا ہے۔ کہیں ضرورتاً جانا بھی پڑے تو اپنے بعض احباب کا

Marfat.com

دست نگر ہونا پڑتا ہے۔ ان حالات میں کسی سے ملاقات کا تصور بھی ممکن نہیں ہوتا۔ کسی سے رابطہ زیادہ سے زیادہ فون پر ہی ہوتا ہے!

چنانچہ اب یہ روزمرّہ کا معمول ہے۔ البتہ کچھ روز قبل ایک فون کال نے مجھے قدرے چونکا دیا۔ ''میں مقبول بول رہا ہوں۔''

کون؟ مقبول خان مقبول میں نے استفسار کیا

''جی نہیں، میں مقبول اکیڈمی سے مخاطب ہوں۔''

تیری آواز مکے اور مدینے! میرے لبوں سے بے ساختہ نکلا

بہر حال چند روایتی جملوں کے تبادلے کے بعد ملک مقبول نے کسی وقت اکیڈمی آنے کا مطالبہ کیا۔ میں ایک کتاب پیش کرنا چاہتا ہوں! یہ دوسرا موقع تھا کہ ملک صاحب نے مجھے طلب کیا تھا۔ پہلی دفعہ بعض مصروفیتوں کے سبب جا نہ سکا تھا۔ البتہ لوڈ شیڈنگ اور شدید گرمی کے باوجود دو روز بعد جب ملک صاحب سے ملاقات کے لئے لوہاری دروازے پہنچا تو اکیڈمی کو سابقہ مقام کی بجائے چند قدم آگے کی طرف پایا۔ اندر داخل ہوا تو سامنے میز کے سامنے معمول کے مطابق ملک صاحب براجمان تھے۔ ان میں صرف اتنی تبدیلی آئی تھی کہ اب چہرہ ترشی ترشائی ریش مبارک سے دمک رہا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ مکتبہ کا حجم ماضی کی نسبت اگرچہ قدرے مختصر ہو گیا ہے لیکن چاروں جانب جو شیلف ہیں، ان میں خوبصورت اور خوش رنگ کتب کی آرائش وزیبائش وہی ہے، کہ جو تھی!

ملک صاحب نے بتایا کہ ان کے صاحبزادگان اور داماد اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں تاہم انہوں نے نشرواشاعت کو ہی اپنا پسندیدہ کاروبار قرار دیا ہے جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ ایک بیٹے نے ریگل پر شیزان ریسٹورنٹ کے قریب وسیع پیمانے پر

Marfat.com

کاروبار کا آغاز کیا تھا، اسے ہم اپنا شوروم بھی کہہ سکتے ہیں۔ اب بفضلِ خدا لنک روڈ ماڈل ٹاؤن، مین روڈ علامہ اقبال ٹاؤن اور صدیق ٹریڈ سنٹر گلبرگ میں مقبول بکس کے نام سے دوسرے بیٹوں اور داماد نے بالکل جدید پیمانے پر پبلشنگ کا کاروبار کیا ہوا ہے۔ اپنی محنت، تجربہ اور کارکردگی کے باعث کامیاب اور خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں۔ البتہ مرکزی حیثیت اس مختصر مکتبہ مقبول اکیڈمی کو ہی حاصل ہے۔ مختصر سی گفتگو کے بعد ملک صاحب نے میز کی دراز سے ایک خاصی ضخیم اور خوبصورت کتاب نکالی اور میرے حوالے کر دی۔ یہ کتاب ''سفر جاری ہے'' تھی اور اس کے مصنف خود ملک مقبول احمد تھے۔ 455 صفحات پر مشتمل اس کتاب کے ابتدائی صفحہ کے ساتھ مقبول اکیڈمی کے فارم پر ایک مراسلہ تھا۔ جس میں ملک صاحب نے مجھ سے کتاب کے حوالے سے اپنے تاثرات رقم کرنے کے لئے کہا تھا۔ میں نے اس وقت سرسری طور پر کتاب کے صفحات الٹ پلٹ کر کے دیکھے تو پہلا تاثر یہی تھا کہ کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ اس خیال کا اظہار ملک صاحب سے میں نے کیا تو انہوں نے بخوشی مجھے اس کی اجازت دے دی! بعد میں آدھا پونا گھنٹہ مزید نشست رہی۔ میرزا ادیب ہم دونوں کے محترم احباب میں سے تھے۔ زیادہ تر انہی کی شخصیت اور تصانیف کا تذکرہ رہا۔ کیسے کیسے لوگ تھے جو ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔

گھر آ کر بلا توقف ''سفر جاری ہے'' کے مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔ کتاب کے حوالے سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک خودنوشت سوانحِ حیات ہی نہیں ایک ادبی، تہذیبی اور ثقافتی دستاویز بھی ہے اس کے مصنف نہ صرف یہ کہ سینکڑوں ادیبوں کی کتابیں شائع کر چکے ہیں بلکہ ان کی نجی زندگی سے بھی آگاہی رکھتے ہیں۔ ان کے معاشی اور معاشرتی کوائف بھی جانتے ہیں۔ ان حوالوں سے ہم اس تصنیف

Marfat.com

کو سرسری طور پر نہیں دیکھ سکتے بلکہ اس کا انتہائی سنجیدگی اور گہرائی کے ساتھ جائزہ لینے کی ضرورت ہے!

مزید یہ کہ کسی بھی سوانحِ عمری میں ایسی فضاء، ایسا منظر نامہ اور ایسے کردار سامنے آتے ہیں جن کا تاثر یا تو پہلے سے علم نہیں ہوتا یا ہوتا بھی ہے تو بہت کم ہوتا ہے اور یہ علم بالعموم معلومات میں اضافے کا سبب بنتا ہے ''سفر جاری ہے'' میں بھی ہمیں یہ سب کچھ ملتا ہے، جس کو مصنف نے بڑی کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

درجنوں خودنوشت سوانح عمریاں اور سفر نامے میرے زیرِ مطالعہ آئے، جن سے معروضی طور پر اپنے اپنے عہد کے علمی، ادبی، سیاسی اور تاریخی واقعات کے ساتھ ان کے لکھنے والوں کے ذاتی تجربات و مشاہدات سے آگاہی ہوئی لیکن یہ تصانیف ایک طرح سے باقاعدہ پیشہ ور اہلِ قلم کی صلاحیتوں اور کاوشوں کا نتیجہ تھی جبکہ ''سفر جاری ہے'' کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ تصنیف ایک ناشر کی تخلیق ہے اور اس کے کم و بیش نصف صدی کے تجربات کا نچوڑ ہے۔

اس امر کی وضاحت غیر ضروری نہ ہوگی کہ ''سفر جاری ہے'' کوئی مافوق الفطرت تصنیف نہیں بلکہ ایک جیتی جاگتی جدو جہد کرتی زندگی کی کم و بیش نصف صدی سے زیادہ عرصے کی کامرانیوں اور ناکامیوں کی دیو مالا ہے۔ اس کو دو حوالوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک یہ خودنوشت سوانح بھی ہے اور ایک طرح سے سفر نامہ بھی ہے۔ یہ ایک ایسی تصنیف ہے کہ دونوں صورتوں میں جس کے دامن میں افسانہ طرازی کی بجائے راست گوئی اور حقیقت پسندی سے کام لیا گیا ہے!

مصنف نے دونوں حیثیتوں میں زندگی کے تلخ و شیریں کوائف اور واقعات کا اپنی خوبیوں اور خامیوں کا بلا تامل اعتراف کرتے ہوئے انہیں کسی تکلف کے بغیر بے کم و کاست بیان کیا ہے رواں دواں اور شستہ زبان قاری کو اپنی گرفت

Marfat.com

میں لے لیتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک فرد بے سروسامانی کے عالم میں دیہی زندگی سے اکتا کر شہر میں منتقل ہوتا ہے تو اس کا ردِ عمل اور تاثرات کیا ہوتے ہیں گھریلو ماحول، ازدواجی زندگی، بچوں کی تعلیم و تربیت بیشتر شب و روز کے لئے جدو جہد کاروبار میں کامیابیاں، ناکامیاں، اس کے بعد خوش حال زندگی یہ سب کچھ آپ کو ''سفر جاری ہے'' میں نظر آئیں گی۔

اہم بات یہ ہے کہ اس گئے گزرے اور منتشر دور میں بھی کتاب کا مصنف یاسیت کا شکار نظر نہیں آتا بلکہ بڑے حوصلے، جرأتمندی اور اعتماد کے ساتھ اپنے سفر پر رواں دواں ہے۔ ذاتی طور پر میں نے کتاب میں کچھ خامیاں تلاش کرنے کی سعی کی لیکن اپنی خامیاں تو مصنف نے خود اس طرح بیان کر دی ہیں کہ یہ بھی زندگی کا حصہ ہیں۔ اس کے نزدیک انسان انسان ہے! فرشتہ تو نہیں ہوتا!

چنانچہ کتاب کے حوالے سے اس نتیجے پر پہنچنا دشوار نہیں کہ ''سفر جاری ہے'' محض نشر و اشاعت کا سفر نہیں بلکہ تخلیقی سفر بھی ہے اور اس سفر کو آئندہ بھی جاری رہنا چاہیے۔ اس لئے کہ اب مصنف نے تو مستند ادیبوں میں اپنی جگہ بنا لی ہے۔
آتش کے اس شعر کے ساتھ!

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے

ہفت روزہ ''اخبار جہاں'' کراچی

Marfat.com

جناب اظہر جاوید

وہ سرگودہا کے ایک نواحی قصبے بھاگٹاں والہ کے رہنے والے ہیں۔ان کی پیدائش 4 جنوری 1938 کو راولپنڈی میں ہوئی۔لیکن ان کے پاسپورٹ پر سرگودہا درج ہے۔ادبی ذوق تعلیمی زندگی میں بچپن میں ہی پیدا ہو گیا تھا۔سرگودہا شہر میں آئے تو اس دور کے ممتاز شاعر الطاف مشہدی اور جوہر نظامی سے تلمذ اختیار کیا۔اور ہفت روزہ ''خلوص'' کی ادارت کی۔صحافت کا یہ شوق انہیں لاہور کھینچ لایا اور انہوں نے اس دور کے جدید اخبار ''امروز'' میں ادبی صفحے کی ترتیب و تدوین کی خدمات انجام دیں۔جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء میں اظہر جاوید کو ان کی جمہوریت پسندی کی ''سزا'' دی گئی اور ملازمت سے جبری طور پر فارغ کر دیا گیا۔انہوں نے اس تعزیر کو حوصلے اور صبر سے برداشت کیا اور اپنی خودداری پر آنچ نہ آنے دی۔اور 1969ء میں ''تخلیق'' جاری کر دیا۔1978ء میں انہیں ''امروز'' میں اپنی سابقہ پوزیشن پر بحال کر دیا گیا۔اسی دوران انہوں نے کراچی کے اخبار ''حریت'' میں کالم نگاری شروع کرنے کے علاوہ اپنے رسالہ ''تخلیق'' کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر دیا۔

اظہر جاوید بنیادی طور پر رومانوی مزاج کے شاعر ہیں، انہوں نے لمبے عرصے تک اپنا مجموعہ کلام شائع نہیں کیا۔تاہم دوستوں کے اصرار پر کچھ عرصہ پہلے ان کا دیوان ''غم عشق اگر نہ ہوتا'' کے نام سے شائع ہوا اور ادبی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔بلغاریہ کے افسانوں کا اردو میں پہلا ترجمہ کیا۔رابعہ بصری پر اردو میں پہلی طبع زاد کتاب لکھی۔ان کی پنجابی کہانیوں کی کتاب پر ایوارڈ مل چکا ہے۔

اظہر جاوید کا خلوص ان کی متاع عزیز ہے۔اپنے رسالہ ''تخلیق'' میں سینکڑوں ادیبوں کو چھاپ کر بام شہرت پر پہنچا چکے ہیں۔مجھے فخر ہے کہ میں ان کے دوستوں کی لمبی صف میں شامل ہوں اور ان کے قیمتی مشوروں سے استفادہ کرتا ہوں۔

''سفر جاری ہے'' پر انہوں نے ایک خوبصورت مضمون ''تخلیق'' میں شائع کیا تھا۔ میں ان کا شکر گزار ہوں۔

Marfat.com

اظہر جاوید

سفر جاری ہے

بعض لوگ اتنے عجیب ہوتے ہیں کہ ان پر رشک آتا ہے۔ بندہ ان کے کمالات دیکھ دیکھ کر اس کرید میں رہتا ہے کہ کاش، کہیں کوئی خامی بھی نظر آ جائے، اور جب ایسا نہیں ہوتا، یا جو بندہ ناکام رہتا ہے، تو پریشان ہو کر پھر ان کے کمالات میں گم ہو جاتا ہے۔

ملک مقبول کو میں ایک شریف آدمی اور وضع دار انسان سمجھتا تھا۔ افسوس، اس وقت ہوا، جب وہ چپ چپاتے ادیب بن گئے، اور یک بہ یک مشہور بھی ہو گئے۔ ان کی شرافت میں کھنڈت یہیں پڑی اور ان کی وضع داری کا بھرم اس وقت ٹوٹا، جب ان کے ایک زیرِ احسان شخص نے ان پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی...... میاں محمد بخش نے ہم ایسے لوگوں کے لیے کہا ہے، دنیا دار کمینے..... تو کمینگی نے سر اٹھایا اور میں نے سوچا، برسوں سے کاروانِ ادب میں شامل ہیں، مگر ڈھول ہی بنے رہے، اور موصوف آئے اور آتے ہی جرسِ کاروانِ ادب بن گئے..... میرے خیال میں یہ ان کی غیر شریفانہ حرکت تھی۔ چلیں، لکھنا ہی تھا، تو ہم ایسے کج مج بیان لوگوں کی طرح لکھتے، نہ کوئی تعریف کرتا نہ تحسین کی داد نچھاور کرتا...... ہم نے تو برسوں کی ریاضت کے بعد منافق اور مخالف پالے ہیں۔ انہوں نے پہلی کتاب کی

Marfat.com

اشاعت کے پہلے مہینے ہی میں حاسد پیدا کر لیے، جس سے ان کا قد اور بلند ہو گیا..... اب یہ تو کوئی وضع داری نہ ہوئی......

''سفر جاری ہے''..... پڑھ کر پتا چلا کہ انہیں ادب کا چسکا بہت پہلے پڑ گیا تھا..... کہ جب آتش جواں تھا..... خوب صورت وہ تب بھی تھے، اب بھی ہیں، مگر غزل کے شعر کی طرح کچھ کہہ کر بھی کچھ ان کہی چھوڑ گئے ہیں.....

''چودھویں صدی'' کے نام سے رسالہ جاری کیا..... اس وقت ''بیسویں صدی'' کا زیادہ چرچا تھا..... ایک صاحب نے ''بیسویں صدی'' لاہور سے بھی جاری کر دیا، اور کسی نے ''اکیسویں صدی'' کا عنوان بھی ڈھونڈ لیا۔ یہ اکیسویں صدی شروع ہونے سے کم و بیش تیس چالیس برس پہلے کی بات ہے۔

''چودھویں صدی'' نام کا پرچہ یاد ہے، مگر اس میں کیا کیا ہوتا تھا، یہ اب دھیان میں نہیں..... ادب کا تڑکا لگ چکا تھا..... پھر وہ مدیر سے ناشر بن گئے۔ ناشر تو وہ اپنے رسالے کے بھی تھے، اب انہوں نے کتابوں کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا..... حیرت کی بات ہے، اپنے دور کے بہت سے نام ور لکھنے والوں سے ان کے قریبی تعلقات رہے، لیکن ان میں غرور نہیں آیا..... انہوں نے غربت سے سفر شروع کیا، اور **الحمد للہ** اب وہ خوش حال ہیں، اس دوران انہیں کاروباری چر کے بھی لگے، اہلِ ادب نے بے ادبی کے زخم لگائے، لیکن ان میں جھنجلاہٹ پیدا ہوئی نہ انتقام کا جذبہ..... ایک گہرا انکسار ان کے مزاج کا حصہ بن گیا۔ یہاں تو کسی عام سے ناشر کے پاس جائیں تو اس کی کرسی مزید اونچی ہو جاتی ہے، ملک مقبول تو عجز سے فرش ہوئے جاتے ہیں۔ اپنی اس عمرِ عزیز میں، جو ادب کے دشت کی سیاحی میں گزری، ناشرین کو بعد میں بھی ادائیگی کرتے نہیں دیکھا، تعجب ہوتا ہے، وہ پیشگی دیتے ہیں۔ اکثر زک اٹھاتے ہیں، پھر بھی نہ پریشان ہوتے ہیں نہ غچہ دینے

Marfat.com

والے کا نام زبان پر لاتے ہیں۔ مجھے اس آپ بیتی سے یہ بھی شکایت ہے، کہ انہوں نے اشاروں کنایوں میں ایسے ادیبوں شاعروں کا حوالہ دیا ہے، اب میرے ایسے لوگ خیالوں میں ٹامک ٹوئیے مارتے ہیں، کہ وہ ہوسکتا ہے، یا وہ بھی ہوسکتا ہے ...... اسی طرح انہوں نے کچھ ادیباؤں کا ذکر کیا ہے..... ایک سانولی سی ادیبہ کا نام لیا جواب معروف ناول نگار ہے۔ وہ ان کے ہاں آتی تھی، اور ان کا ایک رفیق کار اس پر فریفتہ بھی ہوگیا تھا..... میں نے دنیادار کمینوں کی طرح پچھلے دنوں ایک سانولی ادیبہ (ناول نگار) سے پوچھ ہی لیا..... اس نے نہایت صفائی سے کسی دوسری کا نام لے دیا۔

لوگ کہتے ہیں، کہ یہ ملک مقبول کی شرافت ہے، کہ انہوں نے نام نہیں لیے.... میں کہتا ہوں کہ بزدلی ہے...... یا تو آپ بیشتر معاملات کی طرح اسے بھی گول کر جائیں، یا پھر خواتین وحضرات سب کے نام لکھیں۔

سفرنامے میں اظہار کی زبان سادہ اور معصوم ہے، معلوم ہوا کہ مصنف شعرفہم بھی ہیں اچھے شعر برمحل استعمال کیے گئے ہیں۔ کتاب میں مصنف، اور ان کے کنبے کی رنگین تصویروں کے علاوہ ان معروف لوگوں کے خطوط اور تصویریں بھی شامل ہیں، جن سے عمر بھر ان کا تعلقِ خاطر رہا...... اللہ تعالیٰ بعض بندوں کو اسم بامسمّٰی بنا دیتا ہے، مقبول، واقعی بہت مقبول ہو رہے ہیں (ہو چکے ہیں)، اسے وہ اپنی والدہ کی دعاؤں کا نتیجہ کہتے ہیں...... ایسا ہی ہوگا...... میں ان پر رشک کرتا ہوں۔ کرتا رہوں گا۔ کتاب کے آخر میں، مصنف نے اپنے ادارے کی کتابوں پر دوسروں کے کیے ہوئے تبصرے بھی شامل کر دیئے ہیں، جن کا اس آپ بیتی میں کوئی محل نہیں۔ سفید کاغذ، رنگین تصویریں، مضبوط جلد، سب برحق، مگر قیمت بہت زیادہ ہے۔

(ماہنامہ تخلیق۔ جون 2007ء)

Marfat.com

جناب اعتبار ساجد

اعتبار ساجد اردو ادب میں استقلال اور مسلسل محنت کی مثال ہیں۔ وہ یکم جولائی 1948ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ ان کا پورا نام سید اعتبار حسین ہے۔ ایم اے (اردو) میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے کے بعد 1978ء میں عملی زندگی گورنمنٹ انٹر کالج نوشکی (بلوچستان) سے درس و تدریس کی ملازمت سے شروع کی۔ اور اب فیڈرل گورنمنٹ کالج اسلام آباد میں شعبہ اردو میں استاد کے فرائض ادا کر رہے ہیں۔

اعتبار ساجد کو ادب کا شوق تعلیمی زندگی کے ابتدائی دور میں پیدا ہو گیا تھا۔ اور وہ بچوں کے رسالہ ماہنامہ ''تعلیم و تربیت'' لاہور میں کہانیاں لکھنے لگے تھے۔ اسی کے ساتھ ہی انہوں نے شاعری، افسانہ نگاری اور مزاح نویسی میں بھی پذیرائی حاصل کی۔ اردو نثر میں ان کی بیس کتابیں اور شاعری کے اٹھارہ مجموعے چھپ چکے ہیں۔ ان کے مضامین قومی اور غیر ملکی رسائل میں کثرت سے چھپتے ہیں اور ان کو ایک ایسا مصنف تسلیم کیا جاتا ہے جس کا ہر رنگ اپنی پہچان رکھتا ہے۔ اعتبار ساجد سلسلہ در سلسلہ لکھنے والے قلم کار ہیں۔ راجو کی سرگزشت اور سیلاب کے نام سے چھپنے والے ناولوں کے سلسلے بچوں میں بہت مقبول ہیں۔ قصہ پانچویں درویش کا۔۔۔ انگور کھٹے ہیں۔۔۔ کارستانیاں۔۔۔ یہ عالم شوق کا۔۔۔ ان کے فکاہی مضامین کے مجموعے ہیں۔ ''اس طرح ہوتا ہے'' اردو کا پہلا مزاحیہ رپورتاژ ہے۔ ''قلم کاریاں'' کالموں کی اور ''تفہیم ادب'' تخلیقی تنقید کی کتابیں ہیں۔ ان دنوں ادارہ ''نوائے وقت'' کے ہفت روزہ ''ندائے ملت'' میں کالم لکھ رہے ہیں۔

''سفر جاری ہے'' کے بارے میں ان کی رائے ہے کہ

''یہ خودنوشت سچائی، سادگی، سلاست اور کردار کی بلندی کی منہ بولتی تصویر ہے۔''

میں اسے اپنے لیے تمغہ امتیاز تصور کرتا ہوں۔

Marfat.com

اعتبار ساجد

سفر جاری ہے!

ملک مقبول احمد کی خودنوشت، سچائی، سادگی، سلاست اور کردار کی بلندی کی منہ بولتی تصویر ہے

گاؤں دیووال ضلع سیالکوٹ کی ایک معزز اعوان برادری کے ہونہار فرزند نے جب اسکول کی تدریسی خدمات سے لاہور جیسے پُر رونق اور مرکزی شہر کے نامور ترین پبلشر کی حیثیت سے عزت اور نام کمایا تو تفاخر ان لبوں پر نہیں آیا۔ پُرتبسم انکسار اور عاجزی نے کہا: ''سفر جاری ہے''۔ یہ ملک کے نامور پبلشر ملک مقبول احمد کی خودنوشت کا عنوان ہے۔ بڑے لوگ کبھی تکمیل کا دعویٰ نہیں کرتے، جہاں دعویٰ آ جائے، وہاں اللہ اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ پھر نہ دعویٰ رہتا ہے نہ دعویدار رہتے ہیں، اسی لئے اللہ کو عاجزی پسند ہے۔ جہاں عاجزی ہے، وہاں عروج ہے۔ جہاں انکسار ہے، وہاں عظمت ہے۔ رسلؔ اپنے آخری ایام میں اکثر کہا کرتے تھے: ''پاؤں ابھی تھکے نہیں''اس کا مفہوم لوگوں کو بعد میں معلوم ہوا۔

ہمارے حاجی ملک مقبول احمد مُلک کے ان چند گنے چنے پبلشروں میں شامل ہیں جن سے اردو زبان، ادب، ثقافت اور تاریخ کو بین الاقوامی سطح پر عزت ملی ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ادیبوں، شاعروں کو عموماً پبلشر حضرات سے گلے شکوے رہتے ہیں، مجھے کبھی نہیں رہے۔ جس بھی پبلشر سے میرا واسطہ پڑا، اُس نے مجھے عزت دی، احترام دیا، رائلٹی دی۔ پھر لطف یہ کہ کبھی کسی نے کوئی دھوکہ نہیں دیا، کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ یہی وجہ ہے

Marfat.com

کہ پچیس پچیس، تیس تیس سال کی طویل مدت گزر جانے کے باوجود بھی آج تک لاہور کے پبلشروں سے میرے ایسے مراسم ہیں جیسے بھائیوں یا بزرگوں سے ہوتے ہیں۔ ملک صاحب نے کئی برس پہلے دو تین کتب کے معاہدے مجھ سے کئے تھے۔ نہایت وضعداری اور محبت کے ساتھ انہوں نے ان معاہدوں کی پاسداری کی۔ ایک لمحے کے لیے بھی مجھے شکایت کا موقع نہیں دیا۔ ''یہ عالم شوق کا'' .... اور ''کارستانیاں'' بڑے اہتمام سے برادرِ محترم اسلم کمال کے اسکیچ اور کارٹونسٹ جاوید اقبال کے بنائے ہوئے ٹائٹل کے ساتھ شائع ہوئیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ جو شخص ادیبوں کی اتنی عزت کرتا ہے، دراصل اندر سے وہ خود بہت بڑا ادیب ہے۔ یہ تو ان کی خودنوشت پڑھ کر احساس ہوا کہ جسے میں اب تک پبلشر سمجھتا رہا، وہ خود ایک ٹھنڈا میٹھا بڑا ادیب ہے۔ سچا، کھرا، نیک اور صاف شفاف، سوانح عمریاں مطالعے کے لیے دلچسپ مواد ہیں لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ اس میں سب کچھ صاف طور پر بیان نہیں کیا جاتا۔ یہ وصف مجھے حال ہی میں ملک مقبول احمد کی کتاب میں زیادہ نمایاں نظر آیا ہے کہ وہ سچائی کو سچائی کی طرح بیان کرتے ہیں۔ کتاب کے آغاز میں انہوں نے ژاں ژاک روسو کی آپ بیتی سے ایک اقتباس دیا ہے جو دراصل اُن کے اپنے دل اور قلم کی آواز ہے:۔

''میں نے ہر وہ بات جو کہ قابلِ تعریف یا قابلِ اعتراض تھی، پوری آزادی اور سچائی سے بیان کی ہے۔ میں جیسا تھا خود کو دوسروں پر ویسا ہی ظاہر کیا۔''

ملک صاحب جیسے ہیں ویسا ہی انہوں نے اپنی خودنوشت میں خود کو پیش کیا ہے۔ میں سوچتا رہا، پڑھتا رہا کہ شائد کسی مرحلے پر مصنف اپنی فرشتگی کا اعلان کرے۔ مگر آخری صفحے تک انسان ہی بولتا رہا۔ فرشتہ نہیں بولا، تب مجھے یاد آیا۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

Marfat.com

مصنف نے لاہور آ کر جی جان سے محنت کی۔ اس شہر کی عادت ہے کہ یہ آسانی سے کسی کو قبول یا تسلیم نہیں کرتا، کر لے تو پھر سینے سے لگا لیتا ہے۔ ملک صاحب اس شہر میں اپنے والدِ گرامی کا تھوڑا سا سرمایہ لے کر داخل ہوئے تھے، محنت کا عزم اور ڈھیروں خواب اور آدرش اُن کے اپنے تھے۔ رسالہ ''چودھویں صدی'' سے اشاعتی دنیا میں داخلے کا سفر شروع ہوا۔ پھر مقبول اکیڈمی کا سنگِ بنیاد پڑا۔ اے حمید، محمد سعید، احسان الحق سلیمانی اور رئیس احمد جعفری سے ایسی نادر کُتب حاصل کیں، جن کی اشاعت کے لیے خاصا سرمایہ درکار تھا۔ قریبی عزیزوں، رشتہ داروں سے رجوع کیا تو ان کے پاس گنجائش نہیں نکلی۔ ایسے پریشان کن حالات میں میانوالی کے ایک قلمی دوست ملک اللہ داد خان کام آئے۔ نہ صرف میزبانی میں کمالِ مہربانی کی بلکہ پانچ ہزار روپے دیتے ہوئے ان سے آنکھیں تک نہیں ملائیں کہ ملک صاحب شرمندہ نہ ہوں۔ اس وقت کے پانچ ہزار روپے آج کے لاکھوں روپے کے برابر تھے مگر ملک صاحب بھی اعوان تھے۔ انہوں نے نہ صرف قسطوں میں یہ رقم واپس کی بلکہ آخری قسط خاں صاحب کی وفات کے بعد ان کے بیٹے کو منی آرڈر کی۔

اس کتاب میں یوں تو ہر دوسرے تیسرے صفحے پر ایسا واقعہ یا ایسی بات درج ہے، جسے پڑھ کر بے ساختہ مصنّف پر پیار آ جاتا ہے۔ لیکن چند وقوعے ایسے ہیں جو مصنف کی سچائی، سادگی اور معصومیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ مثلاً انکم ٹیکس کے ہرکارے کی ناگہانی آمد کا واقعہ، کلوئے کے پرائمری اسکول کی ملازمت، نظیر بیگم مرحومہ کے سلسلے میں سچائی اور صاف گوئی۔ اپنے سلسلے میں حق گوئی، مثلاً:۔

''مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی شرم، کوئی جھجک، کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ میں تعلیمی سرٹیفکیٹوں، ڈگریوں اور دستاویزی حوالے سے انتہائی کم علم ہوں، لیکن پھولوں کے درمیان رہ کر خوشبودار ہو جانے والی مٹی کی طرح میں بھی ادباء شعراء، مصنفین، مترجمین،

Marfat.com

معلمین،اور محققین اور عالی ظرف انسانوں کے داخلی جمال سے فیض یاب ہوا، اور میں خود بھی ایک کتاب بن کر رہ گیا''۔

اپنی ''کم علمی'' کا اعتراف وہ عالی ظرف انسان کر رہا ہے جسے بین الاقوامی ادارہ مارکوئیس پبلشنگ بورڈ نے اپنی کتاب ''Who is who in the world''

میں پاکستان کی اہم شخصیت کے طور پر 1999ء میں شامل کیا ہے، حالانکہ ہمارے ہاں لوگ پتہ بھی توڑتے ہیں تو درخت گرانے کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں، مگر اس پوری کتاب میں کوئی دعویٰ نہیں اور یہی سب سے بڑا دعویٰ ہے۔

پبلشر حضرات عموماً مصنفین کی تعریف کے معاملے میں فراخدلی سے کام نہیں لیتے لیکن ملک مقبول احمد نے جس بھی مصنف کا ذکر کیا ہے، اتنی محبت، اتنی اپنائیت اور اتنے احترام سے کیا ہے کہ ان کے ظرف کی داد دینی پڑتی ہے۔کوئی ایسا قابلِ ذکر ادیب یا شاعر نہیں جو اس ادارے سے وابستہ ہو اور اُس کا ذکر احترام اور محبت سے نہ کیا گیا ہو۔اس کتاب میں مشاہیر کے خطوط کے علاوہ اہم دستاویزات، بڑی دلکش تصویریں، تبصرے اور انٹرویوز شامل کئے گئے ہیں۔قارئین کو جہاں ملک فیملی کے پیارے پیارے بچوں کی تصویریں دیکھ کر ان پر پیار آتا ہے، وہیں ان بچوں کی پیشانیوں کی چمک بتاتی ہے کہ دادا نے رزقِ حلال کے لیے جتنی مشقت کی، جتنی جدوجہد کی، جتنے نشیب وفراز سے گزرے، ان شاءاللہ پوتے اور پوتیاں اپنے محترم دادا کے نام کو نہ صرف تابندہ رکھیں گے بلکہ زندگی میں آگے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں گے کیونکہ سفر جاری ہے اور خدا کرے صحت اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ جاری وساری رہے۔آمین!

ہفت روزہ ''ندائے ملت''

9 تا 15 اگست 2007ء

Marfat.com

جناب اکبر حمیدی

اکبر حمیدی کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے ایک چھوٹے سے دیہاتی شہر سے نکل کر اسلام آباد کے ادبی افق پر تابانی پھیلائی اور نام پیدا کیا۔ ان کا اصلی نام محمد اکبر اور قلمی نام اکبر حمیدی ہے۔ اپریل 1936ء میں فیروز والہ ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے اور ایم اے اردو ایم اے پنجابی کرنے کے بعد درس و تدریس کا پیشہ اختیار کر لیا۔ اور اسلام آباد کالج برائے طلبا میں صدر شعبہ اردو کے جلیل القدر عہدے تک پہنچ گئے۔ 60 سال کی عمر میں پہنچے تو عزت و احترام سے ریٹائر ہو گئے۔ اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں ان کو ''بیسٹ ٹیچر'' اور آؤٹ سٹینڈنگ ٹیچر کے ایوارڈ سے نوازا گیا۔

اکبر حمیدی شاعر ہیں، انشائیہ نگار ہیں، خاکہ نویس ہیں۔ بچوں کے لیے کہانیاں لکھنے میں بھی انہیں پذیرائی حاصل ہے اور ان کہانیوں سے بڑے بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ کالج سے ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے اپنی زندگی ادب کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی ہے اور اپنی معطر خلوت میں اپنے تخلیقی کام میں مصروف ہیں۔

اکبر حمیدی کی شاعری کے آٹھ مجموعے (لہو کی آگ، آشوب صدر، تلوار اس کے ہاتھ، شہر بدر، دشتِ بام و در، ہر اک طرف سے، بکی غزل پنجاب اور شور بادباں)۔۔۔ تخلیقی انشائیوں کے پانچ مجموعے (جزیرے کا سفر، تتلی کے تعاقب میں، جھاڑیاں اور جگنو، پہاڑ مجھے بلاتا ہے اور اشتہاروں بھری دیواریں) چھپ چکے ہیں۔ خاکے ''قد آدم'' اور ''چھوٹی دنیا بڑے لوگ'' کے نام سے اور خودنوشت ''جست بھر زندگی'' کے عنوان سے چھپ چکی ہے۔

اکبر حمیدی صاحب نے ''سفر جاری ہے'' پر ایک نہیں دو خطوط لکھے اور میری معمولی تصنیف کو اعلیٰ ظرفی سے سراہا۔

Marfat.com

اکبرحمیدی

محترم ملک مقبول احمد صاحب

آداب

میری مطبوعہ کتب میں سے اگر کوئی کتاب آپ دوبارہ چھاپ سکیں تو بے حد شکر گزار ہوں گا۔ ایک کتاب میرے ادبی کام پر ''اکبرحمیدی کا فن'' کے نام سے بھی چھپی ہے جس کا فہرست کے آخر میں ذکر ہے آپ کی خودنوشت کا ایک ایک لفظ میں نے پڑھا بہت لطف اندوز ہوا۔ احسان دانش صاحب کی خودنوشت ''جہانِ دانش'' کے بعد آپ کی خودنوشت کا لطف آیا۔ میں نے برٹرینڈرسل، مہاتما گاندھی اور پاکستان میں شائع ہونے والی بیشتر خودنوشتیں پڑھی ہیں مگر پوری سچائی سے کہوں گا ان کا مزا نہیں آیا۔ خودستائش، خود پروجیکشن یا معذرت خواہانہ رویّے یا بڑے بڑوں سے تعلق جوڑ کر اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرنے کی کوششیں ہیں حالانکہ لکھنے والے سے بڑا کون ہو سکتا ہے۔

آپ کی خودنوشت ان عیوب سے پاک ہے۔ سچائی، محنت، دانائی، اللہ پر بھروسہ، تشکر خداوندی، انسانوں سے محبت اور اندازِ بیان میں ایسی سادگی ہے جو پُرکاری بن گئی ہے۔ دیہات میں فطرت کی منظرکشی سوائے آپ کی خودنوشت کے اور کہیں نہیں دیکھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے کہ آپ جیسے لوگ دنیا کا قیمتی سرمایہ ہیں اور قابلِ تقلید بھی۔

بہت دعاؤں کے ساتھ

مخلص

اکبرحمیدی

Marfat.com

میرا اپنا تعلق ایک دیہاتی، چھوٹے زمیندار خاندان سے ہے اور پیدل چلتا ہوا آخر اسلام آباد آن پہنچا۔۔۔میرا گاؤں۔۔۔گوجرانوالہ کا ایک گاؤں فیروز والہ ہے جس سے ''پیسہ اخبار'' والے مولوی محبوب عالم صاحب کا تعلق تھا۔ آپ کے ضلع سیالکوٹ سے میرے بہت رشتے ہیں۔ میری دادی جان، والدہ، میری بیوی سب سیالکوٹ کی تحصیل پسرور سے متعلق ہیں۔ آپ کی خودنوشت سے مجھے ایسا لگا جیسا مجھے اپنے ہی ایک دوست اور محترم کو جاننے کا موقع مل رہا ہے۔ اس عمل میں آپ کا بے ریا اندازِ بیان اور حسن و خیر پر پختہ ایمان شامل ہے۔ یہ خود نوشت پڑھنے والے کو ایک اچھا اور کامیاب انسان بنانے میں یقیناً مددگار ثابت ہوگی، جو بڑے ادب کی ایک بڑی خوبی ہے۔ کہ وہ اپنے قاری کو لطف اندوز بھی کرتا ہے اور اس کے دامنِ دل کو زندگی کے قیمتی تجربات سے بھی بھر دیتا ہے۔ اسے اچھی زندگی کی راہ دکھاتا ہے۔ انسان دوستی کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ سب اوصاف آپ کی اس خودنوشت میں بھرپور طریقے سے موجود ہیں۔

اپنے عزیز و اقارب کو اور دوسرے متعلقین کو شامل کر کے آپ نے گویا اپنی وہ پوری دنیا پیش کر دی ہے، جس میں آپ نے زندگی بسر کی ہے اور کر رہے ہیں۔ اس کتاب میں بہت سے کرداروں کا ذکر آیا ہے، جن سے آپ کو سابقہ پڑا ہے۔ یوں خودنوشت میں ایک رنگارنگی بھی پیدا ہوئی ہے اور کردار نگاری کے علاوہ کردار فہمی کے ذریعے پڑھنے والے انسانیات اور اس کی وسعتوں سے بھی فیضیاب ہوتے ہیں۔ یہ ایک الگ مطالعہ ہے، جس کا تعلق علمِ انسانیات سے ہے جو عملی زندگی میں ہم سب کے لیے بے حد مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ آپ کی خودنوشت میں یہ بظاہر ضمنی باتیں بھی بہت کارآمد ہیں کہ انہیں جان کر قاری زندہ رہنا اور انسانی تعلقات میں کامیاب ہونا سیکھ لیتا ہے۔ میں نے خود بھی خودنوشت لکھی ہے ''جست بھر زندگی

Marfat.com

''جو 1999ء میں شائع ہوئی۔ اب اس کی دو تین جلدیں میں نے ریکارڈ کے لیے سنبھال کر رکھی ہیں۔ سو خودنوشت پڑھنا اور اس سے کچھ سیکھنا میرا بڑا مشغلہ ہے۔ آپ کی خودنوشت سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی صحت و عافیت میں برکت ڈالے۔

خط ملنے پر مطلع فرمائیے تا کہ مجھے معلوم ہو خط آپ تک پہنچ گیا ہے

والسلام

مخلص

اکبر حمیدی

Marfat.com

جناب پروفیسر اکرام بشیر

پروفیسر اکرام بشیر صاحب پاکستان کے معروف دانشور، ادیب اور ماہر تعلیم ہیں۔ انہوں نے درس وتدریس کا شعبہ قومی خدمت کے سچے جذبے سے اختیار کیا اور ہمیشہ اس خیال کو فروغ دینے کی کوشش کی کہ قومی زبان اردو کی ترقی کے لیے فارسی اور عربی کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ انہوں نے ایم اے کرنے کے بعد محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کی تو طلبہ کو فارسی میں فضیلت حاصل کرنے اور ان میں کلاسیکی ادب کے ذوق کو پروان چڑھانے کی سعی کی۔ آپ گورنمنٹ کالج آف سائنس، وحدت روڈ میں فارسی زبان وادب اور فارسی کے شعبے کے سربراہ ہیں۔

اکرام بشیر صاحب کو اظہار و بیان پر بے پناہ قدرت حاصل ہے۔ ان کا مطالعہ کتب بہت وسیع ہے۔ ان کے فکری اور نظریاتی مضامین گزشتہ چالیس سال سے اخبارات ورسائل کی زینت بن رہے اور بہت سے لوگوں کے لیے شمع راہ ہیں۔ ان کے متعدد مضامین بین الاقوامی جرائد میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

پروفیسر اکرام بشیر صاحب ان دنوں روزنامہ ''پاکستان'' لاہور میں ''علم وآگہی'' کے عنوان سے کالم لکھتے ہیں جو ان کی تازہ خیالی اور روشن فکری کا مظہر ہے۔ ان کا کالم علمی اور ادبی حلقوں میں بہت مقبول ہے۔

محترم اکرام بشیر صاحب نے ''سفر جاری ہے'' پر اخبار ''پاکستان'' میں کالم لکھا تھا اور اس حوالے سے زیب کتاب ہے۔

Marfat.com

پروفیسر اکرام بشیر

طباعت واشاعت کا سفر

بے شمار سوانح عمریاں اپنے اپنے دور میں مقبول ہوئیں۔ حال ہی میں لاہور کے ایک اشاعتی ادارے ''مقبول اکیڈمی'' کے مالک ملک مقبول احمد کی سوانح حیات ''سفر جاری ہے'' منظر عام پر آئی ہے۔ ملک مقبول احمد ایک سیدھے سادے مناسب حد تک تعلیم یافتہ لیکن پبلشنگ کے اسرار و رموز سے بخوبی واقف انسان ہیں۔ انہوں نے لاہور میں اعلیٰ معیار کی کتابوں کی اشاعت کے لیے بے پناہ جدوجہد کی اور جن لکھنے والوں سے رابطہ رکھا، ان سے کبھی کوئی ناانصافی یا بدمعاملگی نہیں کی۔ ان کی ذاتی زندگی بھی ہر قسم کی قباحتوں اور آلودگیوں سے پاک ہے۔ ان کے اسلوبِ تحریر میں سادگی، بے باکی اور حق گوئی صاف دکھائی دیتی ہے۔ انہوں نے اپنے واقعاتِ زندگی کو کسی لگی لپٹی کے بغیر پیش کیا ہے اور ان کی تحریر ان کی سادہ پُرکار شخصیت کی عکاس ہے۔

یہ کتاب پیشہ ورانہ زندگی میں ان کی گہری دلچسپی کی عکاس بھی ہے۔ انہوں نے نہ صرف معروف مصنفین، شاعروں، افسانہ نگاروں، ڈرامہ نویسوں اور دوستوں کے مکاتیب بھی کتاب میں شامل کیے، ان کی آرا اور رنگین تصاویر بھی شاملِ اشاعت کیں۔ طباعت واشاعت کے میدان میں پیش آنے والی مشکلات کا

Marfat.com

بھی تذکرہ کیا۔ کتاب کا انتساب اپنے محترم والدین کے نام کیا۔ اپنے اخباری انٹرویوز، خاندانی تصاویر، مقبول اکیڈمی کی کتابوں پر ہونے والے تبصروں اور اپنے بعض ذاتی دوستوں کی کتاب پر آراء کو بھی شاملِ اشاعت کیا ہے۔ بحثیت مجموعی یہ ایک معیاری کاوش ہے۔ ڈاکٹر صفدر محمود، ڈاکٹر طارق عزیز، طارق اسماعیل ساگر، انور سدید، اے حمید اور علی سفیان آفاقی کے تبصروں کو بھی کتاب کی زینت بنایا ہے۔

(روزنامہ پاکستان۔ یکم مارچ 2007ء)

Marfat.com

جناب ڈاکٹر اللہ بخش ملک

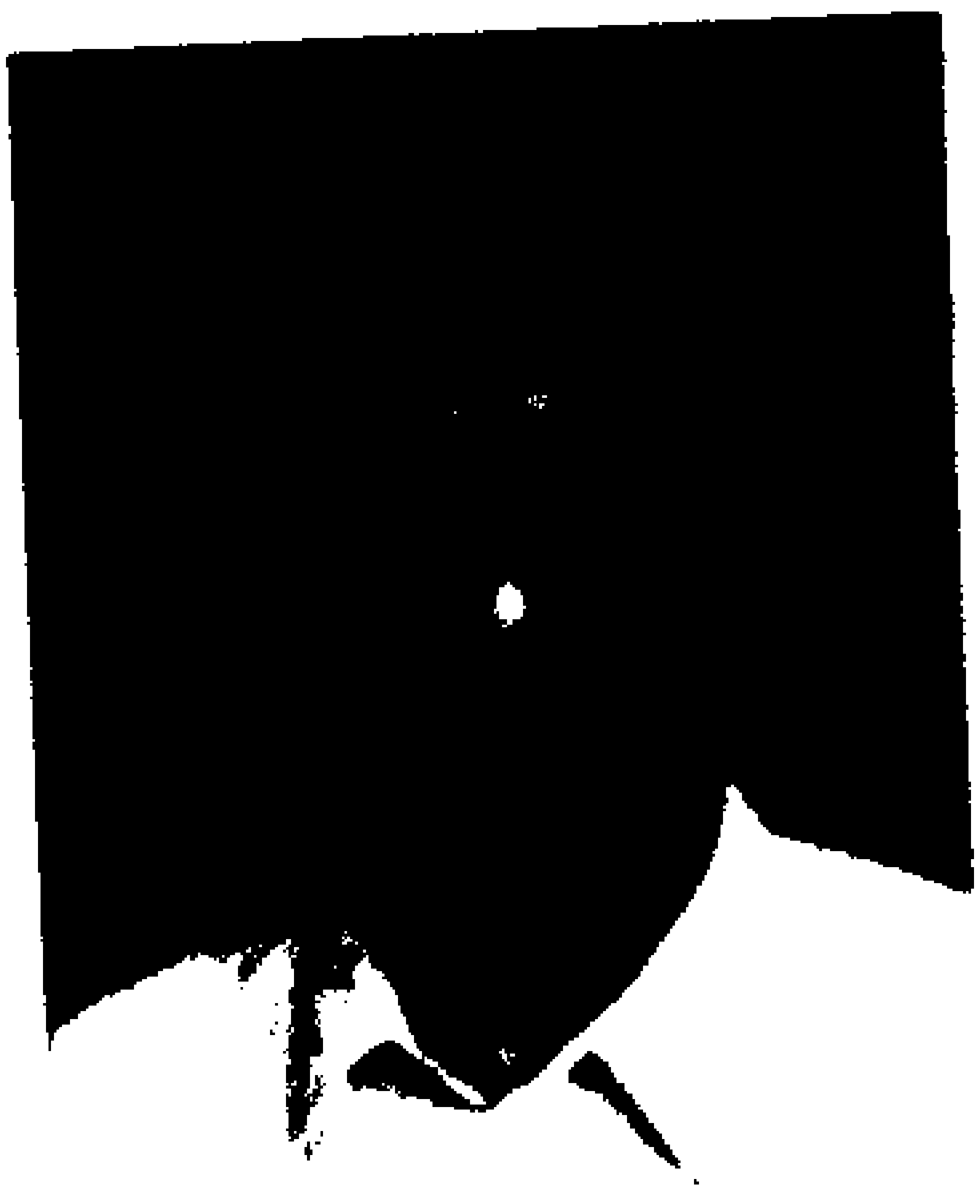

ڈاکٹر اللہ بخش ملک کا تعلق قطب شاہی اعوان قبیلے سے ہے۔ آپ 16 جون 1960ء کو چکوال میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی حاجی ملک غلام حسین اعوان کا شمار اس علاقے کے ان نامور لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے عوام کے فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور تعلیم پھیلانے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ ابتدائی تعلیم چکوال میں حاصل کرنے کے بعد ملک صاحب نے ایم فل پنجاب یونیورسٹی سے کیا اور مزید اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن تشریف لے گئے اور کیمبرج سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ انہیں اکانومسٹ، ماہر تعلیم اور سوشل سائنٹسٹ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ انہوں نے 22 اکتوبر 1985ء کو مقابلے کا امتحان پاس کرنے کے بعد سول سروس آف پاکستان میں شمولیت اختیار کی اور حکومت پاکستان کے اعلیٰ عہدوں پر خدمات انجام دیں۔ ڈاکٹر اللہ بخش ملک صاحب نے امریکہ، برطانیہ، فرانس، سعودی عرب، جنوبی افریقہ، بنگلہ دیش اور متحدہ عرب امارات کی سیاحت کی ہے اور ان ممالک کا تہذیبی، تمدنی، ثقافتی اور تعلیمی امور کا مطالعہ گہری نظر سے کیا ہے۔ انہیں 1992ء میں ''ستارۂ سماج'' کے اعزاز سے نوازا گیا۔

ڈاکٹر اللہ بخش ملک نے ایجوکیشن کے کثیر المقاصد اور قومی ضرورت کے موضوعات پر اعلیٰ عالمی معیار کی سترہ کتابیں انگریزی زبان میں لکھی ہیں جن پر ملکی غیر ملکی اخبارات نے عمدہ تبصرے شائع کیے۔ آپ پاکستان سوشل ایسوسی ایشن اور پاکستان سوسائٹی آف ڈیویلپمنٹ اکنامکس کے رکن ہیں۔ اور اس وقت پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن لاہور کے مینجنگ ڈائریکٹر ہیں۔ مقبول اکیڈمی کو ان کی کتاب ''روشن چراغ'' کے علاوہ انگریزی کی چند کتابیں چھاپنے کا اعزاز حاصل ہے۔

ڈاکٹر اللہ بخش ملک کا ''سفر جاری ہے'' پر تبصرہ میرے لیے مشعل راہ ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر اللہ بخش ملک

ایک سحر انگیز شخصیت

جناب ملک مقبول احمد صاحب کی شخصیت دلکشی ، شائستگی ، بلند اخلاق ، ملنساری اور ملاحت کا مرقع ہے۔ آپ کی تصنیف ''سفر جاری ہے'' کا مطالعہ فرحت بخش اور حوصلہ افزاء ہے۔ فرحت بخش اس لئے کہ زندگی کے مختلف مدارج کی تفاصیل ، منزل بہ منزل رموزِ زندگی کی آگہی عطا کرتی ہیں۔ زندگی کے اسلوب ، محاسن اور تجربات کا کماحقۂ عرفان ہوتا ہے۔ حوصلہ افزاء اس لئے کہ قاری کے دل میں اُمید کی کرن اور اُمنگ جنم لیتی ہے کیونکہ صادق جذبے ، محنت ، لگن اور دیانت داری سے انسان ترقی کے مدارج احسن طریقے سے طے کرسکتا ہے۔ نیک نیتی ، جدوجہدِ مسلسل اور دعاؤں سے منزل کا حصول آسان سے آسان تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ ملک صاحب کی تصنیف مسلسل جہاد ، تگاپوئے دمادم اور تکبیرِ مسلسل کی عملی تصویر ہے۔ یہ ایک مسلسل سفر کی بھرپور داستان ہے۔ بچپن سے لڑکپن ، جوانی اور پیرانہ سالی کی طرف گامزن سفر۔ ایسا سفر جس میں سخت مقامات بھی آتے ہیں اور دلکش مناظر بھی ۔ ملک صاحب سب جگہ سُرخرو نظر آتے ہیں۔ آپ کی تصنیف کا کمال یہ ہے کہ یہ زندگی کے تجربات کا حاصل بھی ہے اور زندگی سے قریب تر بھی۔ ملک مقبول ، صاحبِ نظر اور صاحبِ طرز ادیب ہیں۔ آپ علم دوست اور انسان دوست ہیں۔ علوم وفنون سے محبت رکھتے ہیں۔ علم کے نور سے منوّر رہیں۔ علم روشنی ہے ، علم نور ہے ، علم آگہی ہے اور علم عرفان ہے۔ ایک علم دوست شخصیت نے اپنے

Marfat.com

سچے جذبوں سے اپنی تصنیف کو نکھار بخشتا ہے۔

سچ لکھنے کے لیے حوصلہ اور جرأت چاہیے۔ سچ بذاتِ خود بہت بڑی طاقت ہے۔ سچ کی اپنی تاثیر ہے۔ سچ کو یاد رکھنے کی ضرورت نہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سچا خود پروردگار ہے۔ ملک صاحب نے اپنی تصنیف میں سچ لکھ کر اسے زندہ جاوید بنا دیا ہے۔

ملک مقبول احمد صاحب خوش اخلاق، خوش گفتار اور بلند کردار کی حامل شخصیت ہیں اور اس کی جھلکیاں اُن کی تصنیف میں حرف حرف، سطر سطر، ورق ورق نمایاں ہیں۔ آپ حاجی الحرمین ہیں۔ عاشقِ رسول مقبولؐ ہیں۔ بارگاہِ الٰہی میں قبول ہیں۔ آپ کی شخصیت میں ہمدردی، غم گساری اور ایثار کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ آپ سے مل کر زندگی کا اعتبار آتا ہے۔ دل کو قرار آتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ امانت، دیانت، شرافت اور صداقت مقبول صاحب کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ پروردگار سے دعا ہے کہ آپ کو دین اور دنیا دونوں میں دِن دُگنی اور رات چوگنی ترقی دے اور آپ اسی طرح بے شمار لوگوں کے دِل کا قرار بنے رہیں۔ آپ کی شخصیت کا روشن ترین پہلو یہ ہے کہ جسے ملتے ہیں اُسے اپنا بنا لیتے ہیں۔ آپ کے لہجے میں مٹھاس اور شخصیت میں سحر اور تاثیر ہے۔ اللہ کریم آپ کے جذبہ عشق کو سلامت رکھے۔ ملک صاحب سے میری ذاتی عقیدت اور نیازمندی کی بنیادی وجہ آپ کا سرکارِ دو عالم ﷺ سے عشق ہے۔ اور ذِکر رحمت للعالمین ﷺ ہی میری عظیم میراث اور جدّی سرمایہ ہے۔

ذکر خیر البشرؐ میں رہتا ہوں
خوشبوؤں کے نگر میں رہتا ہوں
ذکرِ احمدؐ کا یہ کرشمہ ہے
میں خُدا کی نظر میں رہتا ہوں

Marfat.com

جناب ڈاکٹر امجد اسلام امجد

امجد اسلام امجد کا شمار ملک کے ان نامور ادیبوں میں ہوتا ہے جو ادب کی تمام اہم اصناف میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور عوام میں بھی مقبول ہیں۔

جناب امجد اسلام امجد 4 اگست 1944ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم لاہور میں حاصل کرنے کے بعد ایم اے (اردو) کا امتحان پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج سے اعزاز کے ساتھ اول درجے میں پاس کیا۔ انہوں نے عملی زندگی کا آغاز اگرچہ ایم اے او کالج لاہور میں درس وتدریس سے کیا لیکن ان کی صلاحیتوں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ چنانچہ ان کی خدمات سے صوبائی حکومت نے پنجاب کونسل آف آرٹس، اور چلڈرن لائبریری کمپلیکس میں اور وفاقی حکومت نے اردو سائنس بورڈ میں استفادہ کیا۔

جناب امجد اسلام امجد کا شمار ملک کے ممتاز شاعروں، دانشوروں اور ادیبوں میں ہوتا ہے۔ آپ کم وبیش پچاس کتابوں کے مصنف ہیں جن میں شاعری کے مجموعے برزخ، ساتواں در، فشار، ذرا پھر سے کہنا، اس پار، اتنے خواب کہاں رکھوں گا، بارش کی آواز اور ساحلوں کی ہوا شامل ہیں۔ انہوں نے ٹیلی ویژن کے لیے لاتعداد ڈرامہ سیریل لکھے اور ڈرامہ ''وارث'' نے تو مقبولیت کے تمام ریکارڈ مات کر دیئے۔ ان کے ٹی وی ڈرامے کتابی صورت میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ حکومت پاکستان نے انہیں 1987ء میں پرائیڈ آف پرفارمنس ایوارڈ سے اور 1998ء میں ستارہ امتیاز سے نوازا۔ رسالہ ''چہارسو'' اور ''بیاض'' نے ان پر خصوصی گوشے شائع کیے۔ ملتان، بہاول پور اور جموں یونیورسٹی میں ان، کے فن اور شخصیت پر تحقیقی مقالات لکھے جا چکے ہیں۔ انہوں نے متعدد ممالک کی سیاحت کی ہے۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا مختصر سا تبصرہ فکر انگیز اور معنی خیز ہے۔

Marfat.com

امجد اسلام امجد

مقبول اکیڈیمی لاہور کا ایک قدیم اور مستند اشاعتی ادارہ ہے اور ملک مقبول احمد صاحب نے اس کی سربراہی کے حوالے سے گزشتہ کم از کم چھ دہائیوں سے لاہور کی ادبی اور معاشرتی فضا کو بہت قریب سے دیکھا، جانچا، پرکھا اور اس میں سانس لیا ہے۔ سو اُن کی خودنوشت ''سفر جاری ہے'' اُن کے گوناگوں شخصی مشاہدات اور تجربات کے بیان کے ساتھ ساتھ اس دور کے ادیبوں اور ادبی فضا کا احوال اور منظرنامہ بھی بن گئی ہے، جس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔

ملک مقبول احمد نے یہ خودنوشت بڑے سادہ اور غیر رسمی انداز میں لکھی ہے اور بڑے حوصلے سے اُن مسائل پر بھی قلم اٹھایا ہے، جنہیں عام طور پر احباب چھپانے یا نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اپنی پہلی شادی کی ناکامی اور اس کے اسباب کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی دوسری بیوی سے پہلی ملاقات کی روداد لکھتے وقت مشترکہ خاندانوں اور برادریوں میں پائے جانے والے دباؤ، اُس زمانے کے عائلی قوانین اور اپنی ذاتی اُلجھنوں کو بھی بڑے سلیقے اور تناسب سے بیان کیا ہے۔

کسی بھی ادبی کتاب اور بالخصوص سوانح عمری کی بنیادی خصوصیت یہ ہونی چاہیے کہ اُس میں قاری کو متوجہ رکھنے اور اپنے پڑھے جانے کی کشش اور طاقت موجود ہو ''سفر جاری ہے'' میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ ملک مقبول احمد صاحب کو مبارک باد کہ اب وہ پبلشر کے ساتھ ساتھ بطور لکھاری بھی اُردو ادب کا حصہ بن گئے ہیں۔

Marfat.com

جناب ڈاکٹر امجد پرویز

ڈاکٹر امجد پرویز اپنے تبصروں سے ادیبوں کے اور اپنے نغموں سے عوام کے دلوں کو فتح کرنے والے دانشور ہیں۔ وہ 28 مارچ 1946ء کو لاہور میں پیدا ہوئے، آپ کا تعلق لاہور کے اس علمی و ادبی خاندان سے ہے جس کے ایک فردِ جلیل خواجہ دل محمد تھے۔ ان کے بزرگوں نے انجمن حمایت اسلام اور اسلامیہ کالج لاہور کے وسیلے سے مسلمانوں میں علم کا خیر کبیر تقسیم کیا اور تحریک پاکستان میں خصوصی خدمات انجام دیں۔

ڈاکٹر امجد پرویز کا رجحان طبع فنونِ لطیفہ کی طرف تھا لیکن عملی زندگی میں انہوں نے موسیقی کے ساتھ انجینئرنگ کو بھی اہمیت دی۔ انہوں نے انگلستان سے مکینیکل انجینئرنگ میں ماسٹرز اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں نو سال تک درس و تدریس کے بعد انجینئرنگ کے علاوہ آپ موسیقی میں بھی طلائی تمغہ حاصل کر چکے ہیں۔

موسیقی ڈاکٹر امجد پرویز کی روح کی غذا ہے۔ انہوں نے کلاسکی موسیقی کا ریاض اپنی داخلی لگن اور شوق سے کیا اور اب ملک کے ایسے نامور گائیکوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا تعلق موسیقی کے کسی پیشہ ور گھرانے سے نہیں لیکن جنہیں کلاسیکی اور لوک موسیقی پر پورا عبور حاصل ہے۔ انہوں نے متعدد ملی اور قومی نغمے اپنی رس بھری آواز میں گا کر ایک محبّ وطن پاکستانی ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ آپ کو حکومت پاکستان نے ''پرائیڈ آف پرفارمنس'' ایوارڈ سے نوازا ہے۔ ڈاکٹر امجد پرویز انگریزی اخبار ''دی نیشن'' میں طویل عرصے سے اردو کی کتابوں پر انگریزی میں تبصرے لکھ رہے ہیں۔ ان کے تبصروں کی کتاب بھی چھپ چکی ہے۔ جس کی رونمائی کی تقریبات اسلام آباد، کراچی اور لاہور میں منعقد ہوئیں۔

ڈاکٹر امجد پرویز نے ''سفر جاری ہے'' پر ''دی نیشن'' لاہور میں خیال افروز تبصرہ تفصیل سے لکھا تھا۔

Marfat.com

The Nation

August 19,2007

The Fear of Truth

Malik Maqbool Ahmad states that grandparents are naturally attracted towards their grandchildren. His grandson Babar Maqbool's inquisitive mind keeps on posing him questions like how did he enter in the publishing business or why did he settle in the city whereas he was born in a village etc. Such questions shot at him by his dear ones and his friends convinced him to enter into the field of writing also. the couplet "*Hamara Naam Bhi Rakhey Fassana Khwabon Mein/ Keh Hum Bhi Apney Suwaneh Nigar Guzrey Hein*" is quoted here by him to agree to this suggestion. His grandchildren kept on asking him as to what happened to his autobiography "*Baghbaan*" reffering to the Indian movie on the theme of children not taking care of their grandparents when old. While quoting Anis's couplet "*Kheyal-e-Khatir-e-Ehbaab Chahiye Har Dam/Anis Thais Na Lag Jaaey Aabgeenon Ko*" Maqbool has written his autobiography giving details of his life that he led and on the friends/intellectuals/ writers/poets he came across as a publisher.

Dr. Safdar Mahmood, the famous educationist and writer observes that this autobiography is a literary document. Ali Sufian Aafaqi declares it as an interesting

Marfat.com

writing. Each page of the autobiography is reflective of the author's struggle, hard work and simplicity, Aafaqi adds. Any incidence whether pleasant or otherwise has been written with honesty which is the beauty of this autobiography. The veteran writer and critic Dr. Anwar Sadeed observes that any person's life is like a short story. It is only that person who is aware of his/hers inner happiness, turmoil and sufferings. An autobiography is therefore is a document that otherwise would be narrated to one's friends and relatives. Dr. Sadeed quotes Urdu literature's intellectual Dr.Syed Abdullah stating that the difference between a biography and autobiography is that a writer could be come victim of the bias he has towards his hero, he is writing about but an autobiographer is always afraid of the truth, he is supposed to reveal. Therefore he may not be a true judge of the correct narration of the events or the persons involved in the plots. Mushfiq Khwaja states that generally persons write their autobiography when in advanced age, when their mental faculties are deterred. So, the autobiography becomes a shortened version of what it otherwise would have been. Dr. Anwar Sadeed mentions of one autobiography written by Hameeda Akhtar Hussain who though was not a writer but was wife of a great writer. Her forte was simplicity and honesty with which she wrote. Dr. Sadeed remembers Malik Maqbool from the time when he visited him with monthly *Takhleeq's* Editor Azhar Javed at the time when Malik Sahib had published Maulana Abul Kalaam Azad's '*India Wins Freedom*' Later India's novelist Joginder Paul while on visit to Pakistan, Maqbool published his new novel "Khwaab Roo". Coming back to Malik Maqbool's

Marfat.com

autobiography, it appears that he went along well not only with Dr. Anwar Sadeed but also with other people that mattered at a specific span of time. He writes on Syed Pannah Ali Shah who became Inspector of Schools, Lahore Division at the time on creation of One Unit, Muhammad Munir, Executive District Officer Literacy, Narowal District, Malik Muhammad Shariff, Sheikhupura and Rasheed Zafar, Project Director, Punjab Girls Primary Education Project etc.

Malik Sahib has talked about his life, childhood, golden period of his life, education, teaching, family life, shifting to Lahore, opening of an office in Shahalami Gate, ups and downs in his business, the struggle in his life, visit to the Holy Cities and has narrated some interesting incidences of life etc. in separate chapters. He mentions of some female writers who have been published by Maqbool Academy like Bilquis Riaz, Suraiya Khurshid Ada Jafri, Salma Awan, Azra Asghar, Shabana Younis, Razia Faseeh Ahmad and Nishat Fatima. He also mentions of the writers who translated English books into Urdu published by Maqbool Academy like Maulana Muhammad Bukhsh Muslim, Syed Nasir Ali Zaidi, Syed Abid Ali Abid, Dr. Abid Barelvi, Syed Hashmi Faridabadi, Makin Ahsan Kaleem, Abdul Hameed Siddiqui, Abul Hasan Naghmi, Syed Waqar Azim, Hakim Habib Ashar, Mazhar Ansari Dehlvi, Dr. Shafiq ur-Rehman, Syeda Nasim Hamdani, Ibrahim Khaliq, Dr. Nazir Ahmad, Professor Hassan Askari, Sher Muhammad Akhtar, Musharaf Ansari, Dr. Burhan Ahmad Farooqi and Shahid Ahmad Dehlvi.

Maqbool's autobiography includes some letters

Marfat.com

from writers and intellectuals in a separate chapter in 95 pages. Important names are Mirza Adeeb, Mushfiq Khwaja, A. Hameed, Ghulam Jillani Barq, Dr. Anwar Sadeed, Ada Jafri, Hamid Kashmiri, Mehshar Bidayuni, Syed Qasim Mahmood, Muhammad Saeed, Dr. Waheed Qureshi, Syed Zamir Jafri, Syed Wajid Rizvi, Sattar Tahir, Azra Asghar and many more. These letters indicate the strong bondage Maqbool Sahib has had with the intellectuals of the country. An element of romanticism has been discovered by A. Hameed in Maqbool's writings that he states has not been exhibited openly in his writings but is visible in a discreet manner.

As a literary genre, an autobiography means narrating the story of one's own life as has been done by Malik Maqbool in "*Safar Jaari Hei*". It is different from biography which means a description of the life of a particular individual by somebody else. From the point of view of psychonalysis, autobiography is also the story that is told by the patient in many sessions to a doctor and to himself. The history of writing autobiography has been turbulent. It started as a from of confession, for example that by Saint Augustine. The Western literature have however classics such as Xenophon's *Anabasis and* Julius Caesar's Gallic wars. These autobiographies were written much before the discovery of the science of psychonalytic of the unconscious. It was Freud who wrote his autobiography *An Autobiographical study* where in he wrote his own life story and tried to merge it with that of the creation of psychonalysis though he disagreed that persons who writes autobiographies are not telling truth. It is wondered as to his own one was hypocritical or a true

Marfat.com

one. The simplicity of expression and the views of the people close to Malik Maqbool Ahmad indicate an element of truth while we go through his autobiography. One has to go through, especially the younger generation, this autobiography to see as to how with continues struggle one can achieve success in one's life, both professional one as well as the personal one. This scribe has witnessed the fact that Malik Maqbool has also got himself educated through the untraditional means as well, through experience and through the company of the literate ones.

Marfat.com

محترمہ امینہ عنبرین

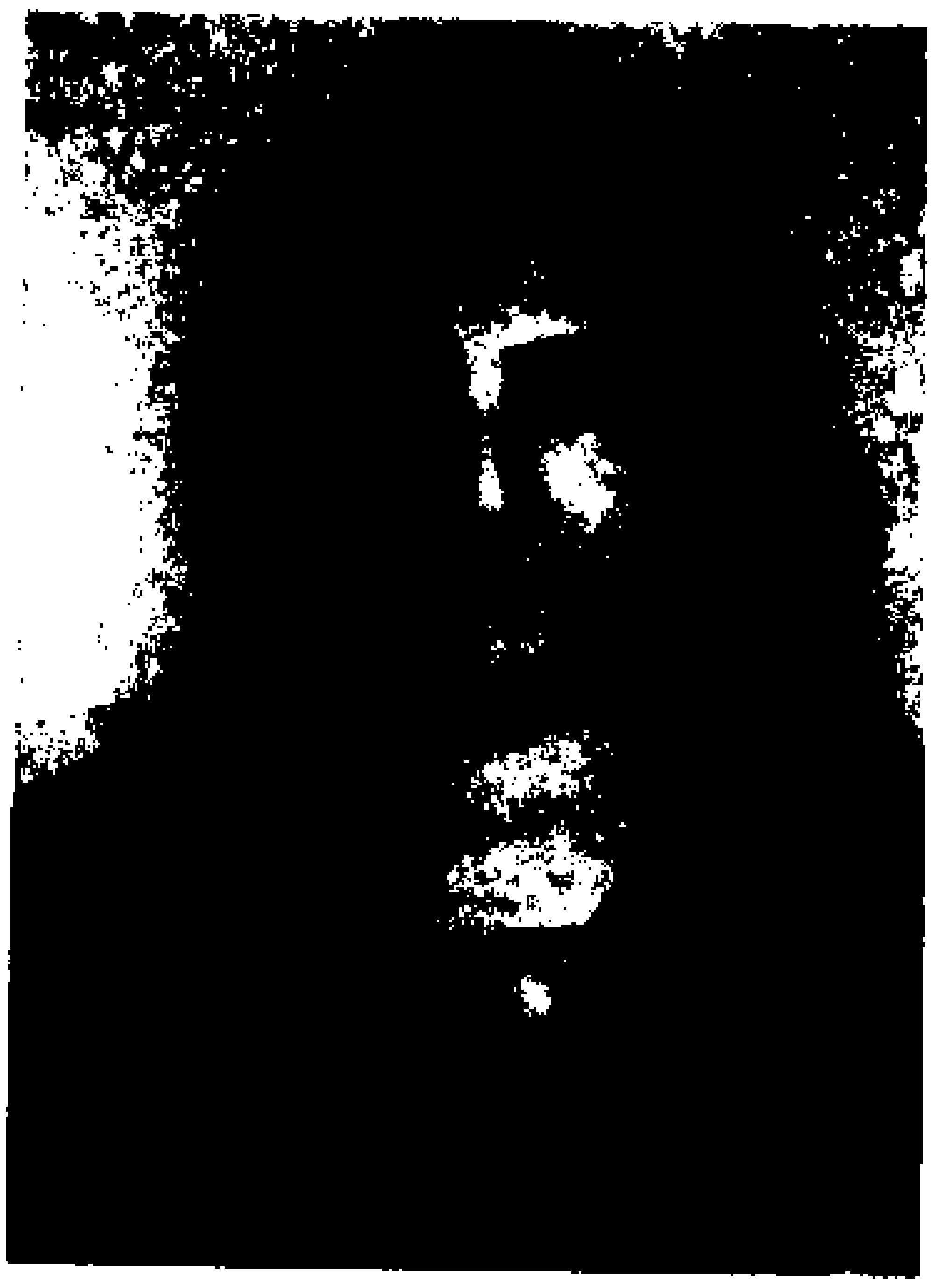

امینہ عنبرین نے ادب میں اپنا مقام اپنی محنت سے بنایا اور ادبی معاشرے میں بے پناہ عزت حاصل کی۔اب وہ معروف ادیبہ ہیں۔ان کا اصل نام امینہ صابرہ ہے۔ وہ 6 اپریل 1949ء کو گوجرانوالہ میں پیدا ہوئیں۔بچپن ساہی وال میں گزارا اور یہیں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔اس دوران انہیں کلاسیکی شعرا اور نامور افسانہ نگاروں کی تخلیقات پڑھنے کا موقعہ ملا تو ان کے باطن میں شاعری اور افسانہ نگاری کا شوق پیدا ہو گیا۔ان کے وسیع مطالعے نے ان کی رہنمائی کی اور وہ ملک کے نامور رسائل میں چھپنے لگیں۔ان رسائل میں تخلیق، سیپ اور نیرنگ خیال شامل ہیں۔

امینہ عنبرین نے 1972ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے جرنلزم کیا۔اور پھر صحافت کی طرف آ گئیں۔تو اخبار ''کوہستان'' میں خواتین کے روزانہ ایڈیشن کی انچارج مقرر کی گئیں۔انہوں نے خواتین کو روشن خیال اور کشادہ نظر بنانے کے لیے متعدد مضامین لکھے اور ''کوہستان'' کو خواتین کا پسندیدہ اخبار بنا دیا۔

امینہ عنبرین کی شادی 1975ء میں ملک کے نامور ادیب، مترجم، مصنف اور صحافی مقبول جہانگیر کے ساتھ ہوئی۔اس کے بعد دس برس تک انہوں نے ایک ذمہ دار خانہ دار خاتون کے فرائض انجام دیئے اور خوشگوار عائلی زندگی بسر کی۔مقبول جہانگیر 1985ء میں وفات پا گئے تو امینہ عنبرین نے روزنامہ ''جنگ'' میں جاب شروع کر دی جو اب تک جاری ہے۔اس دوران انہوں نے اخبار کے مختلف ایڈیشنوں میں کام کیا اور اپنی صلاحیتوں کا سکہ منوایا۔

امینہ عنبرین نے ''سفر جاری ہے'' کو ایک سادہ اور سچی آپ بیتی قرار دیا ہے۔میں ان کے تبصرے پر ان کا ممنون ہوں۔

Marfat.com

امینہ عنبرین

ایک سادہ سچی آپ بیتی ''سفر جاری ہے''

ادب میں جب کوئی نئی آپ بیتی چھپ کر آتی ہے، تو تہلکہ سا مچ جاتا ہے سب کو کُرید لگتی ہے کہ دیکھیں اس میں کتنے عشقوں (جھوٹے سچے) کا احوال ہے۔ ابتدا مردوں کی آپ بیتیوں سے ہوئی (خصوصاً اُردو زبان میں) پھر خواتین نے بھی مساوی حقوق کی مانگ کے شوق میں یہاں بھی برابری حاصل کی اور بے دھڑک اپنے واقعات اور وارداتوں کو بیان کرنا شروع کر دیا۔ پڑھنے والے نقاد اور تجزیہ نگار ابھی تک فیصلہ نہیں کر پائے، کہ کس نے کتنا سچ کہا ہے۔

ان دنوں ایک نئی آپ بیتی نے ادبی حلقوں میں دھوم مچا رکھی ہے۔ تبصروں میں اس کا ذکر، محفلوں میں اس کا بیان اور کالموں میں اس پر اظہار۔ یہ آپ بیتی ملک مقبول احمد کی ''سفر جاری ہے'' کے عنوان سے آئی ہے اور بلا تعصب ہر طرف سے داد پائی اور تحسین سمیٹی ہے۔ حیرت کی بات ہے نہ اس میں عشق کا تڑکا ہے نہ کوئی اور چسکا۔ اس کے برعکس یہ اپنی سادگی اور خالصتاً سچائی کی وجہ سے پسند کی جارہی ہے۔

ہمارے مرد معاشرے میں عشق کا نام اور بے معنی الزام لینا ایک فیشن بن گیا ہے کوئی عورت کسی کے پاس دامن جھٹک کر یا آنچل سمیٹ کر گزر جائے تو خوش فہم مرد اسے عشق کی ابتدا ہی نہیں، انتہا مان لیتے ہیں اور پھر اس کا اِدھر اُدھر ذکر کرنا اپنا فرضِ اوّلین سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی مردانگی کا دعویٰ اور اپنی خود پسند خوبصورتی کا اعلان ہوتا ہے۔ ایمان کی بات ہے

Marfat.com

ایسے بدشکلوں کی آنکھوں سے چیپڑ بھی نہیں پونچھے ہوتے۔ ہمارے ایک ایسے ہی خوش فہم ادیب اور ہر روز اپنے اٹھارہ انیس بیک وقت چلنے والے عشقوں کی روداد سنانا نہیں بھولتے۔ ساتھ کھلے لفظوں میں یہ یاددہانی بھی کرواتے ہیں کہ جوش نے تو اپنے سترہ عشق تحریر کئے تھے ہم نے اسے بھی مات دے دی ہے۔ ان موصوف کے سارے کے سارے عشق بس سٹاپ سے شروع ہو کر وہیں ختم ہو جاتے ہیں۔ جس موصوفہ سے یہ گزشتہ چار پانچ برس سے عشق فرما رہے ہوتے ہیں، اسے تو کیا خود انہیں بھی اس کا نام اور مقام کا پتہ نہیں ہوتا۔ کلام تو کیا سلام تک نہیں ہوا ہوتا۔ مگر جب یہ داستان سناتے ہیں تو اس میں اپنے خیالات کے علاوہ اس مفروضہ محبوبہ کے بھی پورے مکالمے شامل ہوتے ہیں۔

ملک مقبول احمد نے اسی بھرے پُرے شہر میں اپنی زندگی گزاری ہے۔ کتابیں چھاپنے سے پہلے ایک رسالے کے مدیر و ناشر بھی رہے۔ زندگی میں مواقع تو آئے ہوں گے مگر انہیں والدین کی تربیت اور ذاتی شرافت نے صرف اور صرف کاروبار ہی میں غرق رکھا۔ اِدھر اُدھر دیکھا بھی تو انسانیت کے حوالے اور کسی کی معاونت کے خیال سے۔ ملک مقبول نے نہ اپنی غربت کو عیب سمجھا نہ اپنے محنت کے دنوں کا ذکر کرنے میں عار محسوس کی ہے۔ جو جو مشکلیں آئیں، جیسی جیسی رکاوٹیں کھڑی ہوئیں، انہیں سچائی سے بیان کر دیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایک یہ کمپلیکس بھی ہے کہ اگر کوئی غربت کی دلدل سے اپنی محنت اور دیانت سے نکل کر خوش حالی کی سطح پر آ کھڑا ہوتا ہے تو وہ پرانے دنوں کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور یہی تاثر دیتا ہے وہ ہمیشہ سے خوشحال تھے۔ زمانے کے نشیب و فراز نے ان کا کچھ نہیں بگاڑا۔ اپنی دانشمندی سے انہوں نے سب کچھ سنوارا ہے۔

''سفر جاری ہے'' میں آپ کو ایک سادہ منش کی داستان...... جو مرچ مسالہ لگائے بغیر ہر واقعے کو اس کے اصل روپ میں بیان کر رہا ہے۔ اسے کوئی احساسِ کمتری نہیں اور دنیا داری کے ناتے سے بہت کچھ پا لینے کے باوجود کوئی احساسِ برتری بھی نہیں، بے جا

Marfat.com

تفاخر اور بے مقصد غرور بھی نہیں۔

''سفر جاری ہے'' کی مقبولیت کی اصل وجہ اس کی سادگی، معصومیت اور سچا کھرا اظہار ہے جن لوگوں نے انہیں کاروباری نقصان پہنچایا، ان کا نام بھی نہیں اچھالا۔ اگر کسی نے بھلائی کی ہے تو اسے مسرّت سے بیان کیا ہے۔ اپنے والدین خصوصاً والدہ کی دعاؤں اور اپنے بچوں کی فرماں برداری ان کی زندگی کا سرمایہ اور عمر بھر کا اثاثہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر کام میں برکت دی ہے اور اپنی پہلی ہی کتاب نے انہیں معروف لکھنے والوں کی فہرست میں شامل کر دیا ہے۔ یہ انسان کی نیک نیتی، اس کے ضمیر کی صفائی اور قلب کی پارسائی کا انعام ہے۔ ادیبوں کی کتابیں چھاپتے چھاپتے اب خود ادیب بن جانے کا تجربہ یقیناً ان کے قلم کو اور جولانی دے گا اور سفر بے ساختگی سے جاری رہے گا۔

Marfat.com

جناب ڈاکٹر انور سدید

ڈاکٹر انور سدید دیہات کے پس منظر سے ابھرے اور اپنی داخلی لگن سے ادب کے بلند ترین مقام پر پہنچ گئے۔ اور اب اردو تنقید کے مردِ آہن شمار ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید کا پورا نام محمد انوار الدین ہے۔ وہ 4 دسمبر 1928ء کو میانی ضلع سرگودہا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سرگودہا اور ڈیرہ غازی خان کے مدرسوں میں حاصل کی۔ میٹرک میں فرسٹ ڈویژن میں سکول میں اول درجہ پایا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہوئے تو تحریک پاکستان شروع ہو چکی تھی۔ وہ کالج کے طلبا کے ساتھ مسلم لیگ کے امیدواروں کی پروپیگنڈہ مہم پر نکل پڑے اور ایف ایس سی کا امتحان نہ دے سکے۔ بعد میں مقابلے کا امتحان پاس کر کے انجینئر نگ کالج رسول میں داخل ہوئے اور سول انجینئر نگ میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔ عملی زندگی محکمہ اری گیشن میں سب انجینئر کی ملازمت سے شروع کی لیکن نا آسودگی محسوس کی تو ڈھاکہ انسٹی ٹیوٹ آف انجینئرز سے اے ایم آئی ای کی ڈگری لی۔ آپ ساٹھ سال کی عمر میں ایگزیکٹو انجینئر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

ڈاکٹر انور سدید نے بعد میں تعلیمی مرحلے پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت میں طے کئے۔ ایم اے اردو میں پنجاب یونیورسٹی میں اول آئے اور دو طلائی تمغے حاصل کیے۔ ''اردو ادب کی تحریکیں'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اب تک کم و بیش پچاسی کتابیں تصنیف و تالیف کر چکے ہیں۔ انہیں ''اردو میں حج کے سفر نامے'' پر نقوش ایوارڈ، اردو ادب کی تحریکیں پر ہجرہ ایوارڈ، ''اقبال کے کلاسیکی نقوش'' پر گلڈ ایوارڈ اور بہترین کالم نگاری پر اے پی این ایس ایوارڈ مل چکا ہے۔ تخلیق، اوراق، چہارسو، جدید ادب، روشنائی اور کوہسار جرنل میں ان پر گوشے چھپ چکے ہیں۔ سجاد نقوی صاحب نے ان پر ایک کتاب ''گرم دمِ جستجو'' مرتب کی ہے۔ انور سدید ریٹائرمنٹ کے بعد صحافت میں آ گئے تھے اور ان دنوں نوائے وقت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ان کی متعدد کتابوں کو اولیات کا درجہ حاصل ہے۔ انور سدید نے ''سفر جاری ہے'' کا پیش لفظ لکھا اور بعد میں ''نوائے وقت'' میں ''ادب نامچہ'' رقم کیا۔ میں ان کا شکر گزار ہوں۔

Marfat.com

ڈاکٹر انور سدید

کتابوں کے ایک ناشر کی آپ بیتی

میرے ایک مرحوم دوست کہا کرتے تھے کہ خود نوشت سوانح عمریاں بالعموم نمائشِ ذات کے لیے لکھی جاتی ہیں اور ان میں زندگی کے ان حقائق کو چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے، جن کا تحریری سامنا مصنف نہیں کرسکتا۔ تاہم بعض آپ بیتیاں ایسی بھی ہوتی ہیں، جن میں مصنف ماضی کے واقعات کی بازیافت کرتا ہے تو حق گوئی اور صداقت بیانی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ میں نے ان دنوں دو آپ بیتیاں ایسی پڑھی ہیں، جن میں مجھے سچ کہنے اور لکھنے کے عناصر زیادہ نظر آئے۔ ایک کا نام ''فردِ حیات'' ہے جو حکومت پاکستان کے ایک سابق اعلیٰ افسر جناب اے کے خالد، کی تصنیفِ لطیف ہے۔ دوسری کتاب ملک کے ایک ناشر ملک مقبول احمد کی آپ بیتی ہے جو ''سفر جاری ہے'' کے عنوان سے شائع ہوئی ہے۔ حکومت کے سابق افسروں کی متعدد آپ بیتیاں چھپ کر قبولِ عام حاصل کر چکی ہیں لیکن کسی ''کتاب ساز'' کی یہ آپ بیتی پہلی دفعہ نظر سے گزری تو میں نے اسے بڑی دلچسپی سے پڑھا اور اس کی بنیادی اہمیت یہ بھی نظر آئی کہ اسے ڈاکٹر صفدر محمود، علی سفیان آفاقی، اے حمید، شعیب بن عزیز، طارق اسماعیل ساگر، ڈاکٹر طارق عزیز، سید واجد رضوی، ابوالامتیاز ع س مسلم، ڈاکٹر اللہ بخش ملک اور قمر نقوی نے نہ صرف

Marfat.com

سراہا ہے بلکہ ملک مقبول احمد کی کتاب دوستی اور ادیب نوازی کی تحسین بھی کی ہے۔
آخری بات میں نے اس لیے لکھی ہے کہ بعض مصنفین کاروباری معاملات میں اکثر
ناشرین کی شکایت کرتے اور ان پر ''وعدہ خلافی'' کے الزامات عائد کرتے ہیں۔
اس زاویے سے ملک مقبول احمد خوش قسمت ناشر ہیں کہ ان کے کاروباری اخلاق کی
سب نے تعریف کی اور ''نوائے وقت'' جیسے نظریاتی اخبار نے تو یہ بھی لکھا کہ ''
مقبول اکیڈمی کا قبلہ درست ہے''۔

کتاب ''سفر جاری ہے'' کا پہلا حصہ روایتی قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس میں
ہمیں ایک عام پاکستانی لڑکے کی زندگی کے حالات اس کا خاندانی پس منظر،
گرد و پیش کا ماحول اور زمانے کے نامساعد ردِ عمل کی تفصیل باریک ترین جزئیات
کے ساتھ ملتی ہے۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ جس لڑکے کو اس کا والد پٹواری بنانا
چاہتا تھا، وہ پہلے دور میں تعلیم کی طرف راغب ہی نہ ہوا اور پھر اپنی معمولی تعلیم کی
اساس پر ایک سکول میں ''ٹیچر'' بن گیا۔ معلّمی کے اس پیشے کے دوران میں ہی اس
کے دل میں شوقِ صحافت جاگا اور اس نے سیالکوٹ سے لاہور منتقل ہو کر رسالہ
''چودھویں صدی'' جاری کیا۔ کامیابی نہ ہوئی تو اس نے کتابوں کی اشاعت کی
طرف توجہ دی زندگی کی اس نئی راہ میں ملک مقبول احمد کی رہنمائی رئیس احمد جعفری
اور احسان دانش نے کی۔ کتابِ تجارت کے رموز و اسرار اس نے لاہور کی کتاب
منڈی سے سیکھے، دیانت اور امانت کو اپنا اصولِ حیات بنایا اور پھر وہ کامیابیاں
حاصل کیں جو ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتیں۔

آپ بیتی ''سفر جاری ہے'' کا یہ حصہ اپنے ماضی کو بازیافت کرنے کی
کاوش ہے۔ ملک مقبول احمد نے اس حصے کی حقیقت کو سادگی اور صداقت سے پیش کر
دیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پیشہ ور مصنف نہیں ہیں۔ اس آپ بیتی سے وہ

Marfat.com

لوح جہاں پر اپنے کارناموں کا نقش کندہ کرنے کے آرزومند بھی نہیں بلکہ یہ آپ بیتی انہوں نے اپنے پوتے، پوتیوں اور نواسیوں کی ایک معصوم خواہش کی تعمیل میں لکھی ہے، جنہیں وہ کہانیاں سناتے سناتے اپنی زندگی کے واقعات بھی بتا دیتے۔ ان کو سن کر بچوں نے تقاضا کیا:

''آپ اپنی زندگی کی ساری کہانی ایک کتاب کی صورت میں لکھیں۔''

اور ان کا یہ عذر ماننے سے انکار کر دیا: ''یار! میں کوئی ادیب یا قلم کار نہیں ہوں۔ مجھے لکھنے کا فن بھی نہیں آتا''۔ بظاہر یہ آپ بیتی بچوں کی معصوم خواہش کی تعمیل میں لکھی گئی ہے لیکن اب تسلیم کرنا پڑے گا کہ ملک مقبول احمد کے باطن میں ایک ادیب موجود تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر صفدر محمود نے مسودے کی ورق گردانی کے فوراً بعد کہا:

''ملک صاحب صرف کتابیں چھاپتے ہی نہیں بلکہ کتابیں ان کے اندر بھی بستی ہیں اور وہ پبلشر ہونے کے باوجود کتابوں سے محبت کرتے ہیں...... ان کا اسلوب نہایت دلچسپ ہے۔ ان کی زبان و بیان اور طرزِ تحریر پر ادبی رنگ غالب ہے۔ جو ان کے اعلیٰ ادبی ذوق کی عکاسی کرتا ہے۔ اس حوالے سے یہ کتاب سوانح عمریوں میں ایک اہم اضافہ ہے۔''

اس اقتباس کے بعد مزید کچھ کہنے کے لیے کوئی بات رہ نہیں جاتی لیکن میں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کتاب میں ملک مقبول احمد نے متعدد ادیبوں کا تذکرہ جس خلوص اور محبت سے کیا ہے، وہ ان کی ادیب دوستی کا ثبوت ہے۔ انہوں نے ہر ادیب کے بارے میں اپنا تاثر چند جملوں میں پیش کیا ہے۔ آپ اسے ملک مقبول احمد کی خاکہ نگاری سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ کتاب کے دوسرے حصے میں ایک باب ''وکھری ٹائپ کے لوگ'' کے عنوان سے شامل ہے۔ اس میں ''جگ بیتی'' کا تاثر موجود ہے۔ مقبول اکیڈمی سے ربط و تعلق رکھنے والے ادیبوں کے خطوط اس کتاب کا

Marfat.com

قیمتی تاریخی سرمایہ ہیں۔ جنہیں نوادر میں شمار کیا جائے گا۔ مجھے اس کتاب میں ناشر اور ادیب ''دوشد'' نہیں بلکہ ''یک شد'' محسوس ہوئے ہیں اور ملک مقبول احمد پاکستان کے ادیبوں کی اس محفل میں عجز وانکسار کا مجسمہ نظر آئے ہیں اور وہ ژاں ژوک روسو کے الفاظ میں ''خود کو اسی طرح ظاہر کر رہے ہیں جیسے وہ ہیں۔''

(روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ 2 فروری 2007ء)

Marfat.com

ڈاکٹر انور سدید

سفر جاری ہے

میں نے ملک مقبول احمد کی آپ بیتی ''سفر جاری ہے'' پڑھی تو مجھے پہلی دفعہ احساس ہوا کہ ہر انسان جو اپنے آپ کو معمولی سمجھتا ہے، دراصل غیر معمولی ہوتا ہے۔ وجہ یہ کہ وہ اپنی زندگی کے عام حالات میں بھی اکثر اوقات ایسے واقعات کا سامنا کرتا ہے، جن سے دوسرے لوگوں کو کبھی واسطہ ہی نہیں پڑتا۔ چنانچہ زندگی کا افسانہ ترتیب پانے لگتا ہے تو وہ دوسرے لوگوں کی زندگیوں کے افسانے سے مختلف ہوتا ہے اور لوگ اسے دلچسپی سے پڑھتے ہیں کیونکہ اس میں بالعموم سچی کہانی کے عناصر موجود ہوتے ہیں اور معمولی بھی غیر معمولی نظر آنے لگتا ہے۔

میں نے ملک مقبول احمد کی زندگی کے واقعات پہلے مسودے کی صورت میں پڑھے۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ میں نے انہی دنوں حمیدہ اختر حسین رائے پوری کی آپ بیتی ''ہم سفر'' اور سعیدہ بانو احمد کی خودنوشت ''ڈگر سے ہٹ کر'' پڑھی تھی۔ یہ دونوں خواتین باضابطہ اعتبار سے ادب میں تعلق نہیں رکھتیں۔ یعنی نہ انہوں نے کبھی شاعری کی، نہ افسانہ یا انشائیہ لکھا لیکن جب اپنی یادوں سے اپنی سوانح عمری برآمد کی اور اسے لفظی پیکر عطا کر کے کاغذ کی سطح پر پھیلا دیا تو یہ آپ بیتیاں اتنی مقبول ہوئیں کہ متعدد اعلیٰ پائے کے ادیبوں نے ان کی تحسین کی۔ میرے خیال میں وجہ

Marfat.com

صرف یہ تھی کہ حمیدہ اختر حسین رائے پوری اور سعیدہ بانو احمد نے آرائشِ ذات کے لیے دروغ بیانی کرنے کی بجائے سچ اور صرف سچ کو اہمیت دی تھی اور اپنی زندگی کی گرہیں اس طرح کھولی تھیں کہ واقعات کی صداقت آشکار ہوتی چلی گئی۔ فرانس کے شہرہ آفاق فلسفی ژاں ژوک روسو نے اپنی آپ بیتی لکھی تو کہا:

''میں نے ہر بات پوری آزادی اور سچائی سے بیان کی ہے۔ نہ میں نے کوئی جرم چھپایا ہے اور نہ ہی اپنے آپ میں کسی خوبی کا اضافہ کیا ہے..... میں جیسا تھا خود کو دوسروں پر ویسا ہی ظاہر کیا ہے۔''

ملک مقبول احمد نے بھی اس '' آپ بیتی '' میں خود کو ویسا ہی ظاہر کیا ہے جیسے وہ کبھی تھے۔ اس آپ بیتی سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا بچپن ایک گاؤں میں گزرا۔ ٹاٹ کے سکولوں میں داخل ہوئے، تعلیم میں دلچسپی کم تھی، کھیل کود میں شرکت کے لیے گھر سے بھاگ جاتے اور اپنے ایک ہندو دوست کے ساتھ باغوں کی سیر کرتے اور مالی کی نظریں بچا کر پھل توڑ کر مزے لے لے کر کھاتے۔ میلے میں جاتے، نوٹنکیاں دیکھتے، حسنِ دلنواز اور جنسِ لطیف پر نظر پڑتی تو ریشہ خطمی بھی ہو جاتے، لیکن خوبی کی بات یہ کہ جوش ملیح آبادی کی طرح اس کتاب کو '' یادوں کی برات'' نہیں بننے دیا۔ نہ اپنی جنسی فتوحات بیان کی ہیں، حالانکہ وہ بابا خیرو کی لڑکی کا اور شہناز اور شمشاد کا ذکر بھی کرتے ہیں اور انہیں وہ، زوردار تھپڑ بھی یاد ہے جو محلے کی عورتوں کی تانک جھانک نہ کرنے کے باوجود انہیں سہنا پڑا۔

والد پولیس میں ملازم تھے لیکن اپنے بیٹے مقبول کو پٹواری بنانا چاہتے تھے جس میں ناجائز یافت زیادہ تھی، رشوت عام تھی، لیکن مقبول صاحب نے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا اور سکول ٹیچر بن گئے۔ دل میں کوئی بڑا کام کرنے کی لگن تھی، اس لیے رسالہ '' چودھویں صدی '' نکال لیا، جس میں ایک فراڈ فرم کا ایک انعامی سکیم کا

Marfat.com

اشتہار چھپتا تھا۔ اس اشتہار کی وجہ سے انہیں جیل یاترا بھی کرنی پڑی، لیکن اگلے روز ضمانت ہوگئی۔ اب انہوں نے لاہور سے ''چودھویں صدی'' جاری کیا جس کے لیے گورنر مغربی پاکستان اختر حسین نے پیغام بھیجا لیکن یہ رسالہ اُن کا کفیل نہ بن سکا اور وہ کتابوں کی اشاعت کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اس کاروبار میں بیوی کا زیور بھی بک گیا، لیکن پھر قدرت نے دن پھیر دیے۔ ان کی مدد رئیس احمد جعفری اور احسان دانش نے کی۔

''آزادیٔ ہند'' چھاپی ''تمدّن عرب'' ''سیرت ابنِ ہشام'' اور ''عبرت نامۂ اندلس'' نے ان کے کاروبار کو کروٹ دی۔ مکتبہ فرینکلن کے ڈائریکٹر مولانا حامد علی خان نے سرپرستی کی اور ان سے کئی کتابیں چھپوائیں، ادب کی دنیا میں ان کا نام مقبول ہوگیا۔ اب لاہور میں مقبول بکس کی ایمپائر قائم ہے، لیکن مقبول احمد کا سفر جاری ہے حالانکہ اب اس کاروبار میں اُن کے دو بیٹے اور داماد بھی شامل ہوگئے ہیں اور ایک دکان سے کئی دکانیں بن گئی ہیں۔

میں نے یہ کتاب مسوّدے کی صورت میں پڑھی تھی اور اس کا پیش لفظ لکھا تو حیرت ہوئی کہ ادیبوں کی صحبت میں وہ خود بھی ادیب بن گئے تھے۔ اس کتاب میں مجھے ادب کے تمام قرینے نظر آئے۔ یہ ''غربت سے امارت'' کی اور اپنی زندگی خود بنانے کی داستان ہے۔ کتاب چھپ کر آئی تو میری حیرت مزید دبیز ہوگئی، اب اس میں ملک صاحب نے ''جگ بیتی'' بھی شامل کر دی تھی۔ انہوں نے ادیبوں کے چھوٹے چھوٹے خاکے اور ان کی تصویریں بھی کتاب میں شامل کیں۔ ایک باب میں ''وکھری ٹائپ'' کے لوگوں کا ذکر کیا۔ یہ باب عبرت انگیز ہے کیونکہ اس میں ان ادیبوں کا ذکر ہے، جو وعدے اور معاہدے کی پابندی نہیں کرتے۔ ادیبوں کے ذاتی خطوط سے ملک مقبول کے ساتھ ادیب خود بھی منعکس ہوتا ہے۔ ان کی شائع کی ہوئی

Marfat.com

کتابوں پر تبصرے ان کے اشاعتی مزاج کی نشاندہی کرتے اور ان کے معیارِ ادب کو سامنے لاتے ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جس ادیب کا ان سے ایک دفعہ رابطہ ہوا، پھر وہ زندگی بھر کے لیے ان کا دوست بن گیا۔ غلام جیلانی برق، ڈاکٹر صفدر محمود، اے حمید، علی سفیان آفاقی، حفیظ تائب، طارق اسماعیل ساگر، ڈاکٹر وحید قریشی، عبدالعزیز خالد، عذرا اصغر، ادا جعفری، اظہر جاوید، ظفر علی راجا، حمید کاشمیری اور دوسرے بے شمار ادیب اب ان کی دوستی، دیانت، محبت اور حسنِ سلوک کے تار میں بندھے ہوئے ہیں۔

میری رائے میں اُردو کے کسی ادبی ناشر کی یہ پہلی آپ بیتی ہے، جس میں آپ بیتی نگار نے اپنی سادہ زندگی کو انکسار اور صداقت سے پیش کر دیا ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں زیبِ داستان سے کام نہیں لیا گیا لیکن اس میں افسانے جیسی لطافت موجود ہے۔ بلاشبہ ملک مقبول احمد کو مشکلات اور حادثات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن انہوں نے صداقت، دیانت اور امانت کے اصولوں کو قائم رکھا۔ خود محنت کی اور نتائج خدا پر چھوڑ دیے۔ ''وکھری ٹائپ'' کے لوگوں نے انہیں ذہنی اور جذباتی صدمے پہنچانے کی کوشش کی اور یہ تصور بھی کیا کہ وہ ان کی کتابوں کے بارے میں صحیح معلومات فراہم نہیں کر رہے۔ رائلٹی کے سلسلے میں طے شدہ معاملات پر عمل نہیں کر رہے، لیکن کمال کی بات یہ ہے کہ اس قسم کا موقع پیدا ہوتا تو غلط فہمی رفع کرنے کی کوشش کرتے اور اپنے رجسٹر اور حساب کتاب کی کاپیاں اس شخص کے سامنے رکھ دیتے۔ ''وکھری ٹائپ'' کے لوگوں کو شرمندہ کر دیتے۔ اس کتاب میں انہوں نے کمالِ فن سے یہ احتیاط برتی ہے کہ دلوں کے آبگینوں کو ٹھیس نہیں لگنے دی اور واقعات کا ذکر تو کر دیا ہے لیکن کسی شخص کا نام نہیں لکھا۔

ملک مقبول احمد میرے بھی ناشر ہیں۔ مجھے ان سے اظہر جاوید نے

Marfat.com

متعارف کرایا تھا۔ میری متعدد کتابیں انہوں نے شائع کی ہیں۔ لیکن کاروباری امور میں کبھی فرق نہیں آنے دیا۔ ہر سال کم از کم میری ایک کتاب چھاپنے کی پابندی پر قائم ہیں اور غریب خانے پر تشریف لاتے ہیں تو بچوں کے لیے کیک ضرور لاتے ہیں اور جاتے ہیں تو زرِ نقد کا لفافہ چھوڑ جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس دیانت دارانہ عمل نے ہی ان کے کاروبار میں برکت ڈالی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اچھی نیت کا شیریں ثمر دیا ہے۔

اس کتاب کو ناول کی طرح پڑھا جا سکتا ہے اور ثابت یہ بھی ہوتا ہے کہ ''عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی!''

ڈاکٹر صفدر محمود، علی سفیان آفاقی، ڈاکٹر طارق عزیز، اے حمید، شعیب بن عزیز، طارق اسماعیل ساگر، قمر نقوی، ڈاکٹر اللہ بخش ملک، قاضی ذوالفقار احمد، ع۔س مسلم اور سید واجد رضوی نے پیش الفاظ لکھے ہیں۔ ان کے ادارے کی ایک کتاب پر تبصرہ ''نوائے وقت'' میں چھپا تو لکھا گیا کہ ''مقبول اکیڈمی کا قبلہ راست ہے'' مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب دلچسپی سے پڑھی جائے گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض تنگ نظر اصحاب اس کو حسد کی نظر سے دیکھیں۔ دونوں صورتوں میں ملک مقبول احمد مبارک باد کے مستحق ہیں۔

(ہفت روزہ ندائے ملت لاہور۔)

یکم تا 7 مارچ 2007ء

ماہنامہ اردو بک ریویو، نیو دہلی (بھارت)

جولائی تا ستمبر 2007ء

Marfat.com

جناب انیس یعقوب

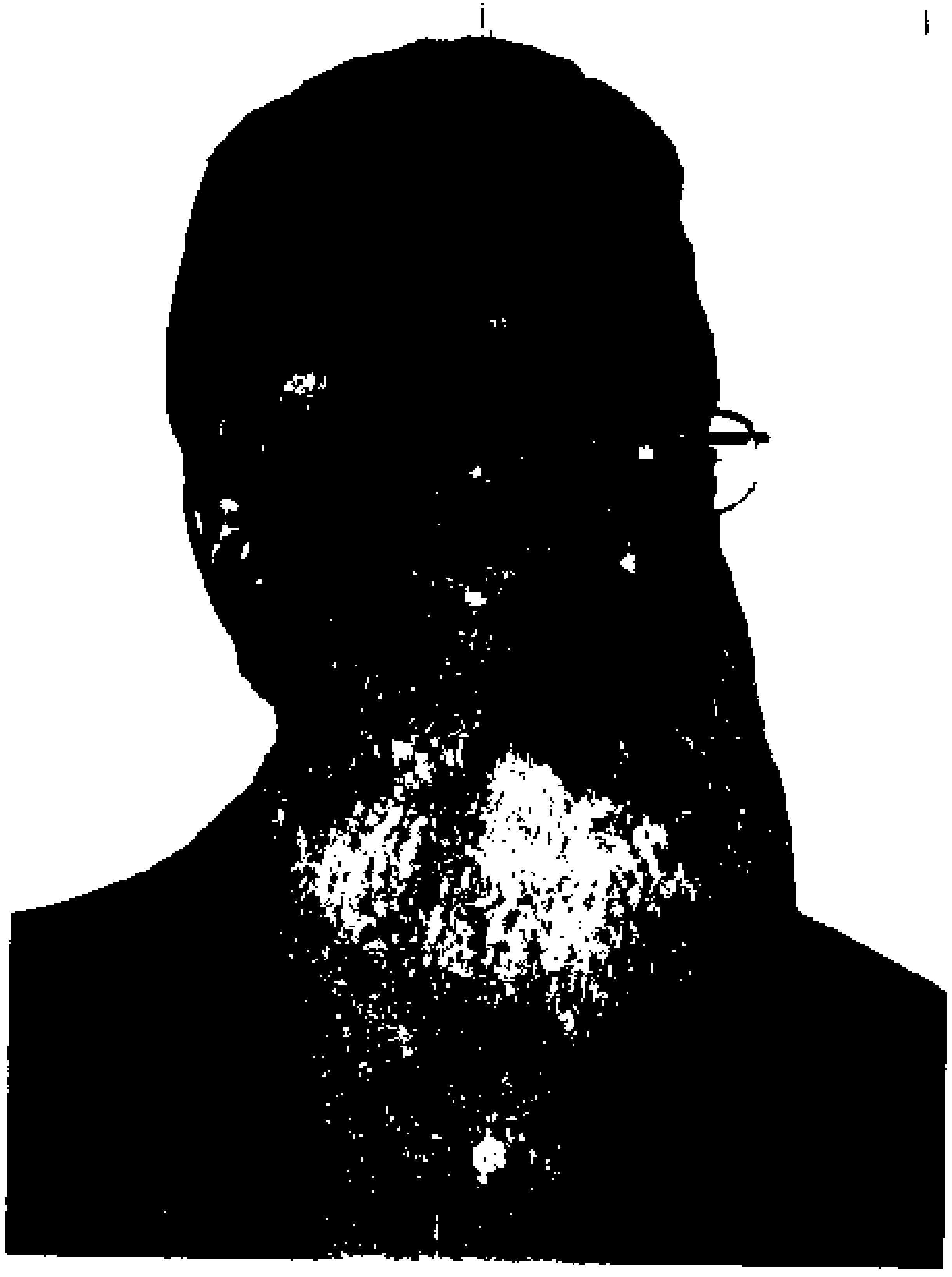

انیس یعقوب مقبول اکیڈمی کے کام میں میرے معاون ہیں، میرے دستِ راست ہیں۔ کتاب چھپ جاتی ہے تو انیس یعقوب کا موقلم اور تخلیقی ذہن سرورق کو آراستہ کر دیتا ہے۔ ان کا بنایا ہوا سرورق چشمِ خریدار میں محبت کی پہلی کرن بیدار کر دیتا ہے، لیکن انیس یعقوب پس پردہ رہتے ہیں۔

وہ 1957ء میں آزادی کے مہینے میں پیدا ہوئے، اس دوران ان کے عزیزواقارب کینیڈا اور امریکہ جا کر آباد ہو گئے۔ لیکن انیس یعقوب کو اپنے وطن کی مٹی سے پیار ہے۔ وہ اپنے دوستوں کی محبت کے اسیر ہیں، اس لئے پاکستان میں مقیم ہیں۔ ایک دفعہ بھارت گئے تھے، کہ مسلمانوں کے شوکت رفتہ کے آثار کی زیارت کر لیں، لیکن وہاں جاتے ہی اداس ہو گئے اور وطن لوٹ آئے۔

علم کا حصول ان کی زندگی کا مقصد اولیٰ ہے، ادب ان کا شوق ہے۔ متعدد ادبی رسائل میں کام کر چکے ہیں اور ان دنوں ''سمٹ انٹرنیشنل'' کے نام سے قائم ایک ادارے سے وابستہ ہیں، جو ایڈورٹائزنگ، ڈیزائننگ، پرنٹنگ اور پبلشنگ کا کام کرتا ہے۔

انیس یعقوب صوفی منش، درویش مزاج، اللہ کے نیک بندے ہیں۔ ان کی ظاہری صورت ان کی داخلی سیرت کا آئینہ ہے، ان سے ملنے والا پہلی نظر میں ہی متاثر ہو جاتا ہے۔ اور عقیدت سے ان کے سامنے جھک جاتا ہے، کہ وہ دعا سے سرفراز کریں۔

Marfat.com

انیس یعقوب

مجھ جیسے اناڑی طالبِ علم کے لیے ایک نامور اور کہنہ مشق پبلشر کے لئے ٹوٹے پھوٹے اور بے ترتیب الفاظ سے تعریفی کلمات ادا کرنا ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے کہ سورج کے سامنے چراغ جلاؤ۔

میری زندگی پر جو شخصیات اثر انداز ہوئیں اور جنہوں نے مجھے وقت کی قدر، نظم و ضبط اور قاعدہ قرینہ سکھایا اُن میں میرے والد مرحوم، فاران فاؤنڈیشن کے ماجد خاور اور حکایت کے بانی ایڈیٹر عنایت اللہ اور مقبول اکیڈمی کے مقبول احمد شامل ہیں۔ میرے سامنے ملک صاحب کی ذات کی بہت سی جہتیں ہیں۔ وہ میرے محسن ہیں، محبّ ہیں، معالج ہیں، میرے اُوپر ان کی مہربانیاں بھی بہت ہیں اور احسانات بھی بہت۔ لیکن لطف کی بات ہے کہ اُن کے احسانات کے بوجھ سے میرا دم گھٹتا نہیں بلکہ جینے میں آسانی پیدا ہوئی ہے۔

پچھلے دنوں ملک صاحب نے اپنی داستانِ حیات ''سفر جاری ہے'' مجھے تحفتاً بھیجی تو ان کی شخصیت کی ایک اور دلچسپ پرت میرے سامنے آئی اور وہ پرت ایک ماہر اور حساس قلم کار کی ہے۔ تعجب ہے کہ انہوں نے طویل عرصے تک اپنے اندر کے زبردست لکھاری کو کیسے مقید رکھا۔

''سفر جاری ہے'' پڑھ کر محسوس ہوا کہ کارخانہ حیات کا سفر اسی کے لئے جاری و ساری ہے جو دانا و بینا ہے، جس کا ذہن بیدار ہے، جس میں کچھ کر گزرنے کا عزم و حوصلہ ہے اور جو زندگی کو بامقصد سمجھتا ہے، بامقصد بنانا چاہتا ہے اور بامقصد بنانا جانتا بھی ہے۔ ورنہ شب و روز تو حیوانات کے لئے بھی رواں دواں ہیں۔ لیکن ان کے لئے زندگی میں وہ

Marfat.com

دلچسپی، رنگینی اور مقصد نہیں جو انسان کی نظر میں ہے، اور پھر انسانوں میں بھی ہر کوئی زندگی کو غور و فکر سے دیکھنے کا عادی نہیں۔ ہر کوئی زندگی سے کچھ اخذ نہیں کرتا اور ہر کوئی زندگی سے ملنے والے اسباق کو گرہ سے نہیں باندھتا اور نہ ہی اس کے نتیجے میں اپنی منزل کا رُخ متعین کرتا ہے۔

ملک صاحب کا سفرِ زندگی کسی ہوائی جہاز کے پائلٹ کا سفر نہیں جو ایک خاص رن وے سے اڑ کر دوسرے مخصوص ہوائی اڈے تک پہنچ جاتا ہے۔ زمین کے حوالے سے جس کا مشاہدہ طائرانہ انداز کا ہے۔ جو زمین پر پھیلی جا بجا دلچسپیوں سے متعلق کچھ نہیں جانتا جو جہاز کو آٹو پائلٹ پر سوئچ کر کے کبھی اُونگھ بھی لیتا ہے جس کی رفتار مشاہدات کے لئے مطلوب رفتار کی نسبت غیر حقیقی ہوتی ہے، اور نہ ہی یہ کسی ٹرین کے ڈرائیور کا سفر ہے جو ایک نا قابلِ تغیر ٹریک یا فکسڈ پاتھ پر اپنی گاڑی کو ایک اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن پر لے کر جاتا ہے اور جو خواہش اور کوشش کے باوجود اپنی ریل کو مقررہ لائن سے بال برابر بھی نہیں ہٹا سکتا۔ یہ ایک عاقل، بالغ اور حقیقت پسند شخص کا سفرِ زندگی ہے جو زمین اور زمین کے باسیوں سے جڑا ہوا ہے۔ جو ارادے اور اختیار کا مالک ہے، جس کے سامنے راہیں کھلی پڑی ہیں، جسے اپنی منزل کا پتہ ہے، جسے خدا پر کامل بھروسہ ہے اور جو اپنی ہمت اور طاقت سے بھی آگاہ ہے۔

''سفر جاری ہے'' ایک متحرک شخص کا احوال ہے جس نے سرد گرم چکھا ہے، جس نے نشیب و فراز دیکھے ہیں، جس کے کانوں نے تلخ و شیریں کلمات سُنے ہیں، جو کچے پکے اور ناہموار رستوں پر یکساں حوصلے سے گزرا ہے، جو اپنی راہ میں آنے والے جان لیوا ''سپیڈ بریکروں'' اور سالم نگل جانے والے ''مین ہولوں'' سے کامیابی سے بچتا ہوا منزل پر پہنچتا ہے۔

''سفر جاری ہے'' کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ملک صاحب نے زندگی

Marfat.com

کے کھیل کو تماشائی بن کر نہیں دیکھا بلکہ میدان میں اتر کر اور بہترین کھلاڑی بن کر کھیلا ہے اور اچھے خاصے پوائنٹس سکور کیے ہیں اور خوب داد بھی سمیٹی ہے۔ ''سفر جاری ہے'' مشعلِ راہ ہوگا میرے جیسے ان بے شمار لوگوں کے لئے جو اپنے زورِ بازو سے کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

میری پُر خلوص دعا ہے کہ ملک صاحب ایک لمبی، صحت منداور مطمئن زندگی گزاریں، اپنی مزید تحریروں سے نوازیں اور ہمارے ساتھ مزید تجربات شیئر کریں۔ ملک صاحب کا سفر ہم سب کا سفر ہے جو جاری تھا، جاری ہے اور جاری رہے گا۔

انیس یعقوب

Marfat.com

جناب اے حمید

ملک کے ممتاز افسانہ و سفر نامہ نگار اور ناول نویس اے حمید اگست 1928 میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ وہ ان خوش قسمت ادیبوں میں سے ہیں جنہیں پہلا افسانہ چھپنے پر ہی شہرت مل گئی تھی۔ رسالہ ''ادب لطیف'' میں ان کا افسانہ ''منزل منزل'' چھپا تو اسے تمام ادبی حلقوں میں پسند کیا گیا اور اے حمید کو اس دور کے مقبول مصنفین کے درجے میں جگہ مل گئی۔ ان کا یہ مقام اب تک قائم ہے۔

اے حمید نے امرتسر کے ایم اے او کالج میں داخلہ لیا تھا کہ اس شہر میں فسادات کی آگ بھڑک اٹھی اور انہیں ہجرت کر کے لاہور آنا پڑا جہاں وہ مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ انہوں نے بعد میں ادیب فاضل اور پھر بی اے پرائیویٹ طالب علم کی حیثیت میں کیا۔

اے حمید کل وقتی ادیب ہیں، انہوں نے اپنی جوانی کے ایام میں ہندوستان، سیلون (سری لنکا) اور برما کی خوب جہاں گردی کی اور اپنے مشاہدات کو سفر ناموں میں سمیٹا۔ ان کے افسانوں کی چار کتابیں چھپ چکی ہیں۔ ناولوں کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ ان کے فن میں یاد نگاری خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ فکشن میں وہ ہرفن مولا ہیں۔ یعنی انہوں نے سماجی، معاشرتی، ایڈونچر، اور جاسوسی ناول بھی لکھے ہیں۔ اپنے عہد کے بے شمار ادیبوں سے ان کے ذاتی تعلقات ہیں اور ان کی یادوں کو انہوں نے اپنی خاکہ نگاری میں عمدگی سے استعمال کیا۔

اے حمید اردو کے مقبول ترین مصنفین میں شمار ہوتے ہیں اور ان کے پڑھنے والوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ کھانے میں زردہ اور پینے میں چائے انہیں پسند ہے۔ ان کے مشہور سلسلوں میں کشمیر کے شاہین (3 حصے)، خزاں کی بارش (3 حصے)، کمانڈو کی بیٹی (3 حصے) اور کمانڈو (7 حصے) شامل ہیں۔ انہوں نے بچوں کے ادب کے علاوہ ٹیلی ویژن ڈرامے بھی لکھے ہیں۔ انہیں حکومت نے تمغہ حسن کارکردگی سے نوازا ہے۔

اے حمید میرے خاص الخاص اور مخلص دوست ہیں۔ مجھے ان کی دوستی پر فخر ہے۔

Marfat.com

اے حمید

لاہور

22مارچ2007ء

محترمی ملک مقبول احمد صاحب!

واہ! کیا کتاب لکھی ہے آپ نے! اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ پھر میں بھی لکھوں گا تو میں آپ سے ضرور کہتا کہ اس طرح کی ایک آپ بیتی میری بھی لکھ دیجیے۔

مناسکِ حج اور زیارات کا ذکر جس تفصیل اور ادب و احترام سے آپ نے کیا ہے کہ اسے پڑھ کر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر بار حجِ بیت اللہ کی سعادت عطا فرمائے اور آپ ہر بار ایسی ایک کتاب لکھ دیا کریں۔ آمین۔

''سفر جاری ہے'' اس اعتبار سے بھی ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے کہ آج تک بڑے بڑے ناشروں نے دوسروں کی کتابیں چھاپی ہیں لیکن جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے اپنی کتاب لکھ کر کبھی کسی نے نہیں چھاپی۔ یہ کام آپ نے کر دکھایا ہے۔

یہ کتاب لکھنے کا ارادہ کرنے والے ناشر حضرات کے لیے ایک چیلنج ہے۔ اب کوئی سوچ سمجھ کر ہی اس میدان میں اترے گا۔

اے حمید

Marfat.com

اے حمید

26 مئی 2007ء

ہمدمِ دیرینہ۔ ملک مقبول احمد

میرے اور مقبول اکیڈمی کے مالک ملک مقبول احمد صاحب کے تعلقات چالیس، پینتالیس سال پرانے ہیں۔ وقت نے اور خاص طور پر ملک صاحب کے پُرخلوص رویّے اور میری خودغرضیوں کو کشادہ دلی سے درگزر کر دینے والے جذبے نے نہ صرف مزید پائیدار کر دیا ہے بلکہ ان دیرینہ تعلقات کو دوستی کے رشتے میں بدل دیا ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں نے نیا نیا لکھنا شروع کیا تھا۔ ملک صاحب کا اشاعتی ادارہ مقبول اکیڈمی شاہ عالمی دروازے کے اندر لال مسجد کے پاس ایک بلڈنگ کی دوسری منزل کے فلیٹ میں تھا۔ اگرچہ اُس وقت مکتبہ اردو نیا ادارہ کی طرف سے بھی میری کتابیں چھپ رہی تھیں۔ اور میرا ان اداروں میں بھی آنا جانا رہتا تھا۔ مگر ملک مقبول صاحب کے ہاں جا کر مجھے ہمیشہ بڑی خوشی ہوتی تھی۔ میں مقبول اکیڈمی واقع شاہ عالمی دروازے کے دفتر میں داخل ہوتا تو دیکھتا کہ جواں سال ملک صاحب سیاہ گھنگھریالے بالوں اور چمکتے چہرے کے ساتھ میز کے پیچھے کرسی پر بیٹھے کام کر رہے ہوتے تھے۔ چہرہ اٹھا کر دلکش مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھتے اور کہتے۔

Marfat.com

''کچھ لکھ کر لائے ہیں؟''

ملک مقبول صاحب کو شروع ہی سے اچھے اچھے مستند ادیبوں شاعروں سے کتابیں لکھوانے اور پھر ان کتابوں کو طباعت کے اعلیٰ معیار کے ساتھ چھاپنے سے عشق کی حد تک لگاؤ رہا ہے اور ان کا یہ جذبہ اتنے برس گزر جانے کے بعد آج بھی اسی آب و تاب کے ساتھ زندہ و پائندہ ہے۔ آج جبکہ اُردو ادب کے کئی مشہور و معروف ادارے ختم ہو چکے ہیں۔ ملک صاحب کی سرپرستی میں مقبول اکیڈمی کی جانب سے آج بھی اُردو ادب کی ہر صنف میں معیاری کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ عمر نے ملک صاحب کے ذوقِ ادب اور شعر و ادب کی ہر صنف میں حسنِ کمال کے معیاری کتابیں چھاپنے کے جذبے کو ماند نہیں پڑنے دیا۔ بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ ملک صاحب کا بہتر سے بہتر ادبی کتابیں شائع کرنے کا ذوق و شوق مزید فزوں تر ہوا ہے۔

مقبول اکیڈمی کی آج سے پچاس برس پہلے کی لتھو پرنٹنگ پر چھپی ہوئی کتابیں آج کی آفسٹ پرنٹنگ کو بات کرتی ہیں۔ ایک ایک لفظ کتاب کے صفحوں پر ہیرے جواہرات کی طرح جڑا ہوا لگتا ہے۔

اس زمانے میں بھی جب میں ان کے شاہ عالمی والے دفتر میں جاتا تھا تو چائے اور کیک پیسٹری سے تواضع کرنی نہیں بھولتے تھے۔ آج بھی جب ملک صاحب میرے ہاں تشریف لاتے ہیں تو اپنی دیرینہ روایت پر عمل کرتے ہوئے کیک یا مٹھائی کا بڑا پیکٹ ضرور ساتھ لاتے ہیں۔ عید، شب برات کے موقع پر وہ شیرینی لے کر ضرور میرے غریب خانے پر قدم رنجہ فرماتے ہیں۔ حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد میرے ہاں مٹھائی لے کر تشریف لائے تو سفید داڑھی نے ان کے سڈول چہرے کو اور زیادہ نورانی بنا دیا تھا۔

Marfat.com

مجھے یہ لکھتے ہوئے فخر بھی محسوس ہو رہا ہے اور خوشی بھی ہو رہی ہے کہ ملک صاحب نے شروع سے لے کر اب تک میری ہر نئی کتاب کا معاوضہ مجھے سب سے زیادہ دیا ہے اور یک مشت دیا ہے۔ جس کے لیے میں ہمیشہ ان کا ممنون احسان رہوں گا۔ مجھے میری کتاب کی اعزازی کاپیاں زیادہ سے زیادہ عنایت کرتے ہیں اور بعد میں بھی اگر میں ایک، ایک دو کتابوں کی فرمائش کرتا ہوں تو بڑی خندہ پیشانی سے مطلوبہ کتابیں دے دیتے ہیں اور ایک پیسہ نہیں لیتے۔

میں سمجھتا ہوں کہ لاہور کے جدید ادبی اشاعتی اداروں میں مقبول اکیڈمی ایک واحد ادبی ادارہ ہے، جس نے شعر و ادب کے علاوہ تاریخِ اسلام پر بعض بڑی نایاب اور مستند کلاسیکی کتابیں شائع کی ہیں۔ میں نے 1948ء میں لکھنا شروع کیا تھا۔ تب سے لے کر آج تک پبلشر حضرات کے ساتھ میرے تعلقات چلے آرہے ہیں۔ میں اُن کا ممنون ہوں کہ انہوں نے میرے افسانوں، ناولوں، سفرناموں کو بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا۔

میری شہرت میرے پبلشر حضرات کی مرہونِ منت ہے۔ کبھی کبھی اِن تعلقات میں کشیدگی بھی پیدا ہوتی رہی ہے۔ لیکن میں یہ دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ بطور ادیب اور پبلشر کے میرے اور ملک مقبول صاحب کے تعلقات ہمیشہ خوش گوار رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس میں زیادہ دخل ملک صاحب کے حسنِ اخلاق، کشادہ دلی اور پاکیزہ کردار کا رہا ہے۔ میرے خیال میں پبلشر اور ادیب کا رشتہ ساس اور بہو کا رشتہ ہوتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ باتیں کرتے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان دونوں میں سے ساس کون ہے اور بہو کون ہے۔

Marfat.com

جناب باقی احمد پوری

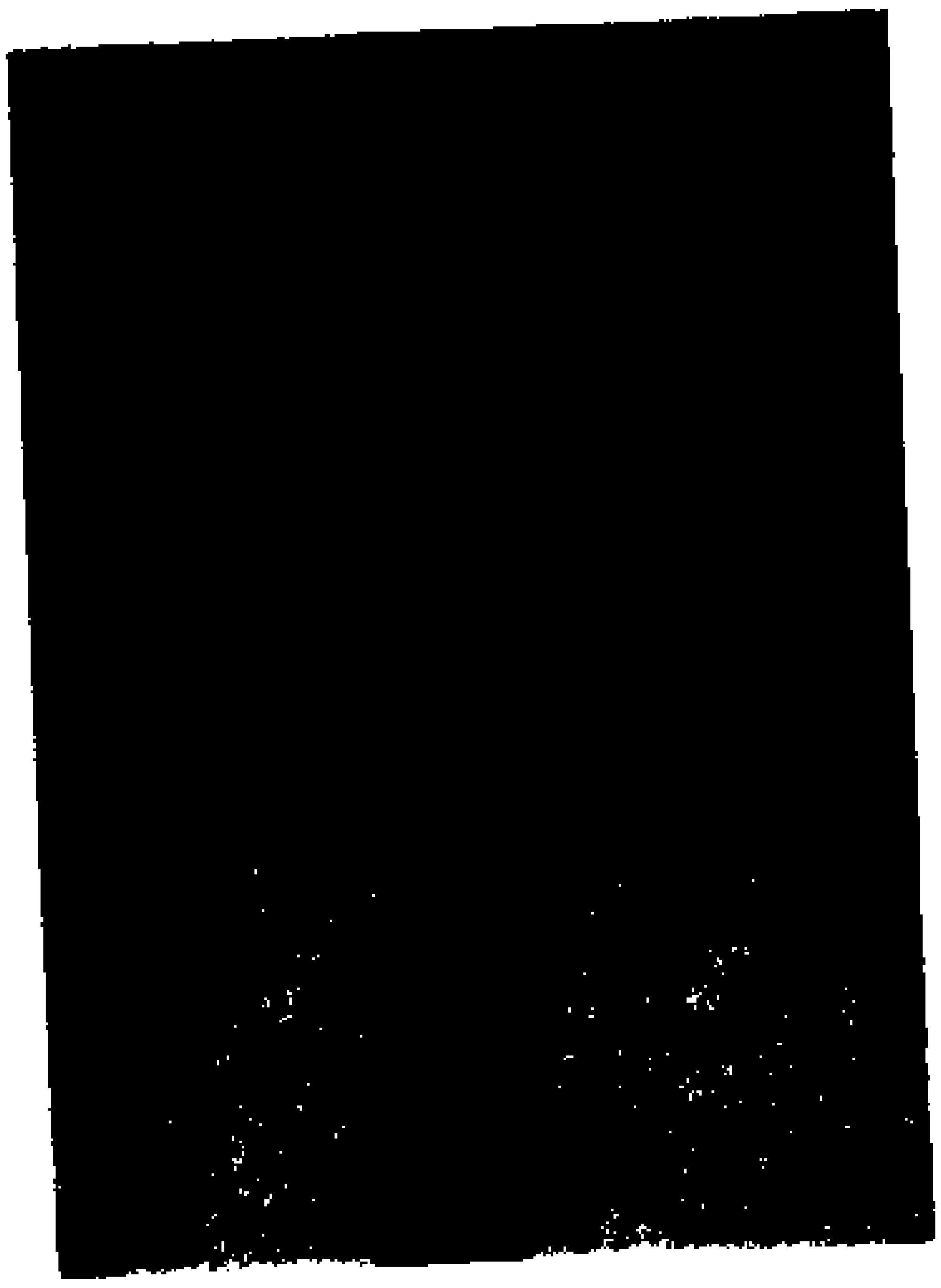

باقی احمد پوری پیشے کے لحاظ سے مکینیکل انجینئر ہیں لیکن انہوں نے عشق ادب سے کیا ہے۔غزل ان پر شبنم کی طرح اترتی ہے اور تازگی کا مظہر بن جاتی ہے۔ان کا خاندانی نام سید مقبول حسین بخاری ہے۔ 21 مارچ 1950ء کو احمد پور لمہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مکینیکل انجینئرنگ کا ڈپلومہ لیا اور تلاش رزق میں خلیجی ریاستوں میں چلے گئے۔ اس دوران ہی انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اردو بھی کر لیا۔

باقی احمد پوری جنوبی پنجاب کے ایک دور افتادہ مقام کے باشندے ہیں لیکن انہوں نے اپنے فن سے اپنے پورے عہد کو متاثر کیا ہے۔ان کی غزل نگاری وفورِ جذبات کا نتیجہ ہے۔اور کئی کتابوں میں سمٹ نہیں پایا۔اب تک ان کی شاعری کی جو کتابیں چھپ چکی ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ باقیات ۲۔نقش باقی ۳ صد رشکِ غزالاں ۴۔اب شام نہیں ڈھلتی ۵۔غزل تم ہو ۶۔روانی ۷۔محبت ہم سفر میری ۸۔اگر آنکھیں چھلک جائیں ۹۔اداسی کم نہیں ہوتی۔۔۔ غزل آفرینی ، غزل آشنائی ،غزل نامہ اور دھوپ کے شاعران کے مرتبہ انتخاب غزل ہیں۔

باقی احمد پوری نے ''جہانِ اردو'' کے نام سے ایک ادبی اخبار بھی جاری کیا تھا جس کو بڑی دلچسپی سے پڑھا جاتا تھا۔پاکستان میں کوئی مشاعرہ ان کی شرکت کے بغیر مکمل نہیں سمجھا جاتا۔

''سفر جاری ہے'' پر باقی احمد پوری نے روزنامہ ''دن'' میں اپنے شگفتہ اسلوب میں کالم لکھا تھا۔جسے ادبی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔

Marfat.com

باقی احمد پوری

سفر جاری ہے

میں جب کسی مقبول نامی شخص سے ملتا ہوں تو مجھے روحانی خوشی ہوتی ہے کیونکہ میرا نام بھی مقبول ہے۔ ملک مقبول احمد ہمارے ملک کے مشہور پبلشر ہیں مگر اُن کی شخصیت کے بارے میں بہت کم لوگوں کو علم ہے۔ اس امر کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ملک مقبول احمد صاحب نے اپنی کہانی اپنی زبانی لکھنے کا ارادہ کیا اور پھر ''سفر جاری ہے'' کے نام سے اُنہوں نے اپنی خودنوشت لکھ ڈالی۔ ایک ناشر ہونے کے ناتے اُن کا واسطہ بے شمار ادیبوں اور شاعروں سے پڑا جو اُن کے دوست بن گئے۔ اِنہی دوستوں اور خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ گزارے ہوئے لمحے اب اس کتاب میں محفوظ ہو گئے ہیں۔

ایک ایک لمحے کی تصویر بنی ہے دل پر
یہ نہ سمجھو کہ مجھے یاد نہیں ہے کچھ بھی

ان یادگار لمحوں کو قید کرتے ہوئے بھی ملک مقبول احمد نے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے اُنہوں نے کوشش کی ہے کہ کسی آبگینے کو ٹھیس نہ لگ جائے۔ شاعر، ادیب تو ویسے بھی بڑے نازک مزاج اور زود رنج ہوتے ہیں۔ دوستی اور رشتہ داری کے معاملات بھی شیشے سے نازک تر ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں لکھتے ہوئے انسان کو کئی بار سوچنا

Marfat.com

پڑتا ہے۔ ملک مقبول احمد نے اس مشکل مرحلے کو آسانی سے طے کیا ہے۔ ان کی سوانحِ حیات ''سفر جاری ہے'' کے نام سے طبع ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر صفدر محمود کا کہنا ہے کہ ملک مقبول احمد صرف کتابیں چھاپتے ہی نہیں بلکہ کتابیں اُن کے اندر بھی بستی ہیں۔ ڈاکٹر صفدر محمود کے علاوہ ملک کے بہت سے نامور ادیبوں، شاعروں نے ملک صاحب کے اندازِ بیان اور ان کی اس کتاب کے بارے میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ ان میں علی سفیان آفاقی، ڈاکٹر انور سدید، طارق اسماعیل ساگر، شعیب بن عزیز، اے حمید، قمر نقوی، سید واجد رضوی، ابوالامتیاز ع س مسلم اور ڈاکٹر اللہ بخش ملک کے نام شامل ہیں۔

اس کتاب کی اشاعت سے پہلے ملک مقبول کا نام محض ایک ناشر کے طور پر معروف تھا مگر ''سفر جاری ہے'' کی اشاعت نے اُنہیں ادبی سطح پر بھی روشناس کرایا ہے۔ دراصل کسی شخص کی سوانح عمری میں لوگوں کی اپنی شمولیت ہو جائے یا پھر سوانح حیات کسی بہت بڑی شخصیت کی ہو، جس کے بارے میں عوام جاننا چاہتے ہوں۔ علاوہ ازیں یہ لکھنے والے پر بھی منحصر ہے کہ وہ کس طرح اپنی ذاتی کہانی کو زمانے کی کہانی بنا دیتا ہے۔ ملک صاحب کی کتاب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ غمِ ذات کو غمِ زمانہ بنانے کا ہنر جانتے ہیں۔ اُن کے اندازِ نگارش پر ادبی رنگ چھایا ہوا ہے۔ بیان سادہ ہے مگر سپاٹ نہیں، طرزِ تحریر میں دل گرفتگی اور قاری کو جذب کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ ملک صاحب نے اپنے گاؤں کا ذکر بڑے دلنشیں انداز میں کیا ہے اور اپنی خاموش چاہتوں کا بیان کرنے میں بھی اُنہوں نے بُخل سے کام نہیں لیا۔ بابا خیرو کی لڑکی اور شہناز شمشاد کے بارے میں جو چند جملے کتاب میں درج ہیں، وہ ملک صاحب کی جمال پسندی کو ظاہر کرتے ہیں اور یہ بھی کھلتا ہے کہ اُن کا دل بھی جذبۂ عشق سے خالی نہیں رہا۔ وہ بھی کسی دوشیزہ کی گلیوں میں گھومنے کی ریاضت

Marfat.com

کرتے رہے ہیں۔

ترے کوچے اس بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اِس سے بات کرنا کبھی اُس سے بات کرنا

اپنے گاؤں کے میلوں، ٹھیلوں کا تذکرہ اور گاؤں کے دلکش کرداروں کی کہانی اپنی زبانی بیان کر کے کتاب میں ملک صاحب نے کئی رنگ بھر دیئے ہیں۔ اس کتاب کی خوبصورتی یہی ہے کہ لکھنے والے نے اپنی ذات کو حوالہ تو بنایا ہے مگر اسے پڑھنے والے پر بوجھ نہیں بننے دیا۔ اُنہوں نے اپنے سفر میں قاری کو اردگرد کے مناظر کی حسین تصویریں بھی دکھائی ہیں اور اپنے ہم سفروں کی رودادِ حیات کو بھی اپنی روداد بنا کر پیش کر دیا ہے۔ اسی خصوصیت نے اس کتاب کو قبولِ عام کا درجہ عطا کیا ہے۔ ملک صاحب نے اپنے تجربات و مشاہدات کو تخلیقی انداز میں اس طرح تحریر کیا ہے کہ ان میں ناول کی سی دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔ اس سوانح حیات کا لکھنے والا ایک رومان پرور شخص لگتا ہے۔ اگر چہ مصنف نے اپنے تئیں یہ کوشش کی ہے کہ کسی پر اُن کے دل کا معاملہ نہ کُھلے مگر یہ جوہر چھپانے سے کہاں چھپتا ہے۔ قیس کے قبیلے والے الگ پہچان لیے جاتے ہیں۔ اس کتاب میں چند مرد و خواتین قلمکاروں کا ذکرِ خیر بھی ہے۔ البتہ اس باب میں ملک مقبول صاحب نے کچھ زیادہ ہی اختصار سے کام لیا ہے حالانکہ اپنے مصنفین کے بارے میں وہ بہت کچھ جانتے ہوں گے۔ میرزا ادیب، اے حمید، علی سفیان آفاقی، ڈاکٹر طارق عزیز، طارق اسماعیل ساگر، حفیظ تائب، ڈاکٹر صفدر محمود، شعیب بن عزیز، امجد اسلام امجد، ڈاکٹر وحید قریشی، مولانا حامد علی خان، سید قاسم محمود، عبدالعزیز خالد، ڈاکٹر علی محمد خان، اظہر جاوید، ظفر علی راجا، قمر نقوی، ڈاکٹر اللہ بخش ملک، ساغر صدیقی، ڈاکٹر مسکین حجازی، اختر شمار، یونس ادیب، ادا جعفری، عذرا اصغر،

Marfat.com

سلمیٰ اعوان اور بہت سے دیگر قلمکاروں کے بارے میں ملک مقبول نے خامہ فرسائی کی ہے۔ مُصنّف کے نام ادیبوں کے خطوط بھی دلچسپی کا باعث ہیں۔ ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے ناشر سے ادیب وشاعر کس طرح تعلق استوار رکھتے ہیں۔ ان مطبوعہ خطوط سے مشہور ادیبوں کے طرزِ تحریر کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ان خطوط کی اشاعت نے بھی زیرِ نظر کتاب ''سفر جاری ہے'' کی مقبولیت میں اضافہ کیا ہے۔ ادیبوں، شاعروں کی رنگین تصاویر نے بھی کتاب کو جاذبِ نظر بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ علاوہ ازیں ملک مقبول کے جو انٹرویوز مختلف جرائد ورسائل میں شائع ہوئے، وہ بھی بہت اہم ہیں۔ ان سے ملک صاحب کی مختلف موضوعات پر آراء کا ہمیں پتہ چلتا ہے۔ ان انٹرویوز سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک مقبول ایک کھلے ذہن کے انسان ہیں۔ وہ سادہ اور حقیقت پسند آدمی ہیں۔ اُن کا وژن بہت وسیع ہے۔ ناشروں پر لگے الزامات کا بھی اُنہوں نے جواب دیا ہے۔

ڈاکٹر طارق عزیز اور میرے دوست طارق چغتائی نے زیرِ نظر کتاب کے بارے میں مجھے بتایا تو مجھے کتاب پڑھنے کا شوق ہوا۔ میں شاعر ہوں اور زیادہ تر شاعری سے متعلق کُتب ہی میرے زیرِ مطالعہ رہتی ہیں۔ ''سفر جاری ہے'' اگرچہ ایک نثری کتاب ہے مگر اس میں قصہ چہار درویش والی بات ہے۔ بے شمار موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے جس کی وجہ سے کتاب ہیوی ویٹ ہوگئی ہے جہاں جہاں نثر کو ملک مقبول صاحب نے شاعری کا تڑکا لگایا ہے وہاں وہاں اُن کے شعری ذوق کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ کالم لکھتے وقت میرا ارادہ تھا کہ دو تین کتابوں کا ذکر اپنے کالم میں کروں گا مگر لکھنے بیٹھا تو ''سفر جاری ہے'' نے اپنی گرفت میں لے لیا اور اب دیگر کتابوں پر کسی اور وقت لکھنے کا عزم کروں گا۔ یہ بھی اس کتاب کی ایک خوبی ہے کہ اس کے ہر باب پر لکھنے کو دل چاہتا ہے۔

Marfat.com

ملک مقبول اپنی اولاد سے بے حد محبت کرنے والے آدمی ہیں ۔اللہ نے اُنہیں محبت اور خدمت کرنے والے بچے عطا کئے اور پھر پوتے پوتیوں اور نواسیوں سے بھی نوازا۔کتاب میں انہوں نے اپنی اولاد کی رنگین تصاویر بھی شائع کی ہیں۔ سیاحت کا بھی ملک صاحب کوشوق ہے اور انہوں نے اپنے بال بچوں کے ساتھ بہت سے ملکوں کی سیر بھی کی ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک مقبول کے اس گلشن کو سدا بہار رکھے۔ یہ لوگ ادب سے وابستہ لوگ ہیں، ادب ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، اِن کا کاروبار ہے اور ادب ہی ان کی زندگی ہے۔ بہت سے ادیب وشاعر اِس کاروبار میں اُن سے منسلک ہیں ۔اس لیے یہ خاندان ہمارے ادب میں ہمارے لیے بہت اہم ہے۔ ''سفر جاری ہے'' کی اشاعت نے ملک مقبول کی مقبولیت میں مزید اضافہ کیا ہے۔

روزنامہ ''دن'' لاہور

Marfat.com

جناب محمد بدر منیر

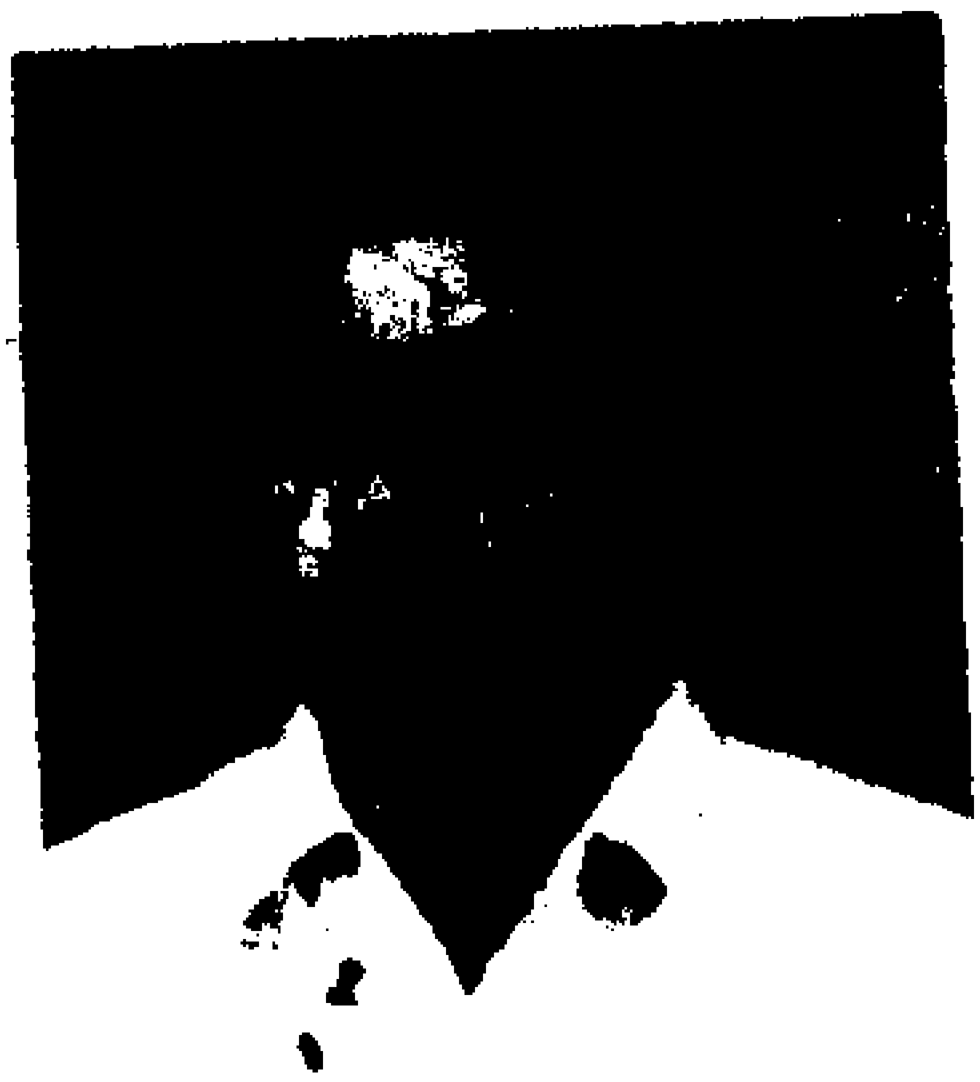

محمد بدر منیر نے صحافت کے مقدس پیشے کے لیے اپنی زندگی وقف کررکھی ہے۔وہ حق گوئی اور بے باکی کی زندہ مثال ہیں اور اپنے صحافت کے پیشے کی تابندہ اقدار پر عمل کرتے ہیں ۔آپ 25 مارچ 1935ء کو مہاتما بدھ کے دیس ''گیا'' میں پیدا ہوئے ۔تعلیم کی منزلیں اورنگ آباد دکن اور لاہور میں طے کیں اور بی اے کی ڈگری اسلامیہ کالج کراچی سے حاصل کی،ان کی زندگی کا بیشتر حصہ مشرقی پاکستان میں گزرا۔انہوں نے مشرقی پاکستان سے سقوط ڈھاکہ کے بعد ہجرت کی اور اپنے صحافت کے پیشے کو قائم رکھا آپ ان دنوں نظریاتی اخبار ''نوائے وقت'' کے ساتھ وابستہ ہیں اور بنگلہ دیش کے کئی اخبارات کی لاہور میں نمائندگی کرتے ہیں۔

محمد بدر منیر بنگلہ دیش کے سیاسی ،سماجی اور تہذیبی حالات کے تجزیہ نگار ہیں۔انہوں نے مشرقی پاکستان کے قریباً تمام سیاسی لیڈروں کو قریب سے دیکھا اور متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ان میں ''درخشاں پاکستان''۔۔شیخ مجیب الرحمٰن ۔۔۔اور ''محمد علی کلے'' ۔۔بہت مشہور ہوئیں۔ان کی ترجمہ شدہ کتابوں میں فرشتہ ۔۔۔ان کہی کہانی طوفان بلا خیز ۔۔۔مردم گزیدہ ۔۔۔اور تعاقب ۔شامل ہیں۔مضامین کی تعداد ہزاروں میں ہے اور کئی کتابیں زیر طبع ہیں۔

علامہ سلیمان ندوی ،ماسٹر محمد حیات ،مولانا بسمل ، پروفیسر چودھری رحمت اللہ ،اور ڈاکٹر عندلیب شادانی کا یہ نامور شاگرد اگلے زمانے کے لوگوں کی شرافت کا نمونہ ہے۔

انہوں نے زمیندار ،تعمیر ،انجام ،امروز ،آفاق اور متعدد ہفت روزہ اخبارات میں کام کیا اور ثابت کیا کہ قلم سے رزق حلال کمایا جاسکتا ہے۔

''سفر جاری ہے'' پر انہوں نے ہفت روزہ ''مزدور'' میں اظہار خیال فرمایا۔

Marfat.com

محمد بدر منیر

سفر جاری ہے۔۔۔!

ایک معروف بزرگ شخصیت کا انتقال ہوا تو انہیں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے باغ بیرونی دہلی دروازہ ایک جلسۂ عام منعقد ہوا۔ اس وقت کے نامور مقررین نے مرحوم بزرگ کی شخصیت و کردار کے بارے میں بڑے دل نشین و دل آویز خیالات کا اظہار کیا۔ ایک دل عزیز مقرر نے اپنی تقریر کے دوران جب پہلی بار مرحوم کے نامِ نامی کے ساتھ، رحمۃ اللہ علیہ کا ٹانکا لگایا تو اسٹیج پر میرے ساتھ ایک سادہ دل اور غالباً کسی گاؤں سے آئے ہوئے عمر رسیدہ شخص کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔۔۔۔انہوں نے بے ساختہ کہا........ اچھا........ اے وی رحمۃ اللہ علیہ سی (اچھا تو یہ بھی رحمۃ اللہ علیہ تھا)۔

میں ان دنوں روزنامہ ''آفاق'' کے لیے رپورٹنگ کر رہا تھا۔ جلسے کے بعد جب میں نے اس بزرگ سے ان کے اس جملہ کی وضاحت چاہی تو انہوں نے اس شخصیت کے کردار کے بعض ایسے پہلو بیان کیے جس سے اس جملے کے معنی کا احساس شدّت اختیار کر گیا۔ اس کے بعد میں نے مطالعہ کے لیے ایک معیار بنا لیا کہ کتاب سے پہلے صاحبِ کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ چنانچہ جب ملک مقبول احمد کی آپ بیتی ''سفر جاری ہے'' .... مطالعے کی میز پر آئی تو میں ان کا ۳۵ سال

Marfat.com

تک گہرا مطالعہ کر چکا تھا۔ ملاقاتوں اور گپ شپ کا دورانیہ اگرچہ گنڈے دار رہا لیکن جب بھی ملاقات ہوئی ان کی محبت اور خلوص ان کے ایک ایک لفظ سے عیاں رہا۔ ان کا حلقۂ احباب ماشاءاللہ کافی وسیع ہے۔ حالانکہ ایک محاورہ ہے کہ ''کرکٹ کے ایمپائر اور کتابوں کے ناشر کا کوئی دوست نہیں ہوتا''۔ لیکن ملک مقبول کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جن سے ان کا تعلق ایک بار قائم ہو جائے، وہ اسے مکمل وضع داری کے ساتھ نباہتے رہتے ہیں اور کسی دوست کو خود سے دور نہیں ہونے دیتے۔ اگر وہ ناشر کی بجائے کرکٹ کے ایمپائر ہوتے تو یقیناً تمام کھلاڑیوں بلکہ تماشائیوں کے لیے بھی اسم بامسمیٰ ثابت ہوتے۔

''سفر جاری ہے'' میں انہوں نے بڑے سادہ لیکن دل نشین انداز میں اپنی جدو جہد کی روداد بیان کی ہے۔ اپنی زندگی کے جملہ نشیب و فراز سے قارئین کو متعارف کرایا ہے اور ان تمام احباب کا بھی محبت سے تذکرہ کیا ہے۔ جو اس سفر میں ان کے ساتھ ساتھ رہے۔ دوست کی حیثیت سے، ادیب و شاعر اور دانشور کی حیثیت سے، اپنے ذاتی تجربات و مشاہدات کی روشنی میں متعلقہ حکام کے بارے مین بھی جو کچھ لکھا ہے وہ سچ لکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں اچھے بُرے سبھی حضرات گرامی شامل ہیں۔ جو اچھے ثابت ہوئے ان کی اچھائی کو اجاگر کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا اور جو ذرا ''وکھری ٹائپ'' کے حضرات تھے، ان کی خامیوں اور اُن رویّوں کو وضع داری کے ساتھ اس طرح بیان کیا کہ متعلقہ حضرات خود اپنے گریبان کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ دوست اور ناشر کے لیے جن جذبات و احساسات کا اظہار کیا ہے وہ فی الواقع ادب پارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ملک مقبول احمد نے ''سفر جاری ہے'' میں اپنی گھریلو زندگی کی روداد بیان کرنے میں کسی تکلف سے کام نہیں لیا۔ اپنی اہلیہ اور اپنے بچوں کے بارے میں

Marfat.com

انہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ سچ سچ بیان کیا، ان کی اولاد واقعی سعادت مند بھی ہے اور ان تمام خوبیوں سے آراستہ بھی، جو خود ملک مقبول میں ہیں۔ جہاں تک شریکِ زندگی کا تعلق ہے، اس کے متعلق صرف یہ عرض کرسکتا ہوں کہ وہ اتوار کے اتوار اپنی شریکِ زندگی کے ساتھ ''شیزان'' میں لنچ کے لیے آتے ہیں تو وہ بڑے میاں یا بڑی بی کے بجائے عروسِ نو بہار دکھائی دیتے ہیں اور پہلی بار ہنی مون لنچ کے لیے ان کی آمد آمد ہے۔ محبت اور یگانگت کے باعث ان کا پورا ماحول خوشگوار بھی ہے اور پرسکون بھی۔ آپ بیتی کے مطالعے سے خاندان کو خوش وخرم رکھنے کے طور طریقوں سے بخوبی واقفیت حاصل ہوسکتی ہے۔

میرزا ادیب، ڈاکٹر انور سدید اور یادش بخیر سید قاسم محمود ان کے حلقۂ احباب میں شامل رہے اور ان کی ناشرانہ خوبیوں کے معترف بھی ہیں۔ اس کتاب کا وہ حصہ بھی بے حد اہم ہے، جس میں ماضی قریب اور عہدِ حاضر کے دانشوروں، شاعروں، ادیبوں اور دیگر نامور شخصیتوں کے گرامی نامے تاریخی دستاویز ہیں۔

قارئینِ کرام! آپ نے ملاحظہ فرمالیا جہاں تک کتاب کا تعلق ہے تو اس کے لیے آپ کو کتاب کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ کیونکہ ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل کتاب ان صفحات میں پیش نہیں کی جاسکتی۔

ہفتہ روزہ مزدور لاہور

Marfat.com

جناب بشیر موجد

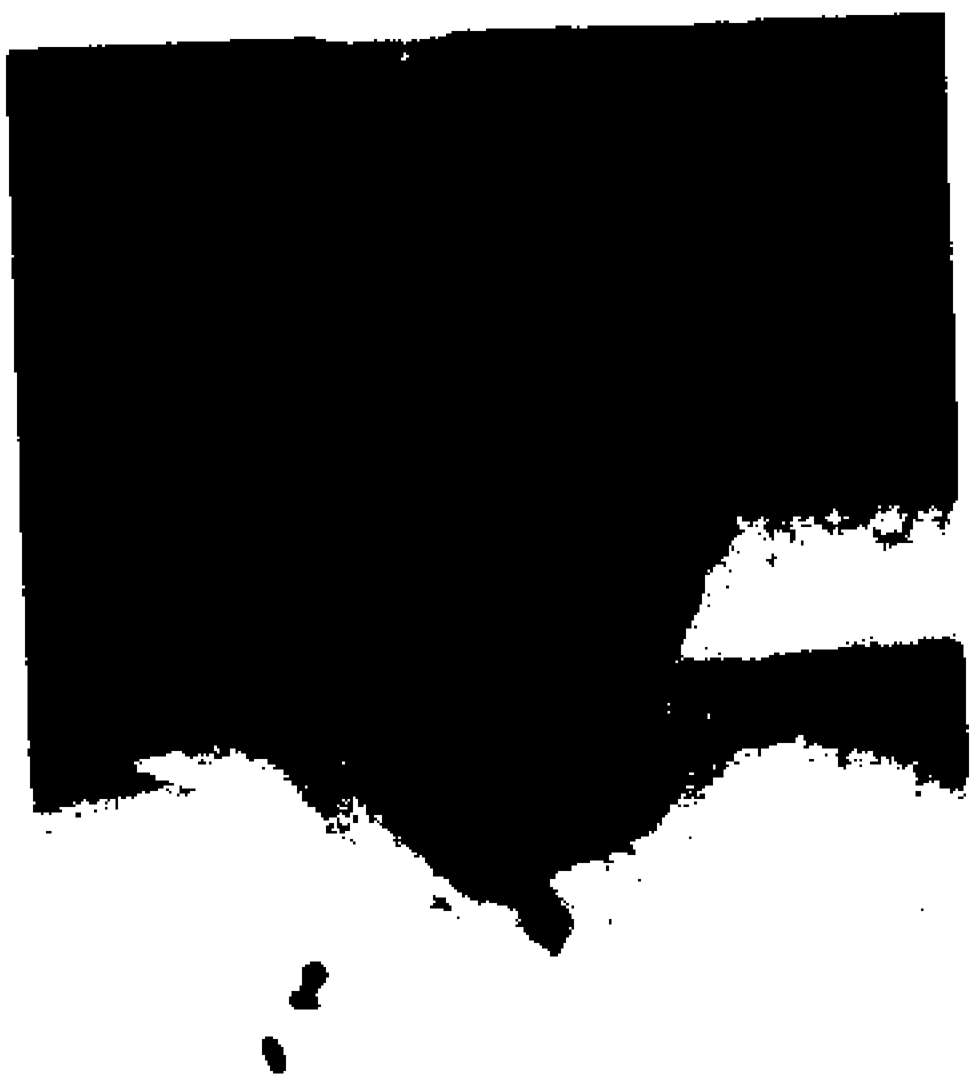

بشیر موجد ملک کے نامور مصور اور ادیب ہیں ان کا تعلق حقیقت نگاری کے اس دبستان سے ہے جسے استاد اللہ بخش نے مصوری میں فروغ دیا تھا۔ آپ 14 اگست 1930 کو فتح گڑھ ضلع لاہور میں پیدا ہوئے۔ 1945ء میں اپنے عنفوان شباب میں تحریک پاکستان میں خدمات انجام دیں اور آزادی کے لمحے تک مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے ساتھ وابستہ رہے۔ انہیں گزشتہ قومی خدمات پر ایک گولڈ میڈل ''کارکنانِ تحریک پاکستان'' نے عطا کیا۔

بشیر موجد کو ابتدا میں شاعری کا شوق تھا اور وہ احسان دانش کی محفلوں میں باقاعدگی سے بیٹھتے اور ادیبوں کی باتیں سنتے تھے۔ احسان دانش نے ان کی افتادِ طبع کا اندازہ لگا کر مصوری کی طرف راغب کیا اور ان کو ''موجد'' موسوم کر کے مصور سید سرفراز کی شاگردی میں دے آئے۔ انہوں نے بشیر موجد کی صلاحیتوں کو بڑی خوبی سے نکھارا اور ان کی تخلیقی جہت کو ابھارا۔ انہوں نے دو برس تک مصورِ مشرق عبد الرحمان چغتائی کے نائب کی حیثیت میں بھی کام کیا۔ اور پھر اپنا سٹوڈیو رائل پارک لاہور میں قائم کیا۔ ان کی انفرادیت مصورانہ خطاطی میں خصوصی طور پر تسلیم کی جاتی ہے۔ حضرت داتا گنج بخش کمپلیکس کی خطاطی کے لیے جو آٹھ خطاط منتخب کئے گئے ان میں بشیر موجد بھی شامل تھے انہیں ان خدمات پر گولڈ میڈل دیا گیا اور صدر دروازے پر ان کا نام کندہ کیا گیا۔ 2007ء میں انہیں صدر پاکستان نے تمغہ امتیاز نوازا۔

بشیر موجد کو کتابوں کے سرورق خوبصورت رنگوں کے امتزاج سے بنانے کا ملکہ حاصل ہے۔ ان کا سرورق کتاب کی معنویت کو مصوری میں اجاگر کر دیتا ہے۔ وہ اب تک ہزاروں کتابوں کو اپنے موقلم سے زیب و زینت عطا کر چکے ہیں۔

میری کتاب ''سفر جاری ہے'' پر ان کی مختصر سی تحریر میرے لیے تمغہ امتیاز ہے۔

Marfat.com

بشیر موجد

سفر جاری ہے

میں ملک مقبول احمد کو ایک پبلشر کی حیثیت سے جانتا اور پہچانتا تھا لیکن مجھے ہرگز یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ بیتے دنوں کی کہانی کو بہ خوبی تحریری صورت دے سکتے ہیں ان کی اس تحریر نے چند مقامات پر دل گرفتہ بھی کیا اور یک گونہ خوش گوار حیرت سے بھی دوچار کیا۔ انہوں نے اپنی رواں دواں تحریر میں فرد اور معاشرے کے جس تعلق کا اثر انگیزی و اثر پذیری کے جس عمل کو اُجاگر کیا ہے، وہ قابل تحسین ہے۔

گزری نصف صدی کی معاشرتی صورتِ حالات کی لفظی تصویر کشی کرنے میں وہ کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔ اپنوں اور بیگانوں کی کرم فرمائیوں کے علاوہ قابلِ اعتماد دوستوں کی بے وفائیوں سے دل برداشتہ نہیں ہوئے بلکہ پوری استقامت سے اپنی منزل کی طرف قدم بڑھاتے رہے۔ یہ کتاب اپنی ناکامیوں اور کامیابیوں کی بازگشت ہے۔

پاکستان کے قیام کے بعد ملکی حالات نے بڑی کروٹیں لیں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوا (جواب تک جاری ہے) ان ایام میں وہ اقتصادی طور پر دباؤ میں رہے۔ بگڑے ہوئے کاروباری حالات کا سامنا بھی کیا لیکن ان کی ہمت نہیں ہاری۔ ان کی اس استقامت اور شبانہ روز کی محنت نے انہیں معیاری کتاب سازی

Marfat.com

کے فن میں ایک اعلیٰ مقام عطا کیا ہے۔ یہی وہ اوصاف ہیں، جو انسان کو ہردل عزیز اور پُروقار بناتے ہیں۔ اس دورزبوں حالی میں جنسِ نایاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ بعض افراد کو عمر کے آخری حصے تک یہ عرفان نہیں ہوتا کہ وہ کس کام کے لئے پیدا ہوئے ہیں، جب کبھی ان پر یہ راز افشا ہوتا ہے تو وہ عمر کے اس حصے میں ہوتے ہیں کہ سوائے پچھتاوے کے ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ ملک مقبول احمد خوش قسمت انسان ہیں، جنہیں سفر کے آغاز ہی سے پتا چل گیا تھا کہ وہ خوبصورت معیاری کتابیں شائع کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

ملک مقبول احمد نے اپنی یہ کتاب داستانِ حیات محض اپنے حالات عکس بند کرنے کے لئے نہیں لکھی بلکہ فنِ کتاب سازی کی دشوار گزار راہوں کی نشان دہی بھی کی ہے۔ تا کہ آنے والے وقت میں فنِ کتاب سازی سے دلچسپی رکھنے والے رہنمائی حاصل کرسکیں۔

Marfat.com

محترمہ بلقیس ریاض

محترمہ بلقیس ریاض ملک کی نامورناول نگار خاتون ہیں ، ان کے شوہر جناب جسٹس (ر) شیخ ریاض احمد بین الاقوامی قانونی کانفرنسوں کے لیے غیر ممالک کے دورے پر نکلتے تو اپنی پاسبانِ حیات کو بھی ساتھ لے جاتے۔ان غیر ملکی دوروں میں محترمہ بلقیس ریاض کے باطن سے ایک سفر نامہ نگار نمودار ہو گیا اور اب وہ اردو ادب کی ممتاز سفر نامہ نگار بھی شمار ہوتی ہیں۔لیکن واضح رہے کہ ادب ان کا شوق ہے ، پیشہ نہیں۔اور یہی وجہ ہے کہ ان کے سفر ناموں کو لوگ متخیّلہ کی کارستانی نہیں سمجھتے بلکہ دیکھے ہوئے مناظر، اشیا اور مظاہر کا شہادت نامہ تصور کرتے ہیں اور ان کی کتابوں پر اعتماد کرتے ہیں۔چنانچہ وہ ان ادیبوں سے بالکل مختلف ہیں جن کے سفر نامے یک طرفہ ریشہ خطمی نظروں سے عشق نامے مرتب کر کے مشرق کے مسکین قارئین کا دل للچاتے ہیں۔اس قسم کے ادبا اپنی دروغ گوئی کو کامیابی تصور کرتے ہیں۔

محترمہ بلقیس ریاض نے بھارت کے دورے میں اپنی آنکھوں کو مسلمانوں کی شوکت رفتہ سے توانائی دی اور روح کی تازگی کے لیے مقامات مقدسہ کی زیارت کی۔اسلاف کی یادگاروں پر حاضری دی۔ان کا بھارت کا سفر نامہ درحقیقت ان کی روح کی یاترا ہے۔

مقبول اکیڈمی کا خصوصی افتخار یہ ہے کہ اس ادارے سے محترمہ بلقیس ریاض کی سب سے زیادہ کتابیں شائع ہوئی ہیں۔وہ اس ادارے کی مقبول ترین مصنفہ ہیں۔ان کے ناول مرد زیادہ پڑھتے ہیں۔ان کے سفر نامے پسند کرنے والوں میں خواتین کی تعداد زیادہ ہے۔ان دنوں ان کی کتابیں ''خوابوں کی جنت''۔۔''دہلی سے آگے''۔۔''نیلسن منڈیلا کے دیس میں''۔''انوکھا سفر''۔۔''عمر خیام کے دیس میں'' کثرت سے پڑھی جارہی ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا خوبصورت تبصرہ نذرِ قارئین ہے۔یہ تحریر ان کی ''مقبول نوازی'' کا نقش جمیل ہے۔

Marfat.com

بلقیس ریاض
28-3-2007

ایک منفرد آپ بیتی

عرصہ بیس سال پہلے ملک مقبول صاحب ہمارے جاننے والے عزیز بھائی محبوب صاحب کے ساتھ ہمارے گھر آئے۔ میں نے ان کو پہلی مرتبہ دیکھا تو نہایت ہی وضع دار اور شریف انسان دکھائی دیے۔۔ جب انہوں نے تعارف کروایا تو میں حیران رہ گئی کہ یہ سیدھا سادا شخص ناشر ہے۔

اس زمانے میں میری کتابیں آئینۂ ادب اور سنگِ میل پبلکیشن سے شائع ہو رہی تھیں۔۔ میں نے اپنا پہلا سفرنامہ ''بحرِ ظلمات سے آگے'' چھپنے کے لیے دیا۔ اس طرح ملک صاحب سے میرے روابط بطور مصنفہ کے ہو گئے۔

ملک مقبول صاحب کی سوانحِ حیات ''سفر جاری ہے'' پڑھ کر اندازہ لگایا یہ ایک سچے اور کھرے انسان ہیں۔۔ میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ملک صاحب کا اُردو زبان پر بھی اتنا عبور ہوگا۔۔۔ جتنا کہ ان کی طباعت اور اشاعت پر ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ ملک صاحب کسی یونیورسٹی اور کالج میں روائتی تعلیم حاصل نہ کرنے کے باوجود اپنی محنت اور لگن سے ناشر بنے۔

''سفر جاری ہے'' ایک منفرد آپ بیتی ہے۔ انہوں نے اپنی عملی زندگی اور مشکل مرحلوں کی داستان بغیر کسی لگی لپٹی کے بیان کی ہے۔ اس طرح اپنی والدہ بے جی کا ذکر کیا ہے۔ میرے خیال سے یہ بے جی کی دعائیں ہی تھیں جو انہیں اس مقام پر لے آئیں۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ انہیں مزید ہمت اور توفیق دے کہ یہ اردو ادب کی اور خدمت کر سکیں (آمین)

Marfat.com

جناب پرتو روہیلہ

پرتو روہیلہ اردو کے نامور شاعر اور سفر نامہ نگار ہیں، غالب شناسی میں انہیں ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ آپ کا اصلی نام مختار علی خان ہے لیکن ادب میں انہیں پرتو روہیلہ کے نام سے بقائے دوام کے دربار میں بلند مسند دی گئی۔ وہ صوبہ سرحد میں بنوں کے مقام پر 10 اگست 1933ء کو پیدا ہوئے اور پشاور یونیورسٹی سے ایم اے (فارسی) کے علاوہ ایل ایل بی کی ڈگری بھی حاصل کی۔ مقابلے کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ 1957ء میں محکمہ انکم ٹیکس کے ساتھ وابستہ ہو گئے اور اسلام آباد، کراچی، پشاور اور لاہور میں اعلیٰ خدمات انجام دیں۔ اگست 1993ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو وہ سی بی آر اسلام آباد میں جوڈیشل ممبر کے عہدے پر فائز تھے بعد میں انہوں نے وزیر اعظم کی معائنہ ٹیم کے رکن کی حیثیت میں 1997ء تک فرائض ادا کیے۔ انہیں 1993ء میں صدر پاکستان نے پرائیڈ آف پرفارمنس کا ایوارڈ عطا کیا۔

پرتو روہیلہ اب تک بیس سے زیادہ کتابوں کے مصنف بن چکے ہیں۔ ان میں پرتو شب، ابن اجیارا، نوائے شب، آواز، دام خیال، ایک دیا دریا میں شامل ہیں۔ ان کے فکر و فن اور شخصیت پر فیروز سنز نے ایک کتاب چھاپی تھی۔ ان کا سفر نامہ ''سفر گشت'' کو پوری ادبی دنیا نے سراہا۔ سرکاری ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد ان کے جنوں نے انہیں فارغ نہیں بیٹھنے دیا اور وہ غالب کے فارسی خطوط کو غالب کے اردو اسلوب میں منتقل کرنے لگے۔ غالبیات کے سلسلے میں ان کی کتابیں ''نامہ ہائے فارسی''، ''معاصر غالب''، ''آہنگ پنجم''، ''متفرقات غالب''، ''باغ دو در'' وغیرہ شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی کتاب ''نوائے شب'' پر ہجرہ ایوارڈ اور کتاب ''ٹپے'' پر گلڈ ایوارڈ مل چکا ہے۔ پرتو روہیلہ بے حد نفیس طبع انسان اور طبعاً حلیم و خلیق ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا مکتوب ان کے خلوص کا آئینہ دار ہے۔

Marfat.com

پرتو روہیلہ

۲۸۔ مارچ ۲۰۰۷

مکرّمی و معظّمی ملک مقبول صاحب

تسلیمات و نیاز

آپ کی خودنوشت ملی کیا بتاؤں کس قدر مسرت ہوئی۔ جیسے جیسے پڑھتا گیا مسرت میں اضافہ ہوتا گیا۔ تا آنکہ جب ختم کر لی تو ایک عجیب روحانی بالیدگی سے سرشار تھا، جس کا بیان الفاظ میں مشکل ہے۔ البتہ اپنی سعادت پر اس وقت بھی مُفتَخِر ہوں۔ خدا برادرِ عزیز اظہر جاوید کے مراتب بلند سے بلند تر کرے کہ مجھے گھر بیٹھے ایک ایسے شخص سے ملا دیا (متعارف اس کے لیے درست لفظ نہیں) جس کو انسان کہنا درست ہوگا۔ اللہ نے آپ کو ایسے خواص سے متصف فرمایا ہے جو ہمیشہ کمیاب تھے اور آجکل تو نایاب ہیں۔ یہ داستانِ حیات ہر ذی شعور کے لیے راستی و حق شعاری کا ایک انمول خزانہ رکھتی ہے۔ اس کو پڑھ کر مجھے ایسا لگتا ہے گویا آپ سے میری مدت کی روحانی یگانگت ہے۔

یہ آپ بیتی آپ نے جس دیانت داری اور سچائی سے بیان کی ہے، اس کے لیے بڑی اعلیٰ ظرفی اور جرأت درکار ہے، جو ہر کس و ناکس کو میسّر نہیں۔ پھر انسانیت آپ کی ذات کا وہ غالب عنصر نظر آتا ہے، جس نے آپ کے تمام رشتوں کی ایسی خوبصورتی سے درجہ بندی کی ہے کہ کہیں کوئی تضاد و تصادم نظر نہیں آتا۔ ماں باپ کی محبت، بچوں کی چاہت، دوستوں کی رفاقت، گاہکوں سے لین دین کا تعلق، بیوی سے لگاؤ، یہ سارے عکس اپنے اپنے چوکھٹوں میں موزون و درست نظر آتے

Marfat.com

ہیں۔ عام حالات میں تجارت میں ترقی و کامیابی گاہکوں سے دوستی پر منتج نہیں ہوا کرتی۔ یہ آپ کی انسانیت ہی کا فیضان ہے، جو ان انسانی رشتوں کی استواری میں ظاہر ہوا ہے۔ اور آپ ان رشتوں کو مزید قوی و بابرکت بنانے کے لیے ان کو میدانِ جنگ میں جیتے ہوئے تمغوں کی طرح سینے پر سجا کر مُشتہر بھی کر رہے ہیں۔ یہ امر جہاں آپ کی اعلیٰ ظرفی و انسانی اقدارِ اعلیٰ کی پاسداری کا مظہر ہے وہیں ان تمام حضرات کی وہبی سعادت پر بھی دلالت کرتا ہے۔ خدا ان رشتوں کو مزید پائے داری ہی نہیں وسعت بھی عطا کرے۔

اب سوچتا ہوں کہ آپ سے پہلے ملاقات کیوں نہ ہوئی۔ لیکن دیر آید درست آید جیسی ضرب الامثال سے مجھے اطمینان نہیں ہو رہا۔ البتہ ممنون ہوں اللہ سبحانہ تعالیٰ کا کہ اس نے اس عمر میں ہی سہی، آپ سے ملاقات تو کرا دی اور اس کارِ خیر میں بھی اللہ نے اپنے بندے کو منتخب کیا کہ رضائے الٰہی کا آلہ کار بنا۔ سو میری طرف سے برادرِ عزیز اظہر جاوید کا شکریہ بھی ادا کر دیجیے کہ

ع ایں کار از تو ''آمد'' و مرداں چنیں کنند

مکرمی آپ کی تعمیل حکم بھی میرے لیے باعث مسرت ہے لیکن یہ خط مشاہیر کے خطوط میں شمولیت کے لیے ہر گز نہیں کہ میں اس زمرہ میں شامل ہونے کے لائق نہیں۔ صرف اظہار کیفیت دل کے لیے لکھا ہے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

بہمہ نیاز و خلوص

پرتو روہیلہ

Marfat.com

جناب پروفیسر تنویر حسین

پروفیسر تنویر حسین اردو مزاح نگاروں کی اس نسل کے فرد فرید ہیں جو مشتاق احمد یوسفی کے بعد دکھی انسانیت کو ہنسانے پر مامور کی گئی تھی۔ ان کی پیدائش 14 اکتوبر 1958ء کو کنگرہ، تحصیل پسرور میں ہوئی، ایم اے کرنے کے بعد انہوں نے قوم کے بچوں کو ادب پڑھانے کا پیشہ اختیار کیا اور گورنمنٹ کالج باغبان پورہ میں درس وتدریس کا فریضہ ادا کرنے لگے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے کالم نگاری کا شغل اختیار کرلیا تو طنز ومزاح ان کے داخل سے نکل کران کی تحریروں میں ازخود سما جاتا۔ اس لحاظ سے وہ فطرتی مزاح نگار ہیں۔ وہ ان دنوں گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور میں شعبہ اردو میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ اور اپنی تدریسی ضرورتوں کے لیے تنقید نگاری بھی کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کی کتاب ''اصنافِ ادب اردو'' ایم اے، ایم فل کے طلبہ کے لیے ایک راہنما کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔ ''غلامِ عباس'' کا تجزیہ انہوں نے فکروفن کے آئینے میں کیا ہے۔

پروفیسر تنویر حسین کے مزاح کی تین کتابیں چھپ چکی ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مزاج بخیر
۲۔ خوش آمدید
۳۔ شاباش

اردو پڑھانا ان کا پیشہ ہے۔ لکھنا ان کا شوق ہے اور مزاح نگاری ان کا فطری فریضہ ہے۔ پروفیسر صاحب ان دنوں روزنامہ ''نوائے وقت'' میں کالم لکھتے ہیں۔ اکثر اردو بازار تشریف لاتے ہیں تو مقبول اکیڈمی پر بھی قدم رنجہ فرماتے ہیں۔ دھان پان پروفیسر تنویر حسین اندر سے بھاری بھرکم ہیں۔ اس کا ثبوت ان کا وہ مضمون ہے جو انہوں نے ''سفر جاری ہے'' پر لکھا اور روزنامہ ''جرأت'' میں شائع کروایا۔ ان کا خط ان کے خلوص کا آئینہ ہے۔

Marfat.com

پروفیسر تنویر حسین

سفر جاری ہے

ابتدائی دور میں میں نے اُردو بازار کے ناشرین کی فرمائش پر کچھ کتابیں لکھیں۔ ایک دن میرے اندر کے ادیب نے مجھ سے فرمائش کر دی کہ میں اپنے لیے بھی کوئی کتاب لکھوں۔ ان دنوں میں نے ''روزنامہ مشرق'' میں طنز و مزاح پر مبنی مضامین لکھنے شروع کر دیے تھے۔ ''جنگ'' کے ادبی صفحے کے موجودہ انچارج مشہور فیچر نگار محترمی رؤف ظفر صاحب ان دنوں ''مشرق'' میگزین کے ایڈیٹر تھے۔ وہ میرا مضمون میرٹ پر چھاپتے تھے۔ ان دنوں کچھ مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ مضامین پر مشتمل میری پہلی ادبی کتاب ''مزاج بخیر'' چھپ کر مارکیٹ میں آ گئی۔ اس کتاب نے مجھے نام دیا۔ مجھے پہچان دی اور بہت سے مشہور شاعروں، ادیبوں، مصنفوں، نقادوں اور پبلشروں سے ملوایا۔ جب میں نے طنز و مزاح پر مبنی اپنی دوسری کتاب ''خوش آمدید'' لکھی تو اس کتاب کا مسودہ لے کر میں سرکلر روڈ پر واقع ایک مشہور طباعتی ادارے ''مقبول اکیڈمی'' میں چلا گیا۔ ویسے تو میں نے ملک مقبول احمد صاحب کو اُردو بازار میں آتے جاتے اور اپنے دوستوں سے ملتے جلتے دیکھا تھا لیکن ذاتی طور پر ان کی ملاقات سے فیض یاب نہیں ہوا تھا۔ مُصنف مشہور نہ ہو اور اس کے قارئین کا حلقہ محدود ہو تو وہ نامور پبلشروں سے خوف کھاتا ہے۔ مجھ پر بھی اپنے غیر

Marfat.com

معروف ہونے کا کچھ ایسا ہی خوف طاری تھا۔ جب محترم ملک مقبول احمد صاحب سے ملاقات ہوئی تو ان کی سادہ دلی، محبت بھری اور باغ و بہار طبیعت نے یہ خوف بھی دور کر دیا۔ میں نے اپنی کتاب کا مسوّدہ چھاپنے کے لیے مقبول صاحب کے حوالے کیا تو انہوں نے بڑی محبت سے اسے شرفِ قبولیت بخشا۔ میں وقتاً فوقتاً اپنی کتاب کی طباعت کے مراحل کے بارے میں ملک صاحب سے پوچھنے جاتا تو ملک صاحب اپنے ملازم کو بھیج کر چائے منگواتے۔ چائے کے دوران حال احوال پوچھتے۔ ادب پر گفتگو کرتے اور حالاتِ حاضرہ پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے۔ میں ڈیڑھ برس تک ان کے ادارے میں جاتا رہا۔ مجھے ہر مرتبہ ان سے محبت اور شفقت سمیٹنے کا شرف حاصل ہوا۔ ان دنوں اچانک مارکیٹ میں کاغذ نایاب ہو گیا۔ میں عُجلت میں تھا اور میری کتاب ان کے ادارے سے شائع نہ ہو سکی۔

چند روز قبل ڈاکٹر انور سدید صاحب نے ''نوائے وقت'' کے ادبی صفحے پر ملک مقبول احمد صاحب کی خودنوشت ''سفر جاری ہے'' پر ایک خوبصورت مضمون لکھا۔ اس سے پہلے میرے علم میں نہیں تھا کہ ملک صاحب کو کتابیں شائع کرنے کے ساتھ ساتھ کتابیں لکھنے کا بھی شوق ہے۔ جب میں ملک صاحب کی خودنوشت کی مبارک باد دینے ان کے ادارے میں گیا تو ملک صاحب مجھے ایک ناشر کی بجائے ایک مصنف کی حیثیت سے ملے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں جہاں بے شمار خوبصورت جملے لکھے ہیں، وہاں ان کا یہ جملہ بھی کتاب کی جان بن گیا ہے۔

''پھولوں کے درمیان رہ کر خوشبودار ہو جانے والی مٹی کی طرح میں بھی ادباء، شعراء، مصنفین، مترجمین، معلمین، محققین اور عالی ظرف انسانوں اور کتابوں کے داخلی جمال سے اس طرح فیض یاب ہوا کہ خود بھی ایک کتاب بن کر رہ گیا۔''

اس کتاب کو پڑھتے ہوئے دلچسپی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ مقبول صاحب اس

Marfat.com

عمر میں پہنچ کر واپس انہی قدموں پر اپنے بچپن کو تلاش کرنے نکلے ہیں۔ انہیں اپنا گاؤں، اس کی پگڈنڈیاں، اس کے درخت، اس کے ندی نالے، اپنے عزیز واقارب دوست احباب ایک ایک کر کے سب یاد آتے ہیں۔ انہیں اپنے گاؤں کی وہ میٹھی میٹھی فضا بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ جب وہ ہم جولیوں کے ساتھ گلی ڈنڈا، والی بال اور فٹ بال کھیلتے۔ ملک صاحب اس غیر محفوظ دور کے بارے میں کہتے ہیں۔'' اخبارات قتل و غارت کی خبروں سے بھرے ہوتے ہیں۔ کلاشنکوف کا ایک برسٹ مار کر آنِ واحد میں کئی بے گناہ لوگوں کا خون بہا دیا جاتا ہے۔'' مقبول صاحب نے اپنی محترم والدہ جنہیں وہ بے جی کہتے تھے، کا ذکر ایک سعادت مند بیٹے کی حیثیت سے اتنے متاثر کن انداز میں کیا ہے کہ قاری کی آنکھوں میں بھی آنسو آ جاتے ہیں۔ مقبول صاحب اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے پروردگار نے مجھے جو عزّت، کامیابی، طمانیتِ قلب اور روحانی سکون عطا کیا ہے، وہ میری ماں بے جی کی دعاؤں کا ثمر ہے۔

''سفر جاری ہے'' کا ایک حصہ چند مُصنّفین کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں ملک صاحب نے اپنے ان دوستوں اور کرم فرماؤں کے بارے میں لکھا ہے، جن کی علمی ادبی صلاحیتوں کے وہ خود بھی معترف ہیں اور ان کی کتابیں بھی شائع کر چکے ہیں۔

''سفر جاری ہے'' میں ایک گوشہ مشاہیر، اور اعلیٰ حُکّام کے خطوط کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ اس گوشے سے تاریخی حقائق اور کتب کی نشر و اشاعت کے بارے میں دلچسپ باتیں سامنے آتی ہیں۔ مشاہیر اپنے خطوط میں مقبول صاحب کی خوش خلقی، کتاب دوستی اور کاروباری اصولوں کی تحسین کرتے نظر آتے ہیں۔

''سفر جاری ہے'' کا آخری حصہ مقبول اکیڈمی کی ان مطبوعات پر مشتمل

Marfat.com

ہے ،جن پر مختلف اخبارات اور رسائل و جرائد میں کالم اور تبصرے شائع ہوئے۔ مقبول صاحب کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں ۔''تخلیق اور صحت مند تخلیق پا جانے کے بعد کتاب کو شوکیس میں سجا کر رکھ دینے ہی سے اس کا اہم مقصد پورا نہیں ہو جاتا۔ اس کا مقصد تب پورا ہوتا ہے، جب وہ قارئین کے ہاتھوں میں پہنچا دی جاتی ہے۔'' مقبول صاحب کی اس کتاب کے اندازِ نگارش نے ناشرین اور مُصنّفین کے درمیان ایک صحت مند مقابلے کی فضا بھی پیدا کر دی ہے اور یہ عام کہاوت غلط ثابت ہوگئی ہے کہ پبلشر صرف کتاب چھاپ سکتا ہے، کتاب لکھ نہیں سکتا۔

(روز نامہ جرأت ۔لاہور 2 مارچ 2007ء)

Marfat.com

محترمہ ثریا خورشید

محترمہ ثریا خورشید قائداعظم محمد علی جناح کے پرائیویٹ سیکرٹری اور آزاد کشمیر کے صدر جناب کے، ایچ خورشید کی اہلیہ محترمہ ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد کا تعلق کشمیر سے ہے۔ آپ کے والد ڈاکٹر نور حسین ریاست جموں و کشمیر میں ڈائریکٹر ہیلتھ سروسز اور مہاراجہ ہری سنگھ کے ذاتی معالج تھے۔ انہیں مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقعہ ملا اور یوں ان کے دل میں مسلمانوں کے لیے آزاد وطن کے جذبات پرورش پانے لگے۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے تاریخ میں ایم اے کیا اور انگلستان سے بی اے کی ڈگری لی۔ 1956 میں ان کی شادی بیرسٹر خورشید سے ہوگئی۔ اور وہ کشمیری عوام بالخصوص خواتین کے لیے کام کرنے لگیں۔ آزاد کشمیر کی خواتین زیور تعلیم سے آراستہ اور اپنے حقوق سے آشنا کرنے میں ان کی خدمات گراں قدر ہیں۔

اپنے شوہر کی وفات کے بعد انہوں نے اپنا سماجی کام جاری رکھا اور اس کے ساتھ ہی وہ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی آگئیں، محترمہ ثریا خورشید نے اپنے شوہر کی سوانح عمری لکھنے کے علاوہ ''چناروں کے سائے''۔۔۔ ''املتاس کے پیڑ'' اور ''بانہال کے اس پار'' کے عنوانات سے کشمیر کی ثقافت و سیاست پر کتابیں لکھیں۔

محترمہ ثریا خورشید ان دنوں ''نوائے وقت'' لاہور میں مضامین لکھتی ہیں۔

میری کتاب ''سفر جاری ہے'' کو انہوں نے نسوانی زاویے سے دیکھا ہے۔ عورت ہونے کے ناتے انہوں نے میری اہلیہ کے کردار کی تحسین کی ہے جو میری عملی زندگی میں معاون ہیں۔

Marfat.com

ثریا کے ایچ خورشید

''سفر جاری ہے''

ملک مقبول احمد کی سوانح حیات ''سفر جاری ہے'' بڑی دلچسپ اور حقیقت کے قریب ترین ہے۔ سادگی اور خلوص سے جس طرح انہوں نے اپنی زندگی کے شب و روز کو الفاظ میں ڈھالا ہے۔ وہ پڑھنے والے پر بڑا گہرا تاثر ڈالتی ہے۔ روزمرّہ کی باتیں جو ویسے معمولی لگتی ہیں لیکن سوچا جائے تو ان سے زندگی بنتی ہے اور ہم یادوں کے بھنور میں ان باتوں، ان واقعات سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ پھر سچ کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ اس لیے ان کی باتیں چھوٹے چھوٹے واقعاتِ تسلسل سے بڑھتا ہوا زندگی کا سفر بڑا خوبصورت لگتا ہے۔ ایک اچھی کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اگر آپ اسے پڑھنا شروع کریں تو چھوڑنے کو دل نہ چاہے۔ 'سفر جاری ہے' ایسی ہی ایک منفرد کتاب ہے۔

اپنی ابتدائی زندگی، گاؤں کی سادہ زندگی، سادہ لوگوں کی سوچ، سادہ شب و روز جن میں دکھاوا نہیں، منافقت نہیں، محبت ایثار اور یکجائی ہے۔ سب کے ذکر نے اس خودنوشت کو بہت دلچسپ بنا دیا ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ نہ ہونے کے باجود ان کی تحریر، کتابوں سے ان کی محبت، نشر و اشاعت سے ان کی دلچسپی، اپنا رسالہ شروع کرنے کی جستجو اور محنت پھر علم و ادب سے محبت کرنے والوں سے ہم آہنگی اور دوستی، تحریر میں سادگی، دکھاوا اور نمائش سے دور، تصنع و بناوٹ سے ہٹ کر، علم سے محبت ان کے کردار کی ایک خاص خوبی ہے۔ اپنے گھر والوں کا قرب اور محبت انہیں میسّر ہوئی، لیکن اپنے احباب اور چاہنے والوں کے بھی وہ بہت قریب رہے۔ لین

Marfat.com

دین میں ایمان داری، اپنا نصب العین بنایا۔ اور خلوص کے ساتھ اپنے ہم عصروں اور احباب سے تعلقات نبھائے۔ اپنے گھر والوں سے قرب تو سب کا ہوتا ہے۔ لیکن انسان کی معراج تو یہ ہے کہ خلوص اور محبت کے تعلقات ایسے سب لوگوں کے ساتھ روا رکھے۔ جن سے آپ کا تعلق رہتا ہے۔ ملک صاحب اس امتحان میں بھی کامیاب ہیں۔ ''سفر جاری ہے'' اس کی ایک درخشاں مثال ہے۔ 'مقبول اکیڈمی' کے لیے میری دلی دعائیں ہیں کہ جس کامیابی اور محنت سے ملک صاحب کی نگرانی میں وہاں کام ہو رہا ہے۔ ہمیشہ ایسے ہی ہوتا رہے۔ وہ اپنے لکھنے والوں کو بھی کبھی مایوس نہیں کرتے۔ وعدے کے مطابق ان کی کتابیں چھاپتے ہیں۔ یاددہانی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس ادارے نے جس طرح ترقی کی ہے۔ اس میں ملک صاحب کی محنت کے ساتھ ان کی نیک نیتی اور خلوص کا بھی بہت دخل ہے۔ ان کی آپ بیتی بھی اسی خلوص کا پرتو ہے۔

سچے اور کھرے واقعات جس سادگی سے بیان کیے ہیں۔ اس سے کتاب اور بھی خوبصورت ہوگئی ہے۔۔۔

اپنی خودنوشت میں مقبول صاحب نے جن الفاظ میں اپنی شریکِ حیات کو خراجِ عقیدت دیا ہے۔ وہ بھی اُن کے کردار کی ایک خوبی ہے۔ شوہر کی خوشنودی جس عورت کو میسر ہو۔ وہ بہت خوش قسمت ہوتی ہے اور اِس بات میں کوئی شک نہیں رہتا کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک خاتون کا ہاتھ ہوتا ہے۔ مرد کو ہر طرح سے بے غم کر دینا ایک عورت کی معراج ہے۔ اس طرح وہ یکسوئی سے کام کر سکتا ہے۔ اس لیے مقبول صاحب نے مشکلات کے باوجود کامیابی سے زندگی کا سفر طے کیا۔ انہیں بچوں کی محبت بھی نصیب ہوئی۔ خوش قسمتی کے ساتھ اس میں ان کی اہلیہ کا کردار بہت مؤثر ہے۔ اور پڑھنے والا اِس سے بھی مسحور ہوتا ہے۔

ان کا 'سفر' ابھی جاری ہے۔ نشر و اشاعت کے ساتھ وہ کئی فلاحی کاموں اور اداروں سے منسلک ہیں۔ اس لیے یہ سلسلہ چلتا رہے گا اور یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔ زندگی میں چھوٹی چھوٹی باتیں جو بسا اوقات غیر اہم لگتی ہیں، بڑی اہم ہوتی ہیں اور زندگی کے سفر میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

Marfat.com

جناب جان کاشمیری

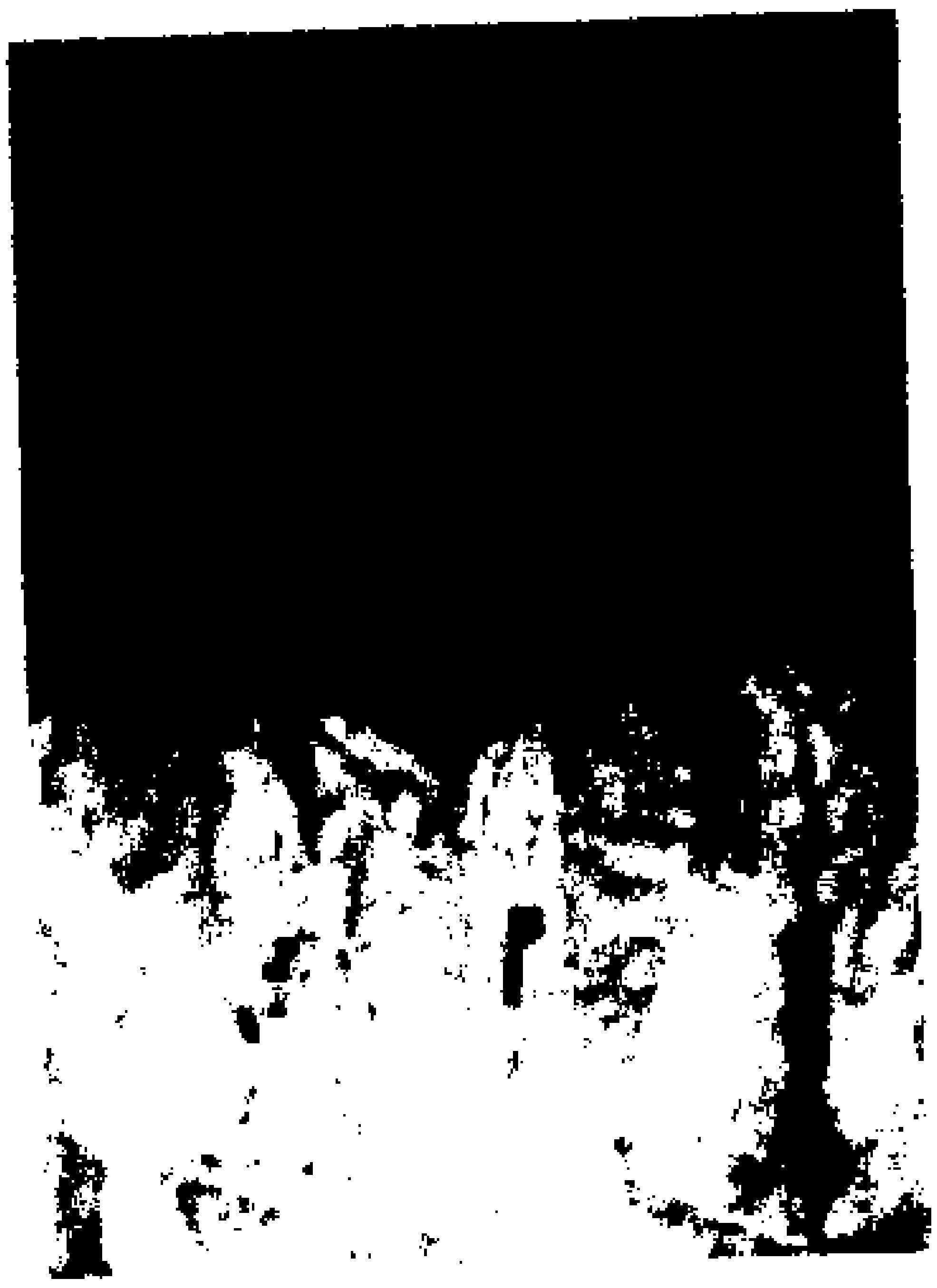

جان کاشمیری بنیادی طور پر معروف شاعر ہیں لیکن ان کا شمار ایسے فعال ادیبوں میں ہوتا ہے جن کا نصب العین کام، کام، اور کام ہے لیکن جو دوسروں کو بھی ادبی کام میں مصروف رکھتے ہیں۔ ان کا خاندانی نام محمد نصیر بٹ ہے۔ 15 اپریل 1953ء کو گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے اور زندگی کو طمانیت سے گزارنے کے لیے انجینئرنگ میں الیکٹریکل کا شعبہ اختیار کیا اور واپڈا میں ملازمت شروع کی تو انہیں ایس ڈی او کے عہدے پر فائز کیا گیا۔

جان کاشمیری اردو ادب کے بالعموم اور شعر و شاعری کے سچے عاشق ہیں اور اپنے عشق کو خون جگر سے پالتے ہیں۔ یعنی ادبی رسالہ ''قرطاس'' شائع کرتے ہیں۔ غزل، نظم، انشائیہ خاکہ نگاری، سفر نامہ اور کالم لکھنے میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ان کی پہلی ادبی نگارش 1968ء میں منظرِ عام پر آئی، اپنے ذوق کی فنی راہنمائی کے لیے انہوں نے گوجرانوالہ کے قادرالکلام شاعر اثر لدھیانوی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور تازگی و توانائی سے شاعری کرنے کے تمام رموز سیکھے اور مختلف اصنافِ ادب میں کتابیں شائع کیں۔ چند نام حسب ذیل ہیں۔

اعراف، برجستگی، ٹیس، جدائی اک جزیرہ، چلو تو ساتھ چلو، حیرت سے آگے، خلوت کے بعد۔۔۔ غزل کی کتابیں ہیں۔

''رات کی رانی'' انشائیوں کا مجموعہ ہے

''گل برائے دیگراں'' میں خاکے پیش کیے گئے ہیں

''سچ کی عادت'' میں انٹرویوز جمع کیے گئے ہیں۔

''تدوین'' فردیات کا مجموعہ ہے

پروائی کے نام سے انہوں نے اردو بیت بازی کا پہلا طبع زاد مجموعہ پیش کیا۔ جان کاشمیری نے رسالہ ''محفل''، ''روزن انٹرنیشنل''، ''شام و سحر'' اور السنین کی ادارت میں معاونت کی۔

رسالہ ''قرطاس'' میں ''سفر جاری ہے'' پر ان کا مقالہ ان کی اعلیٰ ظرفی اور کشادہ نظری ظاہر کرتا ہے۔

Marfat.com

جان کاشمیری

سفر جاری ہے۔۔۔جہدِ مسلسل کا استعارہ

''آپ بیتی'' ادب کی نازک، پیچیدہ، لرزیدہ اور مشکل ترین صنف ہے۔ یہ اپنے چوکھٹے میں دوسروں کی تصویریں جڑنے کا نام نہیں۔ یہ تو دوسروں کے حاشیوں میں اپنی ذات کے ٹکڑوں کو اس انداز میں سجانے کی سیماب پا سرگرمی ہے کہ جزو میں کُل کی سرسراہٹ دل و نگاہ کی جنت بن جاتی ہے۔ یہاں کُل کی لوح پر جزویات آناً فاناً یوں بغل گیر ہوتی ہیں کہ الگ الگ حد بندی کا گمان تک نہیں گزرتا جیسے کمپیوٹر کی سکرین پر ایک تصویر کے متعدد ٹکڑے بلا کی تیزی، صفائی اور حیران کن پھرتی سے آپس میں بہم ملتے ہیں اور اس امر کا احساس تک باقی نہیں رہتا کہ چند ثانیے پہلے یہ تصویر ٹکڑے ٹکڑے تھی۔ لیکن آپ بیتی کا مرحلہ اس برق زا عمل سے بھی زیادہ دشوار گزار ہوتا ہے کہ آپ بیتی نے کمپیوٹر کی سکرین کے بجائے یہ کارِ خیر دوسروں کے اذہان وقلوب پر سرانجام دینا ہوتا ہے۔ یہ سچ کو حق بنانے کے پہلو بہ پہلو خود کو سچ کی سُولی پر چڑھانے کی اعصاب شکن داستان ہے۔ اس میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہونے کے لیے قلم توڑ احتیاط، تخلیقی مہکار، ندرتِ مشاہدہ، وسعتِ تجربہ اور ان میں ایک لطیف توازن احساس کی کرچیوں کو لہو رنگ کیے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔

جس طرح کوئی ترجمہ نگار، ترجمہ کرتے ہوئے اگر ستر فیصد کامیاب ہو

Marfat.com

جائے تو اس کو معیاری ترجمہ نگار قرار دیا جاتا ہے۔ ترجمہ میں صد فی صد کامیابی بوجوہ خارج از امکان ہے۔ بالکل اسی طرح آپ بیتی میں اگر کوئی اپنی کتابِ زیست کے اوراق کی مکمل اُتھل پتھل کرنا چاہے بھی تو نہیں کر سکتا۔ بہت سے واقعات و سانحات لفظی سانچوں میں سما نہیں سکتے چنانچہ انسان اپنی انا کے تحفظ یا خوفِ فسادِ خلق کی آڑ لے کر ان کو گول کر جاتا ہے۔ اس کے باوجود زندگی کے دم بدم لہکتے، بہکتے، تھرکتے اور پھسلتے میدان میں کبھی گول ہوتے ہوتے رہ جاتا ہے۔ اس کے برعکس کبھی گول رہتے رہتے ہو جاتا ہے۔ زندگی کا یہی روّیہ سدا بہار ہے، جو انسان کے ادراک کی گرفت میں نہیں آتا۔

ملک مقبول احمد ''سفر جاری ہے'' کے روپ میں ادب کی بارگاہ کو اپنی قیام گاہ بنا چکے ہیں۔ کاش یہ قیام گاہ خواب گاہ بھی بن جائے۔ ملک مقبول احمد، مقبول اکیڈمی جیسے معتبر اور مثالی اشاعتی ادارے کے بانی و سربراہ ہیں۔ کتاب اور کتابی صنعت سے وابستہ لوگوں سے ان کے گہرے مراسم رہے ہیں۔ ان میں اتار چڑھاؤ، تلخی و ترشی کے مراحل آتے رہے، جنہیں ملک صاحب بلند حوصلے، زندہ دلی اور مثبت اندازِ فکر سے سر کرتے رہے۔ چونکہ یہ کتابی صنعت سے وابستہ ہیں لہٰذا قلم کاروں سے مراسم کا پیدا ہونا یا پیدا کرنا، تو فطری تقاضوں کے مطابق لگتا ہے۔ مگر ان مراسم کو خلوصِ نیّت، قلبی صداقت اور کاروباری دیانت سے ادا کرنا معجزانہ روّیہ ضرور ہے۔ کیونکہ جھوٹ کے اس بازار میں سچ کو کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ ان حالات میں ملک مقبول احمد کا دم غنیمت ہے۔

مقبول احمد نے ''سفر جاری ہے'' میں اپنے بچپن، لڑکپن، نوجوانی اور سر پر برفانی ٹوپی کی نمو پذیری تک کے واقعات کی روداد کو ادبیانہ رچاؤ سے پیش کیا ہے۔ اس رچاؤ میں تخلیقی جوار بھاٹا بار بار سر اٹھاتا ہے۔ جس سے قاری کو ایک خاص

Marfat.com

سرشاری نصیب ہوتی ہے۔مزید یہ کہ فقرات کے پنچھی ڈار میں تو سجتے ہی ہیں مگر ڈار سے الگ ہو کر بھی معتبر نظر آتے ہیں۔مثال کے طور پر چند فقرے ملاحظہ فرمائیں۔

1۔ انہوں نے دروازہ میرے لیے کھولا تو میں سمجھ گیا کہ یہ ان کے دل کا دروازہ ہے۔۔۔۔صفحہ نمبر 87

2۔ عظیم اشخاص لوگوں کی یادوں میں زندہ رہتے ، جیتے اور بستے ہیں ۔۔۔صفحہ نمبر 87,88

3۔ بہترین دوست وہ ہے جو آپ کو غلطی کی طرف متوجہ کروائے۔۔۔صفحہ نمبر 221

اس ''آپ بیتی'' میں جہاں اور کئی عنوانات دامنِ دل پر اثر انداز ہوتے ہیں وہاں ،کلوئے کے اللہ ماہی ، رپورٹ پٹواری مفصل ہے ، بیوی کی الاٹمنٹ ، دانا بابا کستوری ، ہاکس بے کے نظارے اور بغیر ٹکٹ سفر ، جیسے واقعات کو اتنی ہنر مندی اور بصیرت افروزی سے قلم بند کیا گیا ہے کہ الفاظ سطر اندر سطر جگمگاہٹوں کی آماجگاہ محسوس ہوتے ہیں ۔سونے پر سہاگا کے مترادف موقع کی مناسبت سے اشعار کا استعمال اس آپ بیتی کی ایک اضافی خوبی بلکہ محبوبی ہے جو ملک صاحب کے اعلیٰ شعری ذوق کا ثبوت ہے۔

''سفر جاری ہے'' میں آپ کی ملاقات احسان دانش ، ڈاکٹر انور سدید ، میرزا ادیب ، اے حمید ، ڈاکٹر طارق عزیز ،علی سفیان آفاقی ، ساغر صدیقی ، مولانا صلاح الدین احمد ، رئیس احمد جعفری ، طارق اسمٰعیل ساگر ، ڈاکٹر صفدر محمود ، امجد اسلام امجد ، ڈاکٹر وحید قریشی ، سید قاسم محمود ، عبد العزیز خالد ، ناصر نقوی ، سید واجد رضوی ، عذرا اصغر ،ظفر علی راجا ، اظہر جاوید اور بہت سے دوسرے موجود اور ناموجود قلم کاروں سے ان کے خطوط کے ذریعے ہوتی ہے۔یہیں سے ''سفر جاری ہے'' کے خالق لاشعوری طور پر ادب کی مختلف سمتوں میں نکل جاتے ہیں۔جس کے نتیجے میں

Marfat.com

خطوط نگاری، خاکہ نویسی، مکالمہ نویسی اور سوانح نگاری کا چوکھا روپ یہ تشکیل پاتا ہے جو دل، دماغ، روح اور آنکھوں کو طمانیت فراہم کرتا ہے۔ جس سے ایک ٹکٹ میں چار مزوں کا حظ اٹھایا جا سکتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ ممتاز کانٹے دار نقاد ڈاکٹر انور سدید ''سفر جاری ہے'' کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

''میرے خیال میں اُردو کے کسی ادبی ناشر کی یہ پہلی آپ بیتی ہے، جس میں مقبول احمد نے اپنی زندگی کو انکسار اور صداقت سے پیش کر دیا ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں زیبِ داستاں سے کام نہیں لیا گیا۔ مقبول صاحب نے اپنے ابتدائی حالات کو سچائی سے پیش کیا ہے۔ اپنی کم علمی کو کمزوری نہیں سمجھا بلکہ مجھے اس کتاب میں یہ کم علمی ان کی شہ زوری نظر آتی ہے اور وہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہونے کی بجائے عزمِ راسخ اور جستجوئے پیہم کا ثبوت دیتے ہیں۔ اس آپ بیتی سے میری ملاقات ایک ایسے اسلام پسند ناشر سے ہوئی، جس نے کتاب کی اشاعت کو ایک مقدس فریضہ کے طور پر قبول کر رکھا ہے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ ''سفر جاری ہے'' ملک مقبول احمد کی اوّلین کتاب ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں ملک صاحب فی زمانہ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہیں لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ جب کوئی کم تعلیم یافتہ مسافر عزمِ راسخ، راست فکری اور نیک نیتی کا ساز و سامان لے کر تحقیق و تخلیق کے خارزار میں اترتا ہے تو وہ زیادہ تعلیم یافتہ لوگوں کو پیچھے چھوڑ کر تعلیم کی سرحد کو عبور کرتا ہوا علم کی پناہ میں آ جاتا ہے اور یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ علم مکتب کا نہیں، عطا کا محتاج ہے۔ حفیظ جالندھری، احسان دانش اور قتیل شفائی ہمارے سامنے کی مثالیں ہیں۔ ان نابغۂ روزگار ہستیوں کی تعلیمی استعداد برائے نام تھی مگر ان کی علمی عظمت کا پورا اردو ادب معترف ہے۔ ایک مرتبہ حضرت قتیل شفائی سے سوال کیا گیا کہ

Marfat.com

''آپ کی تعلیم کتنی ہے؟'' حضرت قتیل شفائی نے جو جواب دیا وہ آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ''مجھ پر پی۔ ایچ۔ ڈی ہو چکی ہے'' یہ واقعہ تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ منزل تعلیم سے نہیں لگن سے ملتی ہے۔ لہٰذا مقبول احمد حسبِ سابق اپنی لگن کی طرف توجہ دیں، اپنے قلمی قبلہ کو چشمِ بصیرت سے اوجھل نہ ہونے دیں

یہ عطا نہیں تو کیا ہے کہ ''سفر جاری ہے'' ملک مقبول احمد کی اولین کتاب ہے مگر اس میں کچا پن لاکھ کوشش سے بھی نہیں ملتا۔ تسلسلِ فکر کہیں کج نظمی کا شکار نہیں ہوتا۔ کتاب کو پڑھنے کے دوران اکتاہٹ، خود بیزاری یا آدم بیزاری کے احساسات کی پرچھائیاں بھی قریب آنے کی جرأت نہیں کرتیں۔ اس کے الٹ الفاظ کی نشست و برخاست اور محاوراتی لوچ کے ہاتھوں میں حرمتِ قلم کا علَم سر بلند ہے، جس کی سرسراہٹوں سے عجیب سی طمانیت حاصل ہوتی ہے، جو دل گداز بھی ہے اور دل ساز بھی۔ جو دل کے بھولے بسرے تاروں کو کستی بھی ہے اور ان پر برستی بھی ہے۔ بعض مقامات پر تو ایسے لگتا ہے کہ ملک مقبول احمد کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو میرے دامن پر گر رہے ہیں اور میرے آنسو ان کے استقبال کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں یا میرے آنسو ملک صاحب کی آنکھوں سے بہہ کر مجھے جھنجھوڑ رہے ہیں اور میرے ماضی کی جھلکیاں میرا منہ چڑا کر یہ کہہ رہی ہیں یقیناً یہی روّیہ جہدِ مسلسل کا استعارہ ہے۔

سہ ماہی ''قرطاس'' گوجرانوالہ

Marfat.com

جناب جاوید اختر بھٹی

جاوید اختر بھٹی اردو ادب میں حق گوئی، بے باکی اور جرأت مندی کی مثال ہیں۔ وہ 2 فروری 1958ء کو اولیائی کے شہر ملتان میں پیدا ہوئے۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہوں نے آزاد صحافی کا منصب سنبھال لیا اور اپنا تمام وقت مطالعے میں صرف کرنے لگے۔ چنانچہ ان کی نوجوانی کا دور عالمی مصنفین کے سائے میں گزرا اور وہ صداقت کی تلاش پر مائل ہوئے تو تحقیق کے میدان میں آ گئے۔ تخلیقی زاویے سے انہوں نے افسانہ نگاری اختیار کی اور ''چاند کے زخم'' ۔۔۔ ''مگر تم زندہ رہنا'' ۔۔۔ اور ''ربی ذات'' جیسی کتابیں پیش کیں۔

تحقیق و تہذیب کے زاویے سے ان کی کتابیں ۔۔۔ ''اردو ہندی (ایک تاریخی جائزہ)''۔ ابر گہر بار (بال کشن تبرہ ابر ملتانی کی گم شدہ شاعری کی دریافت) فیضان آزاد۔ الہلال و البلاغ کے اشارات و مباحث ۔۔۔ ''اخوان الصفا'' ۔۔۔ اور بیس معروف ادبی شخصیات'' بہت معروف ہیں۔

جاوید اختر بھٹی نے ملتان کے ادب روشناس خلق کرانے کے لئے ''ملتان میں اردو ادب'' کے عنوان سے 1985ء اور 1986ء کے جائزے لکھے۔ وہ کل وقتی ادیب ہیں اور قومی آواز ''نوائے ملتان''، ''الشمس'' میں ادبی صفحات مرتب کرتے رہے ہیں۔ ان کے مضامین، تبصروں اور کالموں کی تعداد شمار نہیں کی جاسکتی۔ ان دنوں ان کے کالم ملتان میں نوائے وقت، نیا دن اور ''نوائے حقیقت'' میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے ادبی کالموں کی کتاب ''حاشیے'' چھپ چکی ہے۔

جاوید اختر بھٹی نے ''سفر جاری ہے'' ۔۔۔ ''ایک مطالعہ'' کے عنوان سے مقالہ لکھا ہے۔ اور اس میں ''آپ بیتی'' کے فن پر چند بنیادی باتیں بھی پیش کر دی ہیں۔ ان کا خط بھی نذر قارئین ہے۔

Marfat.com

جاوید اختر بھٹی

517/1 ریلوے روڈ ملتان

15 اپریل 2007ء

جناب ملک مقبول احمد صاحب!

السلام علیکم!

آپ کی خوبصورت کتاب ''سفر جاری ہے'' ملی۔ اس نوازش کا بے حد شکریہ۔ میں اس کتاب کو پڑھتے ہوئے ایک ہی بات تلاش کرتا رہا کہ ناشر جب کتاب لکھتا ہے تو کس کیفیت سے گزرتا ہے۔

وہ منظر کیسا ہوگا، واقعی دلچسپ ہوگا، جب آپ کے پوتے، پوتیاں اور نواسیاں آپ کو کتاب لکھتے دیکھ رہے تھے۔ جب ان میں سے ایک بچی ''بینا'' نے پوچھا۔

''دادا ابا آپ کی کتاب ''باغبان'' کا کیا بنا''

آپ کے دل ودماغ میں کتنے چراغ روشن ہوئے ہوں گے

میں نے آپ کی کتاب کو غور سے پڑھا۔ تو محسوس کیا کہ بچوں کا اندازہ درست تھا۔ اگر اس کتاب کا نام باغبان رکھتے تو معنویت زیادہ نمایاں ہوتی۔ مقبول اکیڈمی نے علم وادب کی باغبانی ہی تو کی ہے۔

مقبول اکیڈمی تو اسی دن قائم ہوگئی تھی جب آپ نے پٹواری اور گارڈ بننے سے انکار کر دیا تھا اور تدریس کو ترجیح دی تھی۔

میرزا ادیب مرحوم کی رائے آپ کے حوالے سے بہت شاندار ہے

Marfat.com

''ہمارے یہاں ناشر اور مصنف کے درمیان عام تنازع رہتا ہے۔ آپ بالکل ہی مختلف ہیں۔ میں نے آج تک کسی مصنف کو بھی آپ کے خلاف بولتے ہوئے نہیں دیکھا۔''

اللہ کرے آپ کا یہ سفر جاری رہے۔ صحت اور سلامتی کے لیے دعا گو

جاوید اختر بھٹی

Marfat.com

جاوید اختر بھٹی

''سفر جاری ہے''........ ایک مطالعہ

زندگی نامہ تحریر کرنا بہت آسان ہے۔ آپ یاد کرتے جائیں۔ لیکن یہ سب سے مشکل کام ہے۔ زندگی کی پہلی یاد سے آخری واقعہ تک سب کچھ سامنے آتا ہے۔ زندگی کے تمام زخم، خوشیاں، محبتیں، دکھ سکھ سب ایک ساتھ ہجوم کی صورت میں ذہن میں آتے ہیں اور پکار پکار کر کہتے ہیں۔ ہم تمہاری زندگی، تمہارے وجود کا حصہ ہیں، ہمیں یاد کرو، ہمیں لکھو۔

زندگی نامہ کو اعترافات کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ وہ سب کچھ جو ہم نے کسی وجہ سے پوشیدہ رکھا۔ جنہیں ہم نے ذہن کے بہت سے خانوں میں بند کر دیا۔ زندگی نامہ لکھتے وقت یہ سارے خانے از خود کھل جاتے ہیں۔ یا پھر یوں کہیے کہ کمپیوٹر کی تمام فائلیں کھل کر سامنے آ جاتی ہیں۔

ملک مقبول احمد ایک ناشر کے طور پر شہرت رکھتے ہیں۔ ان کا ادارہ مقبول اکیڈمی علمی و ادبی حلقوں میں اچھی شہرت کا حامل ہے۔ اس ادارے کی کتابوں کو پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ ''سفر جاری ہے'' مقبول صاحب کی خودنوشت ہے، جس میں انہوں نے اپنی زندگی کا سفر قلم بند کیا ہے اور یہ اُردو ادب کے کسی ناشر کی پہلی خودنوشت ہے۔ جس میں لکھنے والے نے خود کو ناشر کے طور پر پیش کیا ہے اور اپنی

Marfat.com

زندگی کے مشاہدے اور تجربے بیان کیے ہیں۔

جب کوئی ادیب زندگی نامہ لکھتا ہے تو وہ اپنے عیب و ہنر کو افسانہ بنا کر پیش کرتا ہے۔ یہ اس کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کہاں سچ بولے گا اور کہاں افسانہ لکھے گا۔ مقبول احمد نے جو کہا وہ اس لیے سچ ہے کہ وہ افسانے نہیں لکھتے، ڈرامے نہیں بناتے۔ ان کے نزدیک زندگی ایک سچائی ہے اور وہ اسے سچائی کے ساتھ ہی بسر کرتے ہیں۔ ''سفر جاری ہے'' کی یہی خوبی ہے کہ یہ کسی ادیب کی خودنوشت نہیں ہے۔ اس لیے اس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

علی سفیان آفاقی لکھتے ہیں:

> ''اس خودنوشت کا ہر صفحہ ملک صاحب کے شوقِ جستجو، محنت و لگن اور سادگی کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ انہوں نے اپنی شخصیت کا کوئی بھی پہلو چھپا کر نہیں رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ خودنوشت کے خاتمے پر قاری اپنے تجربے اور مشاہدے میں بہت کچھ اضافہ کر کے کتاب بند کر دیتا ہے۔''

یہاں مجھے سیف الدین سیف کا یہ شعر یاد آتا ہے:

سیف اندازِ بیاں رنگ بدل دیتا ہے
ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں

ہم جس تجربے سے گزرتے ہیں۔ ان تجربوں سے لاکھوں لوگ گزر چکے ہیں اور ہمارے عہد میں بھی گزر رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہر شخص کا تجربہ مختلف ہوتا ہے۔ اس کی کیفیت اور جذبات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ یہی انفرادی احساسات اور جذبات ہمارے تجربے اور مشاہدے کو ایک دوسرے سے الگ کرتے ہیں اور ہمیں انفرادیت عطا کرتے ہیں۔

Marfat.com

اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا حصہ: بارہ ادیبوں نے اس کتاب کے بارے میں اپنی رائے دی ہے۔اس میں ملک مقبول احمد کی شخصیت اور ادب دوستی کا ذکر آتا ہے۔ ادیبوں سے ان کے خوشگوار تعلقات کا پتا چلتا ہے۔

دوسرا حصہ: یہ حصہ ان کی زندگی کا سفر ہے۔جس کے لیے دعا ہے کہ وہ تادیر جاری رہے۔

تیسرا حصہ: اس میں ان کے انٹرویو، ان کے نام ادیبوں کے خطوط، مقبول اکیڈمی کی کتابوں پر تبصرے اور کالم شامل ہیں۔ انہوں نے اس کتاب کو خود تین حصوں میں تقسیم نہیں کیا۔مگر اس کتاب کی ترتیب سے یہ تاثر ملتا ہے۔

مقبول صاحب لکھتے ہیں:

> ''ایک ناشر ہونے کے ناطے اپنی زندگی میں بے شمار مُصنّفین سے واسطہ پڑتا ہے۔ دراصل یہ سب میری زندگی کی کہانی میں شامل ہیں یا یوں کہیے کہ میری زندگی ان سب دوستوں کے ساتھ گزرے ہوئے وقت سے عبارت ہے۔''

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ناشر کو لکھنے والوں سے اور لکھنے والوں کو ناشر سے شکوہ رہتا ہے۔لیکن مقبول صاحب کا مصنفین سے دوستانہ تعلق رہتا ہے۔ ان کا ذکر انہوں نے اپنی خودنوشت میں نہایت محبت اور خلوص کے ساتھ کیا ہے۔

مقبول احمد ابتداء ہی سے ایک مختلف آدمی نظر آتے ہیں۔ ان کے والد صاحب کی خواہش تھی کہ وہ پٹواری بن جائیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر انہیں محکمہ جنگلات میں فارسٹ گارڈ تعینات کروانے کی کوشش کی گئی۔مگر انہوں نے اپنے لیے ان پیشوں کو پسند نہ کیا۔ بالآخر انہوں نے تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔

Marfat.com

لاہور آنے کے بعد انہوں نے ''چودھویں صدی'' کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا اور اس کے ساتھ پبلشنگ کے کام کا آغاز کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقبول صاحب شروع ہی سے کوئی منفرد کام کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

مجھے اس کتاب میں ایک حصہ خوبصورت نظر آیا۔ جس میں وہ پوتے پوتیوں اور نواسیوں سے اس کتاب کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ لیکن یہ ایک مختصر سی جھلک ہے۔ جس میں ایک بڑا منظر نظر آیا۔ مقبول صاحب نے جب اپنے گھر میں کتاب لکھنے کا ذکر کیا (یا اعلان کیا) تو گھر کے افراد میں گفتگو ہونے لگی۔ کیوں کہ اس گھر میں کتاب کے شائع ہونے کا ذکر تو اکثر کیا جاتا ہے لیکن لکھنے کا ذکر پہلی بار آیا۔

ملک مقبول احمد لکھتے ہیں:

''اس بات کا ذکر میں نے گھر میں دوسرے افراد سے کیا تو میری نواسی ماریہ کو بے حد خوشی ہوئی۔ اس نے مطالبہ کیا کہ میں اپنی کہانی اپنی زبانی لکھنے میں دیر نہ کروں۔ پھر یوں ہوا کہ ہر دوسرے تیسرے روز میرے پوتے، پوتیاں اور نواسیاں حیرت کا اظہار کرنے لگیں۔'' دادا جان ابھی تک آپ کی کہانی مکمل نہیں ہوئی؟''
میری نواسی پینا بھارتی فلم ''باغبان'' سے متاثر ہے۔ وہ پوچھتی:''
ابا! آپ کی کتاب ''باغبان'' کا کیا بنا؟''

میرا خیال ہے کہ بچوں کی رائے درست ہے۔ اس کتاب کا حقیقی نام ''باغبان'' ہی ہے۔ ملک مقبول احمد نے ساری زندگی علم و ادب کی باغبانی ہی کی ہے۔ ایک باغ ان کا گھر ہے۔ جو یقیناً انہیں دل و جان سے زیادہ عزیز ہے تو پھر اس کتاب کا نام ''باغبان'' ہی ہوا۔

''سفر جاری ہے'' کی اشاعت کے بعد ملک مقبول احمد ادیبوں کی صف میں شامل ہو گئے ہیں۔ میں انہیں مبارک باد پیش کرتا ہوں اور صفِ دوستاں میں شمولیت پر خوش آمدید کہتا ہوں۔

Marfat.com

جناب پروفیسر جمیل آذر

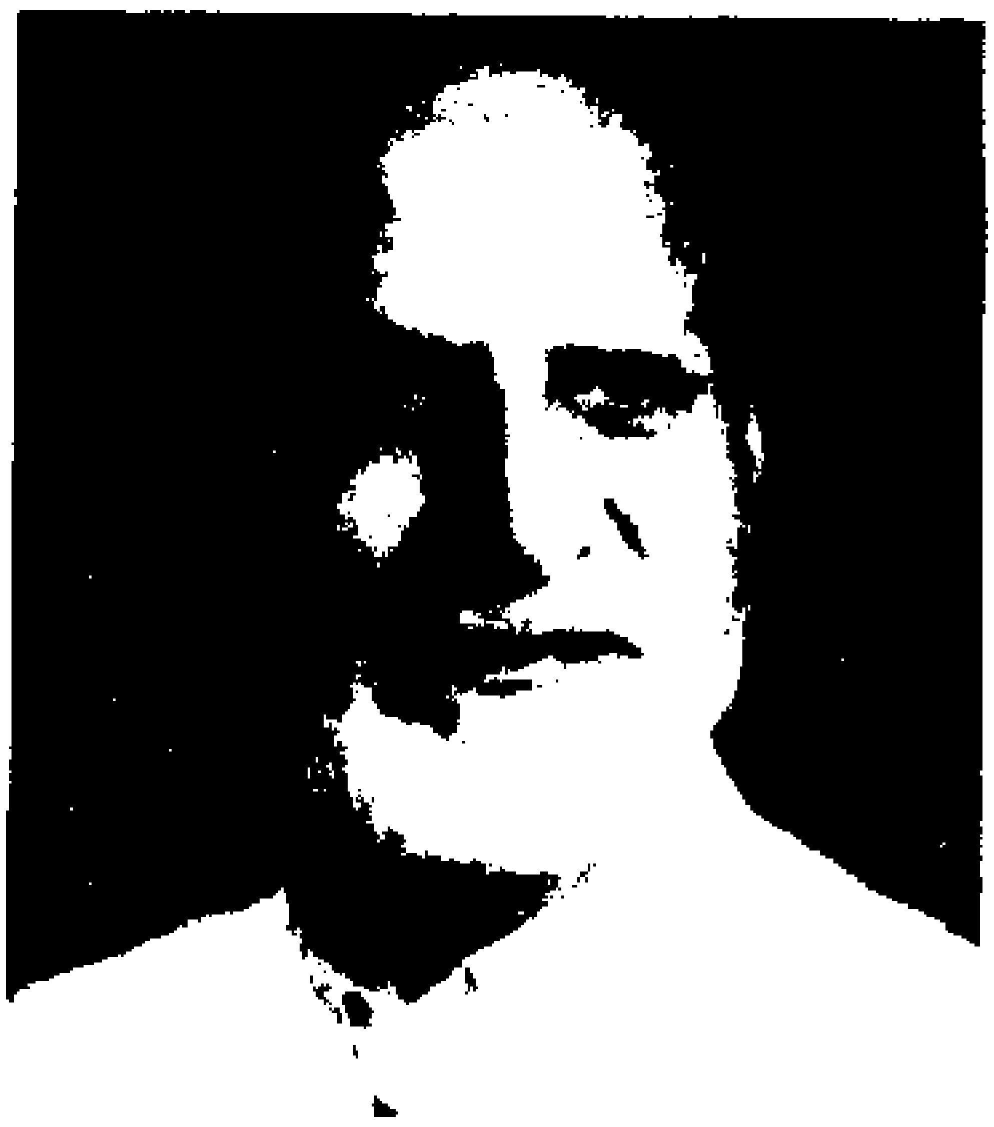

پروفیسر جمیل آذر انگریزی ادب کے استاد، بلند پایہ نقاد اور انشائیہ کے ابتدائی تعارف نگاروں میں شامل ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا کے بعد اردو انشائیہ میں ان کا نام اور کام سب سے اہم سمجھا جاتا ہے۔

جمیل آذر 30 جون 1930ء کو بھارت کے شہر انبالہ میں پیدا ہوئے۔ ایم اے (انگریزی) اور ایم اے (اردو) کی ڈگریاں پاکستان آ کر حاصل کیں اور گورنمنٹ کالج اصغر مال راولپنڈی میں انگریزی پڑھانے پر مامور کیے گئے۔ 1990ء میں ریٹائر ہوئے تو ان کی زندگی میں ایک نیا انقلاب آ گیا اور وہ دین اسلام کی طرف راغب ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے انہیں پانچ مرتبہ حج کرنے کی سعادت عطا کی۔

پروفیسر جمیل آذر کے انشائیوں کے تین مجموعے ''شاخ زیتون'' ۔ ''رت کے مہمان'' اور ''وقت اے وقت'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ وہ ''اردو کے بہترین انشائیے'' کے مرتب بھی ہیں۔ تنقید میں ان کی کتاب ''انشائیہ اور انفرادی سوچ'' چھپ چکی ہے اور ان دنوں ''انشائی تنقید'' کو متعارف کرا رہے ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹر وزیر آغا کی منتخب نظمیں اور منشا یاد کے منتخب افسانے انگریزی زبان میں ترجمہ کیے ہیں۔

جمیل آذر صاحب کو کتاب ''سفر جاری ہے'' میرے دوست ڈاکٹر انور سدید نے بھیجی تھی۔ اس کتاب کو پڑھ کر انہیں اپنی زندگی کے وہ واقعات یاد آ گئے جو انہوں نے اپنے گم شدہ بچپن میں دیکھے تھے۔ انہوں نے اس کتاب پر جو طویل مضمون لکھا ہے اس میں اس ناچیز کو اپنی ذات کے حوالے سے دیکھا گیا ہے۔ یہ اردو زبان میں ایک نادر بلکہ پہلا تجربہ قرار دیا گیا ہے۔ میں اس مضمون کو اس کتاب کا حاصل سمجھتا ہوں۔ جمیل آذر میرے لیے اجنبی تھے۔ لیکن اب وہ میرے بہترین دوستوں بلکہ کرم فرماؤں میں شامل ہیں۔ وہ میرے لیے خدائے بخشندہ کی عطا ہیں اور غیب سے غالب کے شعر کی طرح اترے ہیں۔ خدا انہیں شاد آباد اور صحت مند رکھے۔ ان کا مکتوب ان کی محبت کا نقش جمیل ہے جو آذر نے تراشا ہے۔

Marfat.com

پروفیسر جمیل آذر
بی۔874 سیٹلائٹ ٹاؤن (راولپنڈی)
14 اپریل 2007ء

مکرمی و محترمی برادرم ملک مقبول صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کی کتاب ''سفر جاری ہے'' بہت بری ہے کیونکہ آج صبح میں اس کے پڑھنے میں اتنا جذب ہوا کہ صبح کی سیو ہی بھول گیا اور دھوپ نکل آئی اور بقول دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔ بہت دلچسپ! کون کہتا ہے کہ آپ کم تعلیم یافتہ ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ آپ نصابی علم کی تنگ نائے سے نکل کر غیر نصابی علم وفضل کے اتھاہ سمندر کے بے مثل (Unique) غواص ہیں۔

جو شخص کتاب کی اہمیت کو سمجھتا ہو اور جو مصنف اور ناشر کے بارے میں ایسا خوبصورت انشائی (تخلیقی) جملہ! ''بلا شبہ کتاب مصنف کے لکھ دینے ہی سے وجود میں آتی ہے لیکن کتاب کو صوری حسن و رعنائی ناشر فراہم کرتا ہے'' لکھ سکتا ہے اس کے نہ صرف خلاقانہ ذہن کی داد دینا پڑتی ہے بلکہ اسکے شعور علم کا بھی ادراک ہوتا ہے۔ آپ نے ہمارے دیہات کی ثقافت (کلچر) کو نہایت خوبصورت اور دلچسپ الفاظ کے پیکر میں ڈھال کر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔ میں نے ابھی کتاب کے صرف 53 صفحے پڑھے ہیں۔ یہ خط بطور رسید اور اپنے بے ساختہ (Spontaneous) رائے کے اظہار کے طور پر لکھ رہا ہوں تا کہ آپ کو اطمینان

Marfat.com

ہو جائے کہ میں آپ کے جاری سفر میں شامل ہو گیا ہوں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس دلچسپ اور فکر انگیز کتاب پر یہ چند الفاظ کی رائے کافی نہیں۔ میں اس پر ان شاء اللہ مفصل مضمون سپرد قلم کروں گا۔ یہ رائے تو تعمیل ارشاد کے لیے دی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو سدا اپنی عافیت اور رحمت میں رکھے۔ (آمین)

فقط والسلام

آپ کا مخلص

دعا گو جمیل آذر

Marfat.com

پروفیسر جمیل آذر

سفر جاری ہے ـــــ محبتوں کی مسافتوں کا

" The man who writes about himself and his own time is the only man who writes about all people and all time."

(George Bernard Shaw)

جنگل کی دیویوں نے جب جھیل سے پوچھا کہ کیا واقعی نارسی سس بہت خوبصورت تھا تو جھیل نے جواب دیا کہ میں نے اِس طرف کبھی دھیان نہیں دیا کیونکہ جب ہر روز وہ میرے کناروں کے پاس جھکتا تھا تو میں اُس کی گہری نیلی آنکھوں میں اپنے ہی حسن کو منعکس ہوتا دیکھتی تھی۔ عین اِس دلآویز اسطورہ کے مطابق میں نے جب ملک مقبول احمد کی آپ بیتی ''سفر جاری ہے'' کا مطالعہ کیا تو میں نے صفحۂ قرطاس پر مرقوم لفظوں کے آئینہ میں اپنے ہی حسن کا دیدار کیا اور سرشار ہو گیا۔ ماضی کے جھروکے سے جن یادوں کو ملک صاحب نے دیکھا اور بازیافت کیا مجھے ایسے لگا کہ وہ میری ہی یادوں کو آئینہ دکھا رہے ہیں۔ میری اور اُن کی پیدائش کا ایک ہی سن ہے۔۔۔۱۹۳۰ء۔

میری اُن سے ابھی بنفسِ نفیس ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن میری پہلی ملاقات

Marfat.com

اِس دلآویز جھیل یعنی ''سفر در سفر'' کے حوالے سے ہوئی اور میں مسحور ہوگیا۔ اِن صفحات پر جب میں نے علاج بذریعہ آب پڑھا تو میرا تجسس اور بڑھا۔ پہلے تو انہیں کتاب کے ملنے کی رسید ارسال کی اور کتاب کے بارے میں اپنے فوری تاثرات کا اظہار کیا پھر اُن سے درخواست کی کہ مجھے ڈاکٹر لوئی کوہنی کی کتاب بذریعہ وی پی پی ارسال کردیں۔ انہوں نے نہ صرف کتاب فوری طور پر مجھے بھیج دی بلکہ ٹیلیفون بھی کیا کہ اس کتاب کے ابتدائی صفحات پوری توجہ سے پڑھ لوں۔ اس کے بعد وہ مجھے خود بتائیں گے کہ پانی سے علاج کیسے کرنا ہے۔ میں نے جب اُن سے پوچھا کہ کتاب کی قیمت کے کتنے پیسے ارسال کروں تو فوراً جواب دیا کہ کوئی پیسہ نہیں۔ یہ میری طرف سے آپ کو تحفہ ہے۔ میں حیران ہوگیا کہ چار سو روپے کی کتاب کا یوں کسی کو دے دینا کوئی معمولی بات نہیں اور وہ بھی کسی ناشر اور بکس سیلر کا یہ انداز اگر ایک طرف اُن کے اعلیٰ ظرف ہونے کی نشان دہی کرتا ہے تو دوسری طرف اُن کے جذبۂ خدمت خلق کا اظہار بھی کرتا ہے۔ کتاب کے بارے میں مشاہیر ادیبوں اور شاعروں کے تاثرات پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ اِن سب کی ملک مقبول احمد کے بارے میں آراء خلوص ومحبت سے مملو تھیں۔ مقبول اکیڈمی کی شہرت اور ملک صاحب کی عظیم شخصیت کے پیشِ نظر میں نے انہیں اُن کی اجازت سے اپنی تازہ تصنیف ''انشائیہ اور انفرادی سوچ'' کے چند نسخے اِس غرض سے ارسال کر دیے کہ وہ انہیں اپنے شوروم میں جگہ دے کر مجھے ممنون کریں۔ لیکن میری حیرت و مسرت کی انتہا نہ رہی جب چند دنوں بعد انہوں نے مجھے میری کتاب کے نسخوں کے پیسے بھی ارسال کر دیئے۔ اب بتائیے وہ کون کافر ہے جو اِس کافر کو پیار نہ کرے۔۔ پیار ہی نہیں بلکہ پرستش نہ کرے! ابھی مرحلۂ عشق ختم نہیں ہوا۔ جب اُن کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے میں نے اپنا علاج بذریعہ آب شروع کیا تو میری

Marfat.com

حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ایک دو ہفتہ کے بعد ہی مطلوبہ نتائج برآمد ہونا شروع ہو گئے۔ میں نے انہیں ٹیلیفون پر بتایا کہ میں شفایاب ہو رہا ہوں تو بہت خوش ہوئے اور مجھے علاج جاری رکھنے کی ہدایت کی، اُن کی آواز میں بلا کی نرمی، حلاوت اور محبت تھی۔

میں ڈاکٹر انور سدید کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے نہ صرف میرا تعارف ایک کتاب دوست اور ادیب پرور ناشر سے کروایا بلکہ ایک بہت ہی پیارے انسان اور مُشفق مسیحا سے بھی ملوایا۔

میرا دعاؤں پر یقین ہے اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ میں مُستجابُ الدعوات ہوں۔ میں نے دعا کی تھی اور وہ دعا ملک مقبول احمد کی شکل میں اللہ رب العزت نے قبول فرمائی۔

کتاب کے صفحہ 170 پر وہ لکھتے ہیں ''میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں صرف ایک کتب شائع کرنے، کتابیں فروخت کرنے والا محنت کش انسان ہوں، ادیب، شاعر یا دانشور نہیں'' یہ اُن کی سادگی، خلوص، اور صداقت پر مبنی الفاظ ہیں۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ وہ عرف عام میں پیشہ ور ادیب، شاعر یا دانشور نہیں لیکن اِس کتاب کے مطالعے کے بعد مجھ پر جو شخص منکشف ہوا۔ وہ ادیب بھی ہے، شاعر بھی ہے اور دانشور بھی، دیکھئے وہ کس خوبصورت افسانوی انداز میں اپنے بچپن کے ایک یادگار منظر کو بیان کرتے ہیں۔

> ''یہ بات بھی میرے احساسات اور محسوسات ہی میں شمار ہوگی کہ اپنے گھر کے چوبارے کی چھت پر بیٹھ کر شمال میں ہمالیہ کی برف سے ڈھکی چوٹیاں دیکھنا مجھے بہت بھلا لگتا تھا۔ صبح کی چمکتی دھوپ کا

Marfat.com

عکس اُن کو خوب چمکائے رکھتا۔ گرمیوں کی صبحوں میں یہ چمک نیلی دھاریاں بن جاتی جو دراصل برف کے پگھلنے کے عمل کا عکس ہوتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اچانک گھٹائیں اُمنڈ کر آتیں اور سارا منظر ڈھانپ لیتیں۔ گھٹاؤں کی سیاہی کے پیش منظر، اُڑتے بگلوں کی سفید قطاریں خوبصورت منظر پیش کرتیں۔۔ اب بڑھاپے کی عمر میں، میں سوچتا ہوں کہ بچپن کا زمانہ کتنا خوبصورت زمانہ تھا۔ ہوا کی سرسراہٹ میں جلد ہی بارش کے سرلاٹے دیکھتے ہی دیکھتے پورے منظر اور ماحول کو بدل دیتے۔ خنکی چھا جاتی۔ میری ماں نیچے سے پکارتی اور میں نیچے آتے آتے اپنے کپڑے بھگو لیتا تاکہ باہر جاکر اپنے ہم عمر لڑکوں سے کھیلوں اور گاؤں کے جوہڑ کو پانی سے بھرتا ہوا دیکھوں۔''

اتنی خوبصورت اور مسحور کُن تحریر اُسی کی ہو سکتی ہے جو منجھا ہوا ادیب ہو، جس کا تخیّل تیز ہو، اور جس کے احساسات نازک اور لطیف ہوں۔ یہ تمام عبارت شاعرانہ حسن کی عکاس ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے گھر کی چھت پر بیٹھ کر شمال میں ہمالیہ کی جن برف پوش چوٹیوں کو دیکھا تھا۔ وہ آج بھی اُن کے ذہن کے حساس پردے پر پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہی ہیں۔ برف کے پگھلنے کا منظر اور اُن میں چمکتی ہوئی نیلی دھاریوں کا عکس آج بھی اُن کی نگاہوں کے سامنے ہے، آنِ واحد میں گھٹاؤں کا چھا جانا اور تمام منظر کو ڈھانپ لینا اور اِس کے پیش منظر میں بگلوں کی سفید قطاریں، ایسے امیجز ہیں جو اس ڈھلتی ہوئی عمر میں بھی انہیں مسرور کر رہے ہیں۔ ہوا کی سرسراہٹ اور پھر بارش کا برسنا اور اس سرلاٹے میں تمام منظر کا بدل جانا، اب بھی اُن کے دل میں گدگدی پیدا کر رہا ہے، پھر ماں کی مامتا نے اپنے

Marfat.com

لاڈلے کو نیچے بلانا اور اُس کا بھیگے ہوئے کپڑوں کے ساتھ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلنا اور گاؤں کے جوہڑ کو بارش کے پانی سے بھرتا دیکھنا، ایسے دلفریب مناظر ہیں، جو اُن کی تمام حسیات میں اب بھی جاری وساری ہیں۔

یہ سارا پیرا گراف حُسن و رعنائی سے مملو ہے اور اِس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ ملک مقبول احمد ایک صاحبِ طرز نثر نگار ہے۔ اِس عبارت میں شاعرانہ خوبصورتی اور افسانوی سحر کاری ہے۔ میں جب اُن کے گاؤں کی باتیں پڑھ رہا تھا تو عالمِ تخیل میں، میں خود بھی اپنے ننھیال کے گاؤں نلوی (بھارت) چلا گیا تھا وہاں کا جوہڑ بھی بارش کے پانی سے بھر جاتا تھا، بیروں کے جھنڈ اور آم کے باغات تھے، گندم، مکئی اور باجرے کے کھیت تھے، پلکھن کا گرانڈیل پیڑ تھا، جس کے نیچے چھوٹے، بڑے اور بزرگ گرمیوں کی دھوپ سے بچنے کے لئے ستاتے تھے۔ ملک مقبول احمد نے اپنے تربوز کھانے کے منظر کو تو بڑے ہی رچاؤ کے ساتھ اِس طرح بیان کیا ہے۔

> ''تربوز جب پک جاتا، تو شام کو اس میں سوراخ کر کے تھوڑی سی چینی ڈال کر بند کر دیا جاتا اور صبح جا کر اُسے بیل سے توڑ کر لے آتے اور کنویں پر بیٹھ کر کھاتے''

ملک صاحب کے گاؤں دیووال اور میرے گاؤں نلوی میں اور ہمارے بچپن کے واقعات میں بلا کی مماثلت ہے۔ یہ سطور پڑھتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں بھی اُن کے ساتھ اپنے بچپن کے گاؤں کو اپنی نانی، ماموں، ممانی اور ماں کو تمام احساسات کے ساتھ اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں۔ ایک ادیب کا یہی کمال ہے کہ وہ قاری کے احساس و تخیل کو جلا بخشے۔ انہوں نے حیرت انگیز طور پر اپنے گاؤں سے وابستہ تمام سرگرمیوں کو بڑی باریک بینی کے ساتھ سپردِ قلم کیا ہے۔ وہ اپنے بچپن کے دوست میر خلیل احمد کو بھی نہیں بھولے۔ جب وہ آتا تو اُن کی ماں چاول پکا کر اُس پر

Marfat.com

دہی اور چینی ڈال کر انہیں دیتیں اور پھر یہ من پسند ڈش دونوں دوست مل کر کھاتے۔ وہ اپنی والدہ محترمہ کی محبت اور ماما کا ذکر بڑے سلیقہ، فنی رچاؤ، خلوص، صداقت اور محبت کے ساتھ کرتے ہیں۔ ماں کے صبح کے معمولات کو وہ اِس طرح بیان کرتے ہیں:

''سحری کے وقت اُٹھ کر چکی پیسنا، اوکھلی میں چاول چھڑنا اور صبح کو بھینس کو بھوسہ ڈال کر دودھ نکالنا یہ سارے کام میری ماں خود کرتی رہی''

کتنا خوبصورت مثالی کردار ہے۔ آگے چل کر بے جی کا اپنے بیٹے کے آنے کا بے تابی سے انتظار کرنے کے منظر کو وہ اِس طرح سپردِ قلم کرتے ہیں:۔

''ہماری حویلی کے سامنے کا سڑک تک کھلا منظر زیادہ تر میری بے جی کے استعمال میں رہتا تھا۔ وہ اِس منظر کو ظفروال جانے والی سڑک تک وسعت دے دیتی تھیں۔ وہاں تک سڑک پر کوئی درخت، ٹیلہ، مکان یا جھونپڑی بھی نہ تھی۔ وہ بس اپنے ''بیٹے'' کو سکول یا آوارہ گردی سے واپس آتا دیکھنے کی متمنی ہوتیں تاکہ اُدھر وہ سڑک پر نمودار ہو اِدھر وہ اُس کے لیے گرما گرم پُوڑے (میٹھی روٹی) تیار کرلیں۔ وہ میرے گھر پہنچنے سے قبل میرے دوپہر کے کھانے کا بندوبست کرلیتی تھیں۔ خصوصی طور پر وہ میرے لئے حلوہ، میٹھے

Marfat.com

چاول اور برسات میں پوڑے تیار کرتیں۔ السی کی پنیاں، ماش کی دال کا حلوہ، سوجی کی برفی تو ایک معمول کی بات تھی۔ ہم سب گرمیوں میں رات کو چھت پر مچھر دانی لگا کر سوتے تھے۔ صبح میں چاٹی سے دودھ پر آئی ہوئی موٹی بالائی اتار کر کھالیتا جو بہت مزیدار ہوتی تھی۔ دن کو لسی، شربت اور کبھی کبھی ستو بھی مل جاتے۔ بھینس کے لیے چارہ کھیت سے میں خود لاتا۔ اگر کھیت میں چارے کی فصل نہ ہوتی تو کہیں سے گھاس کاٹ کر لے آتا۔ باقی سب کام میری ماں خود کرتی تھیں"

اُس روح پرور تحریر میں تمام امیجز ہمارے دیہات کے لوگوں کے معمولات، کھانوں اور ثقافت کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ آپ نے غور فرمایا کہ اِن کھانوں اور مشروبات میں چائے کا کوئی ذکر نہیں۔ دراصل چائے ہمارے کلچر کا حصہ نہیں تھی۔ یہ غیر ملکی مشروب تھا، ہے اور رہے گا۔ اِس تمام عبارت میں کوئی حاشیہ آرائی نہیں، کوئی غیر ضروری تفصیل نہیں کوئی رومانوی رنگ آمیزی نہیں، سادگی، سلاست اور روانی کے ساتھ ساتھ ایجاز و اختصار کا حسن مترشح ہے۔ معصومیت اور صداقت کی خوشبو سے تمام فضا مہک رہی ہے۔ ورڈز ورتھ کے بقول ہمیں دنیا کی آلائشوں سے بچہ ہی بچا سکتا ہے۔ جس شخص کے اندر اس کا بچپن زندہ ہے، وہ شخص گناہوں سے بچا رہے گا۔ ملک مقبول احمد نے اپنے اندر کے بچے کو پوری معصومیت اور حسن و رعنائی کے ساتھ زندہ رکھا ہوا ہے جسے ماں کی محبت اب بھی دور سے آتا ہوا دیکھتی ہے اور اُسے حلوہ، میٹھے چاول، پوڑے، السی کی پنیاں، ماش کی دال کا حلوہ اور سوجی کی برفی کھلاتی ہے۔ اُن کے بہترین دوست اب بھی بچے ہی ہیں۔ ملک صاحب نے دیہاتی ثقافت کو لفظوں کے پیکروں میں محفوظ کر لیا ہے۔

Marfat.com

وہ اپنے بچپن کے جن مشاغل کا ذکر کرتے ہیں، میں بھی اپنے بچپن میں ایسے ہی مشاغل کا دلدادہ تھا، جن میں گلی ڈنڈا، بنٹے (کنچے)، اخروٹ اور لکن میٹی کھیلنا سرِ فہرست ہیں۔ ہائے وہ کیا دن تھے! میں تمام دو پہر بنٹے اور اخروٹ کھیلنے میں گزار دیا کرتا تھا اور اِس سے بڑھ کر کوئی اور خوشی نہیں سمجھتا تھا اور رات کے آتے ہی لکن میٹی کا کھیل دل کو بے حد لبھاتا تھا۔ میں نے ابتدا میں کہا تھا کہ میں نے اِس کتاب کے لفظوں کے آئینے میں اپنے ہی حسن کا دیدار کیا ہے۔ ملک صاحب نے بچپن کے اس سنہری زمانہ کی یادوں کا ذکر کر کے میرے احساس کے تمام تاروں کو چھیڑ دیا ہے اور میں زمانہ حال سے اٹھ کر ماضی کے لیل ونہار میں چلا گیا ہوں جو رومان پرور اور وجد آفرین ہے۔ مجھے تو یوں معلوم ہو رہا ہے کہ میں ملک مقبول احمد کی آپ بیتی نہیں بلکہ اپنی آپ بیتی پڑھ رہا ہوں:۔

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

اِس خودنوشت کا یوں تو ہر ورق دلچسپ ہے ہر لفظ آب دار موتی ہے لیکن اِس کا جو سب سے زیادہ خوبصورت حصہ ہے۔ وہ گاؤں کی ثقافت ہے، جس کی طرف میں نے اوپر بھی اشارہ کیا ہے۔ جب ساون آتا ہے اور اپنے دلکش رنگ بکھیرتا ہے اُسے ملک صاحب کے مُوقلم نے یوں پیش کیا ہے:

''ساون میں بادل اُمنڈ کر آتے اور بارش کھل کر برستی۔ ندی نالے، کھیت کنویں اور جوہڑ سب بھر جاتے۔ سطح زمین پانی کی ہموار چادر نظر آتی۔ زرد رنگ کے مینڈک ہزاروں کی تعداد میں نہ

Marfat.com

جانے کہاں سے آجاتے اور کھیتوں کی منڈیروں پر بیٹھ کر ایک ساتھ ٹراتے، چوہے، سانپ، نیولے خشک جگہ کی تلاش میں ادھر اُدھر نکل جاتے۔ کچھ درختوں پر بھی چڑھ جاتے جہاں سے انہیں چیلیں اور شکرے پکڑ کر کھانے کے لئے اونچے درختوں پر لے جاتے۔۔۔۔''

اِس اقتباس میں جہاں اُن کے مشاہدے کی تیزی اور باریک بینی کا پتہ چلتا ہے، وہاں اُن کی فوٹوگرافک یادداشت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ گاؤں میں موسمِ برسات کے مناظر کے علاوہ وہاں کے میلے ٹھیلے، ناٹک اور بازی گروں اور نٹوں کے حیرت انگیز جسمانی کرتب، بندر اور ریچھ کے تماشے والے، جونکیں لگا کر علاج کرنے والے، طوطوں سے فال نکال کر علمِ غیب کے بتانے والے، خانہ بدوشوں کے ڈیرے اور مشہور گویوں کا ساری ساری رات گا کر محفل جمانے اور سامعین سے ویلیں یعنی روپے پیسے لینے کے انداز بڑے دلفریب ہوتے تھے۔ دیکھئے ناٹک دکھانے والے گروپ کے بارے میں کتنی خوبصورتی سے ملک صاحب نے تصویر کھینچی ہے کہ گاؤں کی ثقافت کا حُسن سمٹ کر ہمارے سامنے آگیا ہے

''اِس طرح ناٹک کرنے والے گروپ بھی آتے۔ خواتین کا کردار ادا کرنے کے لیے ان میں نوجوان خوبصورت لڑکے ہوتے وہ ہیر رانجھا، سوہنی مہینوال اور سسّی پنوں جیسے مشہور عاشقوں کے سوانگ بھرتے، مکالمے بولتے اور گاتے، ہیروئن کا کردار ادا کرنے والا لڑکا نسوانی آواز میں گاتا اور اُس پر خوب روپے نچھاور ہوتے۔ اس دور کا ایک روپیہ آج کے دور کے پچاس روپوں سے زیادہ قیمتی ہوتا تھا۔

Marfat.com

''یہ ناٹک دکھانے والے راس دھاریے کہلاتے تھے۔ ان کا ایک ایک کھیل تین تین راتیں چلتا رہتا۔ تماشائیوں میں معززین بھی شامل ہوتے اور وہ کرسیوں پر اگلی صفوں میں بیٹھتے۔ کوئی ٹکٹ نہ ہوتا۔ انعام میں دی جانے والی دوّنی، چوّنی یا اُٹھنّی پیتل کے تھال میں ڈال دی جاتی جس میں سرسوں کے تیل کا دیا یا موم بتی جلا کر رکھی جاتی تھی۔ ایک روپیہ کا انعام بہت بڑا ہوتا تھا۔ خوبصورت راس دھاریہ چاندی کے روپیہ کا سِکہ اس تماشائی کے ہاتھ سے پکڑتا، چومتا اور سارے مجمعے میں اعلان کرتا کہ یہ انعام کس شخص نے دیا ہے۔۔۔۔''

آپ نے غور فرمایا ملک صاحب نے کس خوبصورتی اور ہنرمندی کے ساتھ سادہ اور سلیس انداز میں گاؤں میں برپا کھیل تماشوں کو، تماشہ کرنے والوں اور دیکھنے والوں کی زندگی سے بھرپور تصویریں پیش کی ہیں۔ اگرچہ یہ سب باتیں ماضی کا حصہ بن چکی ہیں لیکن ملک مقبول احمد نے انہیں اپنی سوانح حیات میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کرلیا ہے۔ میں نے آج تک اتنی تفصیل سے گاؤں کے یہ مختلف رنگ روپ، اور کھیل تماشے کبھی نہیں پڑھے۔ ہاں یہ سب کھیل تماشے میں نے ایسے ہی دیکھے ہیں، جیسے کہ ملک صاحب نے بیان کیے ہیں۔ اس کتاب میں میری دلچسپی اسی لیے اوّل سے آخر تک بڑھتی چلی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نصف صدی سے پہلے کا ان کے بچپن کا گاؤں، دیووال اپنی تمام ثقافت، بُو باس اور دھڑکنوں کے ساتھ ملک مقبول احمد کی روح میں پوری آب و تاب کے ساتھ بسا ہوا ہے۔ انہوں نے ہمیں گاؤں کی اِس زندگی میں جو معصومیت، حُسن، صداقت اور دیانت سے مملو تھی۔ بھرپور شرکت کی دعوت دی ہے۔

Marfat.com

یہ کتاب دلچسپ واقعات، لطیف جذبات، حسین تخیلات سے مالا مال ہے اِس کتاب کا ہیرو زاہدِ خشک نہیں۔ وہ زندگی کی تمام رعنائیوں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور ہمیں لطف اندوز ہونے کی نرم و ملائم ترغیب بھی دیتا ہے۔ وہ حسن کو پسند کرتے تھے اور اس میں دلچسپی لیتے تھے۔ دو بہنوں شہناز اور شمشاد تو ان کی آئیڈیل تھیں۔ شمشاد اگرچہ شہناز کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت نہ تھی لیکن اپنے اندر غضب کی کشش رکھتی تھی۔ اِس پر گفتگو کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں۔

''اس کے بات کرنے کا انداز انوکھا تھا۔ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے کا وقار نرالا تھا۔ دیکھنے اور مجھے بلانے کا طریقہ ایسا تھا کہ خوامخواہ میرا دل چاہتا کہ میں اِس کے اِردگرد ہی پھرتا رہوں۔ یہ اعتراف کرنا کوئی غیر معمولی بات نہ ہوگی کہ ''میرا مزاج لڑکپن سے ہی عاشقانہ تھا''۔ میں ہر خوبصورت لڑکی کو دل دے بیٹھتا۔ خوبصورت دِلکش شخصیت کے سامنے دل و دماغ پر قابو نہ رہتا تھا۔ میری کیفیت کچھ یوں ہو جاتی:۔

ترے کوچے اس بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اِس سے بات کرنا کبھی اُس سے بات کرنا!!

میں یہ سطور پڑھ کر بے حد مسرور ہوا۔ کیونکہ جوانی کے عالم میں میری اپنی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ اگر کوئی شخص عالم شباب میں حسن پرست نہیں تو یقیناً وہ شخص بیمار ہے۔ میں نے اپنے ایک انشائیہ ''آپ کا کیا خیال ہے'' میں نے انسانی زندگی کے تین ادوار کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اِن ادوار میں ایک صحت مند آدمی کے لیے کیا ضروری ہے۔ عبارت یہ ہے:

''ہر چیز کا وقت ہوتا ہے اور اس وقت وہ کام کرنا اچھا لگتا ہے۔

Marfat.com

مثلاً بچپن میں اگر بچہ کھیل کود میں دلچسپی نہیں لیتا۔ کانچ کی گولیاں
اور اخروٹ نہیں کھیلتا، پتنگ بازی نہیں کرتا، کبوتر نہیں اُڑاتا اور
طوطا نہیں پالتا تو سمجھ لیجئے کہ یہ بچہ جسمانی طور پر بیمار ہے۔ اسی
طرح اگر کوئی نوجوان حسن وعشق میں دلچسپی نہیں لیتا تو وہ بھی یقیناً
نفسیاتی طور پر بیمار ہے۔ اور اگر کوئی شخص عالمِ بزرگی میں اپنے
خالقِ حقیقی کی طرف رغبت نہیں کرتا تو وہ بھی روحانی طور پر بیمار
ہے''

مجھے خوشی ہے ملک صاحب بچپن میں بھی، جوانی میں بھی اور اب عالمِ بزرگی میں بھی صحت مند رہے ہیں۔ بچپن اور لڑکپن میں انہوں نے اُن تمام کھیلوں میں، شرارتوں میں اور میلوں ٹھیلوں میں شرکت کی، جو بچوں کا فطری حق ہے۔ جوانی میں انہوں نے حسن وعشق کی وادی میں قدم رکھا اور اب عالمِ بزرگی میں عشقِ الٰہی سے سرشار اور حضور ﷺ کی محبت سے مالا مال ہیں

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی اور کیا مجازی کا

ملک مقبول نے بچپن سے لے کر اب تک عشق کیا ہے۔ ماں باپ سے، بہن بھائی سے، دوستوں سے، کھیل کود سے، بیوی بچوں سے، اپنے کاروبار سے اور مجموعی طور پر اِنسان سے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عشق کی دولت سے بھرپور نوازا ہے۔ ڈاڑھی رکھنا اس شخص کے لیے مشکل ترین کام ہے۔ جو ساری عمر شیو کرتا رہا ہو۔ لیکن جب خالقِ حقیقی توفیق دیتا ہے تو یہ چہرے پر خود بخود سجنا شروع ہو جاتی ہے۔ ملک مقبول احمد نے بھی حج کی سعادت کے بعد اپنے چہرۂ مبارک کو نقرئی ریش سے سجا لیا ہے۔ اِس بات کو میں انگریزی الفاظ میں ادا کرنا زیادہ پسند کروں گا۔

Marfat.com

He has framed his face with a beautiful beard.

سچی بات تو یہ ہے کہ ڈاڑھی مرد کے چہرے پر خوبصورت فریم ورک کا کام کرتی ہے جس سے چہرہ مزید خوبصورت ہو جاتا ہے۔ اس کے حُسن کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے، جو اس تجربہ سے گزرتا ہے:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اِس کتاب میں بعض ایسے ناقابلِ فراموش کردار ہمارے سامنے آئے ہیں، جو مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ انہیں ''تمدّنِ عرب'' کے نام سے ایک کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں رقم درکار تھی۔ بڑی سوچ بچار کے بعد وہ اپنے بڑے ماموں کے پاس گئے جو اُن کے سُسر بھی تھے۔ لیکن افسوس انہوں نے قرض دینے سے صاف انکار کر دیا۔ حالانکہ وہ صاحبِ استطاعت تھے اور ان سے زیادہ قربت کسی اور سے نہیں ہو سکتی تھی اِس مشکل کو حل کرنے کے لیے وہ ایک ایسے شخص کے پاس گئے، جن سے اُن کی بالمشافہ کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ وہ صرف اُن کے قلمی دوست تھے۔ یہ شخص ملک اللہ داد تھا جو میانوالی کے ایک گاؤں سلطان خیل میں رہتا تھا۔ اِس شخص نے نہ صرف مہمان نوازی کا حق ادا کیا بلکہ اُن کی پریشانی کو دور کرنے کے لیے پانچ ہزار کی خطیر رقم بھی بڑی انکساری کے ساتھ اُن کی ہتھیلی پر رکھ دی۔ دیکھئے اس واقعہ کو وہ کتنی سادگی اور نفاست کے ساتھ بیان کرتے ہیں:۔

''ملک صاحب نے جی کھول کر میری آؤ بھگت کی اور پھر نہایت ملائمت بھرے لہجے میں میری آمد کا سبب دریافت فرمایا۔ میں نے قدرے تذبذب کے ساتھ اپنی پریشانیوں کا اظہار کر دیا۔ جواب

Marfat.com

میں انہوں نے کمال مروت اور لجاجت کے ساتھ مجھے پانچ ہزار
روپے عنایت فرما دیئے۔ اُن دنوں پانچ ہزار روپے لاکھوں کے
برابر تھے انہوں نے بڑی انکساری کے ساتھ رقم میری ہتھیلی پر رکھی
اور میرے چہرے کی طرف نظر تک نہیں اٹھائی''

یہ کتنا عظیم شخص تھا کہ اس نے رقم کی واپسی تک کا اشارہ نہیں کیا۔ اپنے سگے ماموں کی نسبت تو یہ غیر ہی مشفق ومہربان نکلا۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے:

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

یہ رقم ملک صاحب نے ملک اللہ داد خان کو قسطوں میں ادا کی اور ایک قسط تو اُن کی رحلت کے بعد اُن کے بیٹے کو ادا کی۔ ملک مقبول احمد آج بھی اُن کے تہہ دل سے شکرگزار ہیں اور اُن کی بلندیٔ درجات اور مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

کلوئے کا میاں اللہ ماہی ایک عجیب کردار اُن کی زندگی میں آیا۔ اس شخص کی کلوئے میں ایک چھوٹی سی دکان تھی۔ وہ بہت نیک شریف اور بچوں سے پیار کرنے والا انسان تھا۔ اس کا معمول یہ تھا کہ صبح کو بچوں کی سکول میں آمد سے ذرا قبل وہ اپنی دکان کھولتا اور چھٹی سے پانچ منٹ پہلے دکان بند کر دیتا۔ ملک صاحب کا تجسس بڑھا تو ایک روز ان سے پوچھ ہی لیا کہ وہ سکول بند ہونے کے آدھ گھنٹے تک دکان کو کھلا کیوں نہیں رکھتے۔ اس نے جواب دیا:

''میری شادی ہوئی ہے، نہ بچے ہیں اور بھی تو کوئی ایسا نہیں ہے
جس سے میں دل کی باتیں کرسکوں۔۔۔ مجھے بچے سکول میں آتے
دیکھ کر بڑی تسکین ہوتی ہے۔۔۔اُن کو جاتے دیکھ کر دکھ ہوتا
ہے۔۔۔اِسی لیے میں نے اپنی دکان کے اوقات ایسے رکھے ہیں

Marfat.com

کہ میں اداسی کے مناظر نہ دیکھوں''

یہ بات سن کر ملک مقبول احمد اُن کے اندرونی دکھ سے آگاہ ہو گئے اور خود بھی دکھی ہو گئے۔ دوسروں کے دکھ کو اپنا سمجھنا اور دوسروں کی خوشیوں میں شریک ہونا ملک صاحب کی خاص بات ہے جو لوگوں میں عموماً کم کم ہے۔ انہوں نے اِس کے بعد میاں اللہ ماہی کی دلجوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ پانچ چھ سال بعد جب ملک صاحب لاہور میں اپنا کاروبار کر رہے تھے تو انہیں غلام نبی نے بتایا کہ میاں صاحب کی شادی ہو گئی ہے۔ دیکھئے اس خوشخبری کو ملک صاحب کس طرح محسوس کرتے ہیں:

''مجھے یوں لگا۔۔۔۔ جیسے میری اپنی شادی ہو رہی ہے اور میں اپنی بچپن کی منگیتر سے ملنے والا ہوں۔۔۔ میں اِس خبر سے اتنا خوش ہوا کہ میں نے اسی وقت میاں اللہ ماہی کو مبارک باد کا خط لکھا''۔

دوسروں کے دکھ سکھ کو اپنا سمجھنا اور اُسے محسوس کرنا بہت بڑی بات ہے۔ یہی وہ اعلیٰ صفت ہے جو آدمی کو عظیم بناتی ہے۔ اِنسان دولت، عہدہ واقتدار سے بڑا نہیں ہوتا بلکہ نیک اعمال اور انسانیت سے پیار کرنے سے بڑا ہوتا ہے۔ ملک صاحب کو یہ بے بہا دولت، مبداء فیض سے فراواں ملی ہے۔

کلوئے کے اللہ ماہی کے بعد ایک اور خوبصورت کردار چودھری دسوندھی خاں کا ہے جو اُن کے گاؤں دیۃ وال اور کلوئے کے درمیان مشہور گاؤں ورک سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ اپنے علاقے کے ذیلدار تھے، نہایت خوبصورت، وجیہہ اور پُر کشش شخصیت کے مالک تھے۔ ذیلدار دسوندھی خاں کے بارے میں ملک مقبول احمد کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں:

''ذیلدار دسوندھی خان ایسے لوگوں میں سے تھے جن کی سب دل

Marfat.com

سے عزت کرتے تھے۔ وہ سخی تھے، فراخ دل تھے۔ غرباء پرور اور
ہمدرد انسان تھے۔۔۔۔ میرا اور ان کا سامنا سکول آتے جاتے
اکثر ہو جاتا تھا۔ میں نیاز مندانہ انداز میں سائیکل سے اتر کر ان کو
سلام عرض کرتا۔ ہر ملاقات پر وہ مجھ سے کوئی نئی بات کرتے اور
پوچھتے۔۔۔ تم کہاں سے آتے ہو؟ کہاں جاتے ہو؟ کس کی اولاد
ہو؟ خیریت سے تو ہو؟ نصیحت بھی کرتے کہ سائیکل سے نہ اترا کرو
بس سلام ہی کافی ہے۔''

یہ عظیم شخص ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کرتا تھا اور نمود و نمائش سے نفرت کرتا تھا۔ اب آپ ہی بتائیں جس شخص کے سامنے انسانیت کا ایسا عمدہ نمونہ ہو بھلا وہ ایسا ہی نہ ہوگا۔ سائیکل سے اتر کر احترام و عقیدت سے خاں صاحب کو سلام کرنا ملک صاحب کی غیر معمولی سعادت مندی کی دلیل تھی اور اُن کا محبت سے خیریت دریافت کرنا اور سائیکل سے نہ اترنے کی نصیحت کرنا اندازِ پدرانہ سے کم نہ تھا۔ ایسے ہی مثالی کرداروں کی روشنی میں ملک صاحب کے اندر وہ اوصافِ حمیدہ پیدا ہو گئے جو صاحبِ دل اور ہمدرد انسان میں ہوتے ہیں۔

ان اوصاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علی سفیان آفاقی اُن کے بارے میں کہتے ہیں ''ملک صاحب ایک منکسر المزاج، سادہ دل، خداترس اور محبت کرنے والے انسان ہیں۔'' انور سدید اُن کے اوصاف پاکیزہ پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں: ''یہ کتاب پڑھ کر مجھے محسوس ہوا کہ مقبول صاحب کی زندگی بھی کسی افسانے سے کم نہیں۔ انہیں مشکلات اور حادثات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن انہوں نے صداقت، دیانت، اور امانت کے اصولوں کو قائم رکھا۔ خود محنت کی اور نتائج خدا پر چھوڑ دیئے''۔

Marfat.com

ابوالامتیاز، ع۔س مسلم ان کے کردار پر اِس طرح رقمطراز ہیں: ''بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اُن کے دستِ کرم سے بے شمار ضرورت مند ادارے اور افراد ایسی خاموشی سے فیض یاب ہوتے ہیں کہ دوسرے ہاتھ کو خبر تک نہیں ہوتی۔''

قاضی ذوالفقار احمد اُن کی سادگی اور صاف گوئی کی اِس طرح تعریف کرتے ہیں: ''ملک مقبول احمد پیچیدہ شخصیت کے انسان نہیں۔ وہ سیدھے سادے، صاف گو اور اپنی شخصیت کو نمایاں نہ کرنے والے انسان ہیں''

نقشبند قمر نقوی اُن کے خلوص پر اِس طرح اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہیں: ''ملک صاحب سے میری ابتدائی گفتگو نہایت دوستانہ اور خوشگوار ماحول میں ہوئی، ان کا نرم اندازِ گفتگو، بے تکلفانہ برتاؤ، نمایاں منکسر مزاجی، اور ایسا قرینہ جس سے اعتماد کی کیفیت پیدا ہوتی ہو، سب نے مل کر مجھے یقیناً متاثر کیا''۔

اللہ ماہی اور دسوندھی خان کے علاوہ ایک اور کردار ہے جو ملک صاحب کی یادداشت کے پردہ پر اب بھی تازہ وشگفتہ ہے۔ یہ ہے گیان چند اُن کے سکول کا کلاس فیلو اور بچپن کا گہرا دوست جس کے ساتھ وہ سکول سے بھاگ کر کھیتوں کی ایک منڈیر پر بیر کے گھنے درختوں میں پناہ لیتے تھے۔ جہاں وہ اُن کے تنوں پر بیٹھ کر دوسروں کو نظر آئے بغیر خوش گپیوں میں مصروف ہوتے تھے۔ گیان چند ہندو لڑکے کی دوستی اور اس کے ساتھ ملک صاحب کا سکول سے فرار ہونے کے ماجرے کے ساتھ ہی مجھے اپنے بچپن کا دوست ایک ہندو لڑکا بلدیو راج یاد آ گیا۔ وہ بھی میرے ذہن میں ایسے ہی بسا ہوا ہے جیسے گیان چند ملک صاحب کے ہاں موجود ہے۔ بلدیو راج لالہ کوہلی کا منجھلا بیٹا تھا۔ کوہلی دی ہٹی رام نگر (راجگڑھ) لاہور میں بڑی مشہور ومعروف تھی۔ یہ کریانے کی دکان تھی۔ لالہ کوہلی کا بڑا بیٹا ڈاکٹر تھا اور اُن کی دکان کے ساتھ ہی اس کا کلینک تھا۔ یہ کلینک اور دیگر دکانیں اُن کی دو منزلہ بڑی

Marfat.com

عمارت کے نیچے آباد تھیں۔ یہ تقسیم سے پہلے کا زمانہ تھا۔ جب ہم، ہندو مسلم سکھ عیسائی ،آپس میں سب بھائی بھائی، کے ترانے گاتے تھے اور غیر ملکی گورے سامراج سے آزادی کے لیے مل جل کر نبرد آزما تھے۔ بلدیو راج اپنی سائیکل پر بٹھا کر مجھے مال روڈ کے کنارے نہر پر لے جاتا تھا۔ یہ گرمیوں کے دن ہوتے تھے اور ہم گھنٹوں پل پر سے نہر میں چھلانگیں لگاتے، نہاتے اور تیرتے تھے۔ میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ ملک صاحب کی آپ بیتی میں، میں اپنی ہی کہانی پڑھ رہا ہوں اپنے بچپن کی، اپنے گاؤں کی، اپنے ماضی کے لاہور کی۔ یہ اتنی دلچسپ کتاب ہے کہ جب مجھے موصول ہوئی تو علی الصبح میں اِس کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا اور پتہ نہیں چلا کہ کیا وقت ہو گیا۔ ادھر مجھے اِس کے وصول ہونے کی ملک صاحب کو اطلاع بھی کرنی تھی۔ لہٰذا پہلا خط جو اطلاعاً میں نے انہیں لکھا، وہ یہ تھا:۔

۱۶اپریل ۲۰۰۷ء

مکرمی و محترمی ملک مقبول احمد صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کی کتاب ''سفر جاری ہے'' بہت بُری ہے کیونکہ آج صبح میں اِس کے پڑھنے میں اتنا مصروف ہوا کہ صبح کی سیر ہی بھول گیا اور دھوپ نکل آئی اور بقول دنیا و مافیہا سے بےخبر ہو گیا۔

بہت دلچسپ!

کون کہتا ہے کہ آپ کم تعلیم یافتہ ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ آپ نصابی علم کی تنگ نائے سے نکل کر غیر نصابی علم و فضل کے اتھاہ سمندر کے بے مثل (Unique) غواص ہیں۔ جو شخص کتاب کی اہمیت کو سمجھتا ہو اور جو مصنف اور ناشر کے بارے میں ایسا خوبصورت انشائی (تخلیقی) جملہ

Marfat.com

''بلا شبہ کتاب مصنف کے لکھ دینے ہی سے وجود میں آتی ہے۔ لیکن کتاب کو صوری حسن و رعنائی ناشر فراہم کرتا ہے''

لکھ سکتا ہے اُس کے نہ صرف خلاقانہ ذہن کی داد دینا پڑتی ہے بلکہ اس کے شعورِ علم کا بھی ادراک ہوتا ہے۔ آپ نے ہمارے دیہات کی ثقافت (کلچر) کو نہایت خوبصورت اور دلچسپ الفاظ کے پیکر میں ڈھال کر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔ میں نے ابھی کتاب کے صرف ۵۳ (ترپن) صفحے پڑھے ہیں۔ یہ خط بطور رسید اور اپنی بے ساختہ (Spontaneous) رائے کے اظہار کے طور پر لکھ رہا ہوں تا کہ آپ کو اطمینان ہو جائے کہ میں آپ کے جاری سفر میں شامل ہو گیا ہوں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس دلچسپ اور فکر انگیز کتاب پر یہ چند الفاظ کی رائے کافی نہیں۔ میں اِس پر ان شاء اللہ مفصّل مضمون سپردِ قلم کروں گا۔ یہ رائے تو تعمیل ارشاد کے لیے دی ہے۔ آپ کے کہنے پر اپنی تصویر بھی منسلک کر رہا ہوں۔ ڈاکٹر انور سدید میرے گہرے دوست ہیں۔ آپ انہیں بھی مطلع کر دیجئے کہ مجھے کتاب مل گئی ہے اور رسید بھی دے دی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سدا اپنی عافیت اور رحمت میں رکھے (آمین)

فقط والسّلام

آپ کا مخلص

دعا گو

جمیل آذر

مثبت کرداروں کے ساتھ ساتھ ہمیں منفی کردار بھی یہاں ملتے ہیں۔ افسوس اِس بات کا ہے کہ یہ منفی کردار جنہیں، ملک صاحب نے ''وکھری ٹائپ کے لوگ'' کا نام دیا ہے ہمارے ملک کے مشہور، نامور اور معزز شاعر، ادیب اور صحافی ہیں، جو

Marfat.com

اپنی تحریروں میں پوری دنیا کو صداقت، دیانت، انصاف اور اخلاق کا درس دیتے نہیں تھکتے۔ ملک صاحب نے انکا نام صیغۂ راز ہی میں رکھا تاکہ پردہ پوشی قائم رہے، جو ہمارے مشرقی مزاج کا حصّہ ہے۔ ایسے ہی منفی کرداروں میں سے ایک مشہور کالم نگار کے متعلق ایک واقعہ اُن ہی کے الفاظ میں سنیئے:۔

''ایک بہت بڑے ادیب اور نامور شاعر اور معروف صحافی سے میں نے اُن کے تحریر کردہ خاکوں کی ایک کتاب اعلیٰ پیمانے پر شائع کرنے کا معاہدہ کیا۔ کچھ رقم بطور پیشگی بھی ان کو پیش کر دی۔ انہوں نے میری اکیڈمی کو طباعت و اشاعت کے لیے مسودہ بھی دے دیا جس کے مضامین کی مطابقت اور اُن کے ایما سے ایک معروف مصور سے تصاویر بھی بنوائی گئیں۔ طباعت کے لیے کتابت (کمپوزنگ) بھی ہوگئی۔ کتاب کے چھاپنے کا مرحلہ آیا تو مجھے پتہ چلا کہ یہ کتاب تو ایک نئے پبلشر نے شائع بھی کر دی شاید میرے اس ادیب دوست کو نئے پبلشر نے زیادہ معاوضہ پیش کر دیا ہوگا۔ حالانکہ اُن کا اخلاقی فرض تھا کہ جب مقبول اکیڈمی سے اُن کی بات ہو چکی تھی تو وہ دوسرے پبلشر سے معاملہ نہ کرتے۔ اگر معاوضے میں اضافے کی بات تھی تو وہ پہلے مجھے اعتماد میں لیتے اور میں انکار کرتا تو کسی دوسرے ناشر کے پاس جاتے۔۔۔۔''

ملک صاحب اِس ناخوش گوار واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کالم نگار اپنے اخبار میں اخلاق و صداقت کا سبق تو دیتے ہیں لیکن بد اعمالی کے حمام میں ننگے ہیں اور روپے پیسے کے معاملے میں انتہائی حریص ہیں۔ مگر اِس کردار کے بارے میں ملک صاحب کی اعلیٰ ظرفی دیکھئے:

Marfat.com

''اس وعدہ خلافی اور بد معاملگی کے باوجود وہ ہمارے لئے اب بھی محترم ہیں''۔
ملک صاحب کی بُردباری کی یہ اعلیٰ مثال ہے کہ نہ تو انہوں نے اُن کا نام لیا اور نہ انہیں کسی عدالت میں گھسیٹا۔ اِسی طرح ایک معزز ناول نگار نے جو اُن کے بہت اچھے دوست بھی تھے۔ اُنہوں نے اپنے ناول میں چند ایک کمپوزنگ کی معمولی اغلاط پر برسوں کی دوستی کو بالائے طاق رکھ کر آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں اور انہیں اپنے وکیل کی معرفت نوٹس بھجوا دیا۔ جس کا انہیں آج تک دکھ ہے۔ ایک معروف ادیب کو انہوں نے چار ہزار روپے پیشگی دیے تا کہ ان کی مالی پریشانی دور ہو اور وہ سکون سے بچوں کے لیے کتاب لکھ سکیں مگر آٹھ دس ماہ گزرنے کے بعد بھی نہ تو وہ مجوزہ منصوبہ پر کام کر سکے اور نہ ہی اُن کے بار بار ٹیلیفون پر کوئی جواب دیتے۔ ایک پروفیسر ادیب نے تو حد کر دی اُن کی ایک ادبی کتاب کے شائع ہونے پر انہیں طے شدہ معاوضہ بھی ادا کر دیا مگر چند ایک دوستوں کی اپنی کتاب کے بارے میں تعریف سن کر انہیں یہ بدگمانی پیدا ہوگئی کہ اُن کی کتاب کے زائد ایڈیشن چھپ گئے ہیں۔ پروفیسر صاحب ایک نامور ادیب کو ساتھ لے کر آئے اور مزید معاوضے کا مطالبہ کیا۔ ملک صاحب نے کتابوں کی فروخت کی مکمل تفصیل اُن کے سامنے رکھ دی۔ لیکن وہ مطمئن نہ ہوئے۔ انہوں نے بہ پاس خاطرِ احباب اِس مسئلہ کا یہ حل نکالا کہ انہیں مزید رقم ادا کر دی۔ مگر ملک صاحب پریشان ہیں کہ ''خدا جانے اُن کی بدگمانی رفع ہوئی یا نہیں''

سبحان اللہ ملک صاحب آپ نے کیا نرم اور کریم دل پایا ہے۔ یہ صرف اللہ کا فضل و کرم ہے کہ آپ نیک نیتی، سلامتیِ ایمان، حوصلہ کے ساتھ لاہور جیسے شہر میں قابلِ اعتماد عظیم الشان اشاعتی ادارہ قائم کرنے میں کامیاب و بامراد ہوگئے۔ وگرنہ آپ کے مقابلے میں کتنے ہی اشاعتی ادارے بد دیانتی، حسد، لالچ اور جھوٹ کی وجہ سے کسمپرسی کا شکار ہوگئے۔

Marfat.com

یہ کتاب دلچسپ کرداروں اور واقعات کا مرقع ہے۔ ملک صاحب نے اپنی زندگی کے بعض ذاتی واقعات بڑی دلچسپی اور معصومیت کے ساتھ بیان کیے ہیں کہ قاری اُن پر بے اختیار مسکرا دیتا ہے۔ تخلیقی ادب پارے کی یہی سب سے بڑی پہچان ہے کہ اس میں تصنع کا شائبہ تک نہ ہو۔ مثلاً ایک مرتبہ کاروباری سلسلہ میں ملک صاحب کراچی گئے ہوئے تھے۔ وہ وہاں کلفٹن اور منوڑہ کی سیر کے لیے بھی چلے جاتے تھے۔ ایک روز کلفٹن میں چائے پینے کے بعد دکان دار کو پیسے دینے کے لیے جو جیب میں ہاتھ ڈالا تو پتہ چلا کہ جیب ہی کٹ چکی ہے۔ ایک جھٹکا سا لگا اور پریشان ہو گئے۔ اتفاق سے اوپر کی جیب میں چند روپے تھے۔ چائے کا بل تو ادا کر دیا۔ جس ہوٹل میں قیام پذیر تھے اس کا کرایہ بھی پیشگی ادا کر چکے تھے۔ کراچی میں ابھی اُن کے لوگوں سے زیادہ گہرے تعلقات استوار نہیں ہوئے تھے۔ کسی بک سیلر سے ظاہر کرتے اور قرض مانگتے ہوئے بھی شرم محسوس کر رہے تھے۔ ملک صاحب اِسی کشمکش اور پریشانی کے عالم میں ہوٹل واپس آئے اور اپنا بریف کیس اٹھا کر سیدھا ریلوے اسٹیشن پہنچے اور بغیر ٹکٹ لئے لاہور جانے والی ٹرین میں سوار ہو گئے۔ وہ تو اُن کی خوش نصیبی تھی کہ راستے میں کوئی ٹکٹ چیک کرنے والا نہیں آیا۔ یہ مُلتان ریلوے اسٹیشن پر گاڑی سے اتر گئے اور بچ بچا کر سٹیشن سے باہر نکل آئے۔

اب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اُن کی اس وقت کیا حالت ہوئی ہوگی، اسٹیشن سے یہ سیدھے شہر کے ایک مشہور ہوٹل پہنچے، کمرہ کرایہ پر لیا۔ اب آگے یہ تمام کہانی اُن کی زبانی سنیئے اور مزے لیجئے۔

''ان دنوں میں اچھا خاصا بابو ٹائپ آدمی تھا۔ کونٹر پر موجود آدمی نے رجسٹر پر میرا نام وغیرہ لکھ کر کمرے کی چابی مجھے دے دی۔ کمرے میں آکر میں نے کھانا منگوایا۔ کھانا بہت لذیذ تھا، کھا

Marfat.com

کر حالت کچھ سنبھلی۔ کراچی سے روانہ ہونے کے بعد میں نے کچھ کھایا پیا ہی نہیں تھا کیونکہ جیب میں تو کچھ تھا ہی نہیں۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ہوٹل سے ہی میں نے اپنے دوست حنیف چوہدری کو فون کیا۔ اُن کے گھر والوں نے بتایا کہ وہ ملتان سے باہر ہیں۔ دو تین روز تک واپس آئیں گے۔ میں نے بھی فیصلہ کر لیا کہ جب تک حنیف چوہدری واپس نہیں آتے یہیں قیام کروں گا۔ چنانچہ ہوٹل میں مزے سے انواع واقسام کے کھانے کھاتا رہا اور بل بنتا رہا۔ تین دن کے بعد حنیف چوہدری کے گھر فون کیا تو وہ واپس آ چکے تھے۔ میں نے اُن کو فون پر ہی اپنی رام کہانی سنائی تو وہ فوراً ہوٹل میں آ گئے۔ میں نے اُن سے اپنی ضرورت کے مطابق رقم لے کر ہوٹل کا بل ادا کیا اور ریل کا ٹکٹ لے کر لاہور پہنچ گیا۔ دوسرے دن چوہدری حنیف صاحب کو شکریہ کے ساتھ منی آرڈر بھجوا دیا۔ یہ وہی چوہدری حنیف ہیں، جو ایک عرصہ تک امروز ملتان کے فیچر رائٹر رہے ہیں۔''

یہ ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جس نے دیہات کے معصوم اور غیر ترقی یافتہ ماحول سے زندگی کا آغاز کیا اور بغیر اعلیٰ تعلیمی ڈگریوں کے لاہور جیسے ترقی یافتہ شہر میں ''چودھویں صدی'' کے نام سے ادبی پرچہ کا اجراء کر کے دھوم مچا دی اور پھر اسی شہرِ زندہ دلاں میں مقبول اکیڈمی جیسے عظیم الشان اشاعتی ادارے کی ایمپائر قائم کر دی، جہاں بڑے بڑے ادیب اور دانشور جگمگا رہے ہیں۔ رئیس احمد جعفری، احسان دانش، محمد احسان الحق سلیمانی، میرزا ادیب، اے حمید، ڈاکٹر طارق عزیز، ڈاکٹر انور سدید، علی سفیان آفاقی، طارق اسماعیل ساگر، حفیظ تائب، ڈاکٹر صفدر محمود،

Marfat.com

شعیب بن عزیز، امجد اسلام امجد، ڈاکٹر وحید قریشی، مولانا حامد علی خان، سید قاسم محمود، عبدالعزیز خالد، ڈاکٹر علی محمد خان، اظہر جاوید، ظفر علی راجا، قمر نقوی نقشبند، ڈاکٹر اللہ بخش ملک، راجا رشید محمود، قاضی ذوالفقار احمد، رحمان مذنب، ساغر صدیقی، ناصر نقوی، سید واجد رضوی، ابوالامتیاز، ع، س مسلم، غلام الثقلین نقوی، ڈاکٹر مسکین علی حجازی اور پروفیسر رفیع اللہ شہاب اسی کائنات کے روشن ستارے ہیں۔ مگر اِس سلطنت کو قائم کرنے کے لیے انہیں بے شمار مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا جس کا ذکر انہوں نے اجمالاً اِس کتاب میں کیا بھی ہے۔ انہیں کئی نقصانات اور حادثات سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ سرکاری اہل کاروں کی حریصانہ نظریں، رشوت ستانی سے پراگندہ ماحول، حسد و بغض سے بھرے کاروباری لوگ، جھوٹے الزامات سے دوسروں کی ساکھ کو خاک میں ملانے والے عناصر، ان سب سے نمٹنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ایسے ہی عناصر میں ایک شخص منظور ولی وارثی نے ملک صاحب کے خلاف ''ندائے وقت'' میں یہ جھوٹی خبر شائع کروا دی کہ ملک صاحب انعامی سکیمیں چلاتے ہیں۔ ملک صاحب نے اُن کے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ کر دیا، جس پر وارثی صاحب کو جیل جانا پڑا۔ لیکن آپ نے چند دوستوں کی مداخلت پر وارثی کو معاف کر دیا۔ وارثی نے معافی نامہ لکھ کر ملک صاحب کو دے دیا، جواب بھی اُن کے پاس محفوظ ہے۔ ملک صاحب اب بھی جب اس کے حسد و بغض کو یاد کرتے ہیں تو انہیں دکھ ہوتا ہے۔ ایسے ہی ان کی کتب فروش برادری کے ایک شخص نے ملک صاحب سے کوئی اٹھارہ بیس سال پہلے پچیس ہزار روپے ادھار لیے تاکہ وہ ایک آرڈر کی تعمیل کر سکے۔ آج اکیسویں صدی آ گئی ہے۔ اس بندۂ خدا نے ایک پائی بھی واپس نہیں کی حالانکہ وہ خاصا مال دار ہے اور بھی ان کی برادری کے لوگ ہیں جو مقبول اکیڈمی کے پیسے دبائے بیٹھے ہیں۔

Marfat.com

زندگی حادثات سے عبارت ہے اور بعض ایسے خوفناک حادثے آتے ہیں جن سے بچنے کے بعد آدمی سوچتا ہے کہ میں ان سے بچ کیسے گیا ہوں۔ ایک مرتبہ ملک صاحب ملتان اور ساہیوال کے درمیان سڑک پر تیز رفتاری سے کار چلا رہے تھے۔ ویسے بھی اُن کی طبیعت میں پرندوں کی طرح آسمانوں پر اُڑنے کی سدا خواہش رہی ہے۔ لہٰذا کار تیز چلانے کا شوق بھی اُن کے مزاج میں شامل تھا۔ اب سٹیرنگ پر انہیں قابو نہ رہا اور انہوں نے اِس پر سے اپنی گرفت چھوڑ دی اور آنکھیں بند کر لیں اور سمجھ بیٹھے کہ گاڑی کسی کھڈ میں جا گرے گی یا کسی درخت سے جا ٹکرائے گی لیکن ہوا یہ کہ گاڑی معجزانہ طور پر مڑنے کی بجائے خود بخود سڑک پر آ گئی۔ اُن کے حواس بحال ہو گئے اور انہوں نے گاڑی کی رفتار دھیمی کر دی۔ یہاں انہوں نے بڑا عمدہ نکتہ پیش کیا کہ "اللہ کو میری زندگی منظور تھی۔ اس کے مقرر کردہ فرشتوں نے میری حفاظت فرمائی تھی یہاں مجھے بے اختیار ایمرسن کے ایک انشائیہ "نیچر" (فطرت) کا ایک جملہ یاد آ گیا جسے میں یہاں نقل کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

" We are escorted on every hand through life by spiritual agents and a beneficent purpose lies in wait for us. (EMERSON — NATURE) "

یعنی عمر بھر روحانی عناصر چاروں طرف سے ہمیں اپنے دائرۂ تحفظ میں لیے رکھتے ہیں اور کوئی مہربان مقصد سدا ہماری تاک میں لگا رہتا ہے۔ یہ روحانی عناصر فرشتے ہیں جو ہمیں آفات سے بچاتے رہتے ہیں، ان فرشتوں نے ملک مقبول احمد کو کار کے حادثہ سے بچایا۔ انہی روحانی عناصر نے انہیں منیٰ کے میدان میں حبشی حجاج کے ایک زبردست ریلے کی زد میں گر پڑنے پر بچا لیا تھا کیونکہ ایسے خوفناک ریلوں میں گر کر کسی حاجی کا بچ جانا عموماً ممکن نہیں ہوتا۔

Marfat.com

پھر ایک اور جانکاہ حادثہ پیش آیا۔ اُن کی رہائش گاہ جو گلشن پارک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور میں واقع تھی، اُن کی غیر موجودگی میں ڈاکہ پڑ گیا اور ڈاکو وی۔سی۔آر، زیورات اور نقدی لے کر فرار ہو گئے۔ شکر ہے کہ اُن کی بہو اور بچہ محفوظ رہے لیکن ملازمہ اُن کے پستول کے بٹ کی مار سے زخمی ہو گئی اور اس کے سر سے کافی خون بہہ نکلا۔ اُسے ہسپتال پہنچایا گیا۔ پولیس میں رپورٹ درج کرائی گئی، جس کا وہی حشر ہوا جو عموماً ہوتا ہے۔ ڈاکو تو گرفتار نہ ہو سکے البتہ انہیں تفتیشی کارروائی کے دوران ذہنی پریشانی ہوتی رہی۔ ۱۹۷۹ء میں ان کی بے جی کا انتقال ہو گیا۔ یہ وہ ماں تھی جس کے بارے میں ملک صاحب کہتے ہیں۔

''دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد پتہ چلا کہ وہ مجھ سے محبت نہیں
بلکہ عشق کرتی تھیں''۔

۱۹۸۹ء میں اُن کے والد صاحب ملک لال دین کا انتقال ہو گیا۔ یہ ایسے شفیق والد تھے کہ پولیس میں ہوتے ہوئے بھی انہوں نے ملک صاحب کو کسی بھی شرارت پر کبھی نہیں مارا تھا کیونکہ بقول اُن کے سرزنش اور مار کا فریضہ ہمیشہ بے جی ہی ادا کرتی تھیں۔ ماں کی مار میں بھی بلا کی کشش اور محبت ہوتی ہے۔ ملک صاحب بلند ارادوں کے مالک اِنسان ہیں ہمیشہ اُن کی اڑان آسمانوں پر ہی رہی ہے۔ علامہ اقبال کے اِس شعر پر عمل کرنے کے خواہاں رہے۔

محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

رائے ونڈ میں ۱۱۳ کنال اراضی زمین پر پیپر مل لگانے کا منصوبہ بنا ڈالا مگر یہ عظیم منصوبہ سرکاری اہل کاروں کے ''خاص معاملات'' کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے ناکام ہو گیا۔ یہ ایک بہت بڑا دھچکا تھا۔ اِس میں انہیں بڑا نقصان ہوا۔ اِس سے پیشتر بھی

Marfat.com

انہیں ایک اور بہت بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہ زراعت کا ناکام تجربہ تھا۔ انہوں نے ضلع شیخوپورہ میں نیلامی میں دو مربعے زمین حاصل کر لی۔ مولوی افضل اُن کی مقبول اکیڈمی میں کتابت کا کام کرتا تھا۔ لہٰذا معاملات طے کر کے انہیں زمین پر کام سنبھالنے کے لیے بھیج دیا۔ کچھ عرصہ تک کام خوش اسلوبی سے کرتا رہا لیکن پھر اس کی نیت میں فتور آ گیا اور اُن کا ٹریکٹر لے کر بھاگ گیا۔ بڑی مشکل سے اس سے ٹریکٹر نکلوایا اور زمین وغیرہ سب بیچ ڈالی اور یہ نتیجہ نکلا کہ ایسا کوئی کاروبار نہ کیا جائے، جس کی نگرانی کسی دوسرے کے سپرد ہو۔

ملک صاحب نے ۱۹۴۷ء میں جب ورنیکلر مڈل امتحان پاس کر لیا۔ تو والد صاحب نے خواہش کی کہ وہ پٹواری بن جائیں۔ لہٰذا ان کی خواہش کے مطابق انہوں نے گوجرانوالہ میں پٹوار سکول میں داخلہ لے لیا لیکن وہاں کلاسیں اٹینڈ کرنے کے بعد انہیں محسوس ہوا کہ لمبے چوڑے رجسٹر، کھاتے، جمع بندیاں، جریب سے زمین کی پیمائش، فصلوں کا حساب کتاب اور مالیے وغیرہ تو اُن کی آزادی کو کھا جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے والد کی ناراضگی کے باوجود پٹواری بننے کا خطرناک پروگرام ترک کر دیا اور اپنی آزادی اور مرضی کو برقرار رکھتے ہوئے گورنمنٹ نارمل سکول نارووال میں داخلہ لے لیا اور استاد بننے کا پروگرام بنا لیا۔ یہاں پر ۱۹۵۰ء میں ٹریننگ مکمل کرنے، فارسی اور تعلیم بالغاں کا کورس پاس کرنے کے بعد امتیازی سند حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوئے اور دو سال بعد گورنمنٹ بورڈ پرائمری سکول کلوئے ضلع سیالکوٹ میں معلّم کے طور پر ان کی تقرّری ہو گئی۔ یہ وہی کلوئے گاؤں ہے، جہاں کا اللہ ماہی تھا۔ لیکن کلوئے میں پرائمری سکول کی معلّمی اُن کی منزل نہیں تھی کیونکہ وہ تو اقبال کے شاہین بننا چاہتے تھے جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا:۔

Marfat.com

تو شاہیں ہے ، پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

لہٰذا اپنی منزل کو پانے کے لیے معلّمی کو خیر باد کیا اور لاہور آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ یہاں انہوں نے گرم دمِ جستجو پر عمل کرتے ہوئے مقبول اکیڈمی سے ادبی، دینی اور تاریخی کتابوں کے اشاعتی ادارے کا ۱۹۵۸ء میں سنگِ بنیاد رکھا، جسے عالمی شہرت کی بنیاد پر تسلیم کرتے ہوئے ملک مقبول احمد کا نام مارکوئیس پبلشنگ بورڈ نے اپنی سالانہ کتاب Who's who in the world...1999 میں شائع کیا۔ اب یہ ادارہ مقبول بکس کے نام سے ایمپائر بن چکی ہے جو دراصل ایک غیر رسمی عظیم الشان علمی درس گاہ ہے جو تشنگانِ علم کی پیاس بجھاتی ہے۔ اِس علمی درسگاہ کے وہ بے تاج بادشاہ ہیں۔

میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ شروع میں بھی معلّم تھے اور اب بھی معلّم ہیں۔ البتہ ان کے درس و تدریس کا سلسلہ غیر روایتی غیر رسمی اور غیر نصابی ہے۔ انہوں نے غیر رسمی یونیورسٹی سے اپنے آپ کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا۔ یہ بات دیکھیے وہ کس خوبصورتی سے کہتے ہیں:۔

”تعمیر اخلاق، قناعت، فقر و تصوف کے بارے میں میرا علم غیر رسمی تھا لیکن میں نے کتابوں کے مطالعے اور دنیا کے تجربہ سے بہت کچھ سیکھا۔ یہ غیر رسمی تعلیم ہی میری راہنمائی، مشکلات گو ناگوں تھیں۔ لیکن میں اپنے کام کے پھیلاؤ سے مطمئن تھا۔۔۔۔ بلاشبہ میرا ذاتی علم بہت محدود تھا لیکن دوسروں کے علم اور تجربات میرے سامنے تھے۔ میرے ذاتی حالات اور کوائف حوصلہ شکن تھے۔ لیکن دوسرے لوگوں کی کامیابیوں کو میں نے مشعل

Marfat.com

راہ بنایا۔۔۔۔میرے پاس عزم تھا، ارادہ تھا اور اللہ کے فضل سے مشکلات سے ٹکرا جانے کی صلاحیت تھی۔ اِس سب کے علاوہ میرے ساتھ میری ماں کی دعائیں تھیں۔ ایک شعر جس نے مجھے ہمیشہ متحرک اور استقلال بخشا، وہ یہ تھا:۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

میں نے قوم کے ایک فرد کی حیثیت میں اپنی حالت بدلنے کے لیے بھرپور کوشش کی اور اِس میں اپنی توانائیاں صرف کیں تو نتیجہ یہ ہوا کہ تاریک راستے روشن ہوتے چلے گئے''۔

یہ سارا نتیجہ اور یہ سارا ثمر اسی غیر نصابی، غیر رسمی اور غیر روایتی تعلیم و تربیت کا تھا جس نے اُن کے اندر خلاّقانہ قوّتیں بیدار کر دیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ میں آج کل تنقید میں اِسی غیر رسمی اور غیر روایتی رَوّیہ پر کام کر رہا ہوں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ یہاں بھی میں ملک مقبول احمد کے ساتھ اپنی فکری ہم آہنگی پاتا ہوں۔

اپنے مضمون کو ختم کرنے سے پہلے اگر میں اُن کی شریک حیات خورشید بیگم کا ذکر نہ کروں تو بڑی کوتاہی ہوگی، اس عظیم خاتون، صبر و رضا کی پیکر نے اُن کی پشت پر ہاتھ رکھا اور ایک مثالی اہلیہ کی حیثیت سے اُن کی غمگسار، مشیر اور دوست کی طرح اُن کا ہاتھ بٹایا۔ تنگ دستی کے باوجود بچوں کی تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ دی۔ دونوں بیٹے ظفر اور ارشد اور بیٹی شہنیلا ڈاکٹر ہیں۔ اور تو اور شہنیلا بیٹی کا شوہر بھی ڈاکٹر ہے۔ خوبصورت والدین کی خوبصورت اولاد۔ خدا انہیں سدا اپنی عافیت اور رحمت میں رکھے اور یہ اِسی طرح علم کا نور عام کرتے رہیں اور خلقِ خدا کی جسمانی اور روحانی بیماریوں کو دور کرتے رہیں۔ آمین!

Marfat.com

جناب جوگندر پال

جوگندر پال بھارت اور پاکستان میں اردو کے عظیم ترین افسانہ نگاروں اور ناول نویسوں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ اردو کے واحد ادیب ہیں جنہوں نے اورنگ آباد کالج میں پرنسپل کے عہدے سے ریٹائرمنٹ (قبل از وقت) لے کر۔ ایک کل وقتی ادیب کی آزاد زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا اور اردو ادب کو اپنی زندگی کی اہم ترین سرگرمی بنالیا۔

جوگندر پال 25 دسمبر 1925ء کو پاکستان کے معروف شہر سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ مرے کالج سیالکوٹ سے 1946ء میں بے اے کیا اور ملٹری اکاؤنٹس میں ملازم ہوگئے۔ اس دوران ملک آزاد ہوگیا تو وہ پہلے ہندوستان اور پھر نیروبی چلے گئے۔ انہوں نے 1955ء میں واپس آکر ایم اے انگریزی بھارت کی پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ 1964ء میں نیروبی سے پنشن لے کر وطن واپس آئے تو ایس بی کالج اورنگ آباد میں پرنسپل مقرر ہوئے۔ 1976ء میں استعفیٰ دے کر 1978ء میں دلی آگئے اور اب اپنا تمام وقت ادب کی سروس میں وقف کر چکے ہیں۔

جوگندر پال اندرون ملک اور بیرون ملک کئی ادبی مذاکروں میں شریک ہو چکے ہیں۔ پاکستان میں ڈاکٹر وزیر آغا، محمد علی صدیقی، انور سدید اور ڈاکٹر حسن منظر کو اپنے دوستوں میں شمار کرتے ہیں۔ ان کی بیگم کرشنا پال جامعہ ملیہ سے انگریزی کی پروفیسر کی حیثیت میں ریٹائر ہوئیں۔ ان کی بیٹی سکریتا پال کمار ادب کی نقاد اور شاعرہ ہیں۔

جوگندر پال کے افسانوں کے آٹھ مجموعے اور کئی ناول شائع ہو چکے ہیں ان کے فن اور شخصیت پر ایک ضخیم کتاب بھی چھپی ہے۔ جوگندر پال کو متعدد ایوارڈ مل چکے ہیں۔ وہ اردو افسانے کے زیرک نقاد ہیں اور رسالہ ''اوراق'' کے نامور قلمکاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ پاکستان میں ان کا ناولٹ ''خواب رو'' پہلی مرتبہ مقبول اکیڈمی نے شائع کیا تھا۔

''سفر جاری ہے'' کا مقالہ ان کی کشادہ نظری اور جدت آفرینی کا مظہر ہے۔

Marfat.com

جوگندر پال

''سفر جاری ہے''

ہمارے یہاں بیشتر خودنوشتیں لکھنے والوں کے اشتہاری اظہار کا حیلہ سابن کر رہ جاتی ہیں یا پھر کوئی بظاہر بڑی انکساری سے کام لے کر بھی لکھتا ہے تو اتنی اور ایسی ہی انکساری سے، گویا یہی سمجھا رہا ہو، 'دیکھیے، اتنا بڑا ہونے کے باوجود میں منکسرالمزاج ہوں۔ ملک مقبول احمد کی خودنوشت ''سفر جاری ہے'' اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ ایک سیدھی سادی زندگی کا سیدھا سادا، بے ریا بیان ہے، جو مطالعہ کے دوران دل میں اترتا چلا جاتا ہے اور مزہ یہ ہے کہ اتنے کھلے پن میں بھی ٹھکانے سے دور پار کہیں کھو نہیں جاتا۔

ملک صاحب نے کتاب کے آغاز میں ہی بجا طور پر روسو کی آپ بیتی سے اس مفہوم کا ایک نہایت کارگر اقتباس پورے صفحے پر پھیلا کر شامل کیا ہے کہ

''میں نے ہر وہ بات جو کہ قابلِ تعریف یا قابلِ اعتراض تھی، پوری آزادی اور سچائی سے بیان کی ہے، اِس ضمن میں روسو کی کتاب کا عنوان ''اعترافات'' بھی قابلِ غور ہے۔ اہم تر آپ بیتیاں مصنف اپنی تاجپوشی کرنے یا جشن منانے کے لیے نہیں لکھتا۔ بامعنی آپ بیتی کا اصل جواز تو مُصنّف کے اعتراف اور شکست کے احساس میں مضمر ہوتا ہے۔ زندگی کی سَرَل اور راست ٹریفک نے

Marfat.com

ملک مقبول احمد جیسے نیک طینت آدمی کو شاید اِس نوع کے بڑے دھکوں سے بچائے رکھا ہے، تاہم اپنے معمول کے سروکار میں انہیں جو اور جیسے اپنی ناکامیاں درپیش رہی ہیں، انہوں نے بے کم و کاست بیان کر دی ہیں۔ جس طرح ہمارے ادب کی نئی کہانیوں کے اسی امتیازی وصف کی بدولت ہماری ترجیحوں کا اسباب ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح زندگی بسر کرنے کی اِسی خوبی کے باعث کوئی شخص ہمیں فوری سنجیدگی سے اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ساڑھے چار سو صفحات کی اِس کتاب کو میں نے جو ہاتھ میں لیا تو اور سب کچھ بھول کر ایک اُنہی کی مخصوص زندگی میں کھویا رہا اور افسانوی دلچسپی کے ریلے میں آخر تک فر فر پڑھتا چلا گیا۔ ہم بعض مشکل کتابوں کو کتنی بھی اہمیت دیں، عام طور پر کسی اچھی کتاب کے اوصاف کا نمایاں تر سبب یہی ہوتا ہے کہ وہ قابلِ مطالعہ (Readable) ہو۔ ملک صاحب کی زندگی کی کہانی کا بے بوجھ پن بھی قاری کو بڑے سبک دھیان سے دوڑائے چلا جاتا ہے۔

ملک مقبول احمد میرے شہر سیالکوٹ میں تو نہیں، سیالکوٹ ضلع کے ہی ایک گاؤں دیووال میں پیدا ہوئے۔ ہم سیالکوٹیوں کو اپنی گلیوں کے آگے پیچھے کی خبر کہاں ہوتی ہے۔ چنانچہ کتاب کے ذریعے مجھے دیووال میں پہلی بار، مگر عین اتنا ہی عرصہ رہنے کا موقع فراہم ہوا ہے جتنا ملک صاحب کو۔ اُنہی کے ساتھ گاؤں میں گھومتا پھرا ہوں، اُنہیں اپنی دو آنکھوں سے اپنے ابا میاں سے تھپڑ کھاتے اور درد سے کلبلاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اُن کے ساتھ بٹیروں کا شکار کیا ہے اور گاؤں کی بالاؤں کے لوک گیت بھی سنے ہیں۔ گڈی گڈا اساڑیا، وس مینہا کالیا۔

اور پھر جب وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے رسالہ ''چودھویں صدی'' کا منصوبہ بنائے لاہور چلے آئے ہیں۔ تو ہم بھی اُن کے ساتھ یہیں آ پہنچے ہیں۔۔۔ اُن

Marfat.com

کی پہلی شادی پھر دوسری اور پھر تیسری ہمارے سامنے انجام پائی ہے، اُن کا ''چودھویں صدی'' تو آگے نہیں بڑھ پایا ہے مگر خدا کا شکر ہے کہ کتابوں کی اشاعت کا کام اتنا چل نکلا ہے کہ کاروبار چلانے کے لیے چھ سات کا اسٹاف ضروری ہو گیا ہے۔ مولانا آزاد کی کتاب کے اُردو ترجمہ ''آزادیٔ ہند'' کی اشاعت پر مقبول اکیڈمی کو ملک گیر مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ بڑی سیدھی کہانی ہے، جو ایک بااصول اور خدا ترس انسان کی محنت اور سوجھ بوجھ کے دلچسپ مرحلے طے کرتے کہاں سے کہاں آ پہنچی ہے۔

برصغیر ہند کا اُردو کا ایک عام مصنف جتنا اپنے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہوتا ہے۔ اتنا ہی اپنے ناشر کو بھروسے کے قابل نہیں گردانتا مگر یہ کہانی تو ''اُلٹا ہی'' یہی دکھا رہی ہے کہ جن مصنفین نے بھی ملک صاحب پر بھروسا کیا اُن کی تصانیف کی اشاعت کے سارے مراحل کیوں کر اُن کی خواہش کے عین مطابق انجام پاتے چلے گئے۔ جیسے ملک صاحب اپنے مصنفوں تک رسائی کی تدبیر کرتے رہتے ہیں، ویسے ہی مصنفین بھی ان تک پہنچ پانے کی سوچتے رہتے ہیں۔

ملک صاحب نے اپنی ساری کہانی ایک سیدھ میں بیان کرنے کی بجائے چند حصوں میں بانٹ لی ہے، پہلے حصے میں وہ اپنی ذاتی کہانی بیان کرتے ہیں اور دوسرے میں انٹرویو، کے بعد تیسرے میں مصنفین کا تذکرہ ہے۔ چوتھا اور پانچواں بالترتیب ملک صاحب کے نام مصنفین کے خطوط اور تبصروں پر مشتمل ہے۔

ساری کتاب میں جہاں جگہ جگہ مصنفین کی تصویریں شائع کی گئی ہیں، وہاں ایک پورا حصہ ملک صاحب کی ذاتی زندگی کی تصاویر سے بسا ہوا ہے۔ ادیبوں کے خطوط نہ صرف ملک صاحب کی پیشہ وارانہ استعداد و عمل کے آئینہ دار ہیں بلکہ اُن کی

Marfat.com

بدولت خودادیبوں کی زندگی کے کئی پہلو بھی روشن ہوتے ہیں۔

کسی پُر کار سادہ پیش کش کا ذکر ہمارے یہاں اتنا پٹ چکا ہے کہ قاری اِسے ہنس کر ٹال جاتا ہے۔ مگر اِس کتاب اِس اہم ترین خوبی کو ٹال جانا اس سے بے انصافی برتنے کے مترادف ہوگا۔

کتاب کے اوائلی پینتالیس صفحات میں مصنف نے بعض معتبرین کی آراء شائع کی ہیں، جو حقائق پر مبنی ہونے کے باوصف کھلتی ہیں۔ میری رائے میں کتاب کو کتاب سے ہی شروع ہونا چاہیے تھا۔

Marfat.com

جناب حافظ صفوان محمد چوہان

حافظ صفوان محمد چوہان اردو ادب کے تازہ وارد ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آتے ہی میدان ادب فتح کر لیا ہے۔ ان کا پھر یرا ہر ادبی پرچے میں لہراتا نظر آتا ہے۔ حافظ صفوان صاحب 1968ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ قرآن کریم بچپن میں حفظ کیا اور بی اے کی ڈگری اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور سے حاصل کی۔ ایم ایس سی الیکٹرانکس قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے کیا اور اب برطانیہ کی ایک یونیورسٹی سے کمپیوٹر سائنس اور لسانیات کے بین العلومی موضوع پر پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ عملی زندگی کے لیے انہوں نے ہری پور ہزارہ میں سینئر لیکچرار اور صدر شعبہ کمپیوٹر ڈیٹا سروسز کی ملازمت اختیار کر رکھی ہے۔

حافظ صفوان محمد چوہان کو ادبی ذوق وراثت میں ملا۔ ان کے والد پروفیسر عابد صدیق (1939.....2000) معروف نقاد، مترجم اور شاعر تھے۔ انہوں نے اوائل عمری سے اب تک متعدد اعلیٰ ایوارڈ حاصل کر لیے ہیں اور اب ترجمہ، تنقید اور شخصیت نگاری میں اعتبار حاصل کر رہے ہیں۔ ان کا اختصاصی موضوع تدوین لغت ہے جس کے لیے وہ جدید لسانی اصولوں اور معیارات کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب فنِ ترجمہ بھی لکھی ہے جس کا نام ''ورڈز اینڈ ریفلیکشنز'' Words and Reflections ہے۔

حافظ صاحب نے ''سفر جاری ہے'' پر تبصرہ نامور ادبی جریدہ ''قومی زبان'' کراچی میں شائع کیا ہے۔

Marfat.com

حافظ صفوان محمد چوہان

سفر جاری ہے.......

یہ اُس وقت کی بات ہے جب میں آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ مجھے ایک غیر محسوس وجہ سے مولانا ابوالکلام آزادؒ سے عقیدت و محبت تھی۔ اللہ کا کرنا، اُن کے ''ترجمان القرآن'' کی پہلی جلد ہمارے گھر سے کہیں کھو گئی۔ چوک سرائیکی بہاول پور میں کتابوں کی ایک بڑی دکان پر ہلکے قرمزی رنگ کی ایک جلد میں ''ترجمان القرآن'' نظر آئی۔ قیمت دیکھی تو -/540 روپے۔ اُس وقت میں بچوں کو جیب خرچ دینے کا رواج نہ تھا۔ یاد پڑتا ہے کہ شاید سات آٹھ مہینے میں اتنے پیسے جمع کر لیے اور یوں وہ سعید دن آیا کہ میں یہ کتاب خریدنے کے لیے دکان پر گیا۔ اس سے پہلے صرف درشنی گاہکی چلتی رہی۔ پیسے کاؤنٹر پر رکھے۔ دکان دار نے کہا کہ اس کتاب پر آپ کو رعایت ملے گی۔ اور یہ کہہ کر مجھے ایک سو دس روپے لوٹا دیے ـــ میں حیران ہوا کہ کتاب پر چھپی ہوئی قیمت میں کمی بھی کرائی جا سکتی ہے۔ یہ واقعہ مدت سے یاد ہے۔

وہ دن ہے اور آج کا دن، یہ ترجمان القرآن بہت دفعہ کھولنے کی ضرورت رہتی ہے۔ خوبی اس اشاعت کی یہ ہے کہ ترجمے اور تفسیر کے علاوہ صفحات مختلف سائز کے ڈبے بھی بنے ہوئے ہیں، جن میں طرح طرح کی معلومات ہیں۔

Marfat.com

بعد میں یہ انداز صرف ایسی کتابوں میں دیکھا جن کی کمپوز کاری پر بہت محنت ہوتی ہے اور مندرجات متنوع ہوتے ہیں۔ لیکن اُس زمانے میں جب طباعت بہت اچھی نہ ہوتی تھی اور آج کی طرح سے کمپیوٹرائزڈ بھی نہ ہوتی تھی، یہ ایک بڑا کام تھا۔

اُس وقت میں کتابوں کو دکان سے متعلق سمجھتا تھا، کہ فلاں کتاب فلاں دکان سے مل سکتی ہے۔ ذرا ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ کتاب چھاپنے والے ہی اصل لوگ ہوتے ہیں۔ دکانیں تو صرف محل ہائے فروخت ہوتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ ترجمان القرآن کی یہ اشاعت مقبول اکیڈمی کی ہے۔

آج شام ڈاکٹر انور سدید صاحب کے ہاں حاضر ہونے کا موقع بن گیا۔ انہوں نے ایک کتاب ''سفر جاری ہے'' میری طرف بڑھائی اور فرمایا کہ اس پر کچھ لکھ دینا۔ میں نے کتاب پکڑی۔ سرِ ورق دیکھا اور پھر پسِ ورق۔ ایک باشرع چہرہ، سفید بال اور سفید ڈاڑھی، ماتھے پر محراب، دل ٹھکا، انور سدید صاحب فرما رہے تھے کہ یہ مقبول اکیڈمی والے مقبول صاحب کی کتاب ہے۔ میں اُن کے اگلے کئی جملے سن نہ سکا۔ ترجمان القرآن کا خریدنا یاد آ گیا، اور لڑکپن کے کئی واقعات ـ ـ ـ بالخصوص اس گوہرِ مراد کو پانے کے لیے جوڑے گئے پیسوں کی روداد۔

قصہ کوتاہ ـ ـ ـ واپس ہوا تو فراغت ہوتے ہی ''سفر جاری ہے'' کا مطالعہ شروع کیا۔ کہنے کو تو یہ کتاب مقبول صاحب کی ''اپنی کہانی اپنی زبانی'' ہے یعنی آپ بیتی، لیکن درحقیقت یہ جگ بیتی ہے۔ اسے انہوں نے ''اپنے دوستوں کے ارشاد کی تعمیل اور اپنے بچوں کو خوش کرنے کے لیے'' لکھا ہے۔ اندازِ بیان انکسار سے مملو، رواں دواں اور سادہ ہے، اور زیبِ داستاں سے عاری۔

مقبول صاحب کاروباری آدمی ہیں۔ اس لیے جو بھی حوالہ کتاب میں ملتا ہے وہ لامحالہ کاروبار ہی کی بنیاد پر ہے۔ مشفق خواجہ صاحب نے آپ بیتی سے متعلق

Marfat.com

ایک جگہ یوں لکھا ہے کہ وہ ایسی صنف ہے جس میں موضوع تو مصنف کی اپنی ذات ہوتی ہے لیکن بحث دوسروں کے افعال سے کی جاتی ہے۔ یہ کتاب اس یکجہتی تعریف پر پوری اُترتی ہے لیکن کئی ایک مستثنیات کے ساتھ، اور یہی مستثنیات اس کتاب کی جان ہیں۔ جہاں مصنف کی اپنی ذات کا تذکرہ آتا ہے وہاں توریوں کے مزے دار سالن اور تندور کی روٹیوں کی مہک آتی ہے اور جہاں دوسرے لوگوں کا ذکر آتا ہے وہاں نوٹوں کی خوشبو آنے لگتی ہے۔ اُردو بازار لاہور کا یہ ایک کامیاب اور چوکنا تاجر جس نے صفر سے چل کر ایک قابلِ رشک کاروبار جمایا اور پھر پھیلایا، اپنی ذاتی زندگی میں ختم نبوّت کی۔ عالمگیر صداقت پر دلی تڑپ رکھنے والا ایک غیور مسلمان، ماں باپ کا ایک سعادت مند بیٹا، محبت کرنے والا ہم خانہ، شفیق اور مربی باپ اور خوش طبع دادا اور نانا ہے۔ وطن کی محبت اُس کے رگ و پے میں دوڑتی ہے۔ تقسیم کے وقت بھارتیوں کے لگائے گئے بہیمت کے داغ آج بھی اُس کی یادوں میں بستے ہیں۔

مقبول صاحب کی تحریر میں بڑے چھوٹے کا احترام نمایاں ہے۔ اپنے ایک استاد کے بارے میں لکھا ہے: ماسٹر فیروز دین بڑی احترام والی ہستی تھے۔ وہ اچھے اور قابل استاد تھے۔ طلباء کے ہی نہیں سب بڑوں کے بھی محترم تھے۔ اپنے ہر طالب علم کی شخصیت بنانے کی کوشش کرتے اور اُس کی حرکات وسکنات پر نظر رکھتے تھے۔ زمانہ اب ایسے انسانوں سے خالی ہوتا جارہا ہے۔

اسی پر بس نہیں، یہ ناشر و تاجرِ کتب اپنی کتاب میں ایک نیک دل بندۂ خدا بھی نظر آتا ہے، جو نہ صرف معاملت صاف رکھنے کی سعی کرتا ہے بلکہ بعض ضرورت مندوں کو دے دلا بھی دیتا ہے۔ خدا خوفی اُس کا شعار ہے۔ الجھنے کے بجائے رفع دفع کو ترجیح دیتا ہے۔ ایسے معروف قلم کاروں کے لیے الگ باب باندھا گیا ہے۔ جنہوں نے مقبول اکیڈمی سے قلمی تعلق رکھا ہے۔ یہ انداز ایک طرح

Marfat.com

سے شناسانہ اعتراف کی علامت بھی ہے۔ کتاب کا یہ حصہ بتاتا ہے کہ ادب کے نام آور لوگوں سے کاروباری تعلق مقبول صاحب کے حسنِ سلوک کی وجہ سے دوستی کی ہیئت کیوں کر پکڑ لیتا ہے۔

کاروبار میں ہر طرح کے لوگوں سے ہیل میل رہتا ہے۔ معاشی دباؤ اور سماجی ابتری کی وجہ سے بہت سے ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جن کے سبھاؤ میں ہنجاریت نہیں ہوتی بلکہ مستقلاً ایک ٹیڑھ پن ہوتا ہے۔ اس وکھری آپ بیتی میں ایسے لوگوں کے تذکرے پر مشتمل ایک باقاعدہ باب ''وکھری ٹائپ کے لوگ'' ہے، جس میں کچھ بندگانِ خدا کے ذکر میں نہایت سفاکانہ سادگی سے کام لیا گیا ہے۔ یہاں مقبول صاحب کا صحافیانہ انداز بیان پر نیں لیتا نظر آتا ہے۔

یہ خود نوشت سوانح، اردو بازار اور کتابوں کی دکانوں کے سارے کرداروں کا بڑا جان دار کینوس ہے: مسودے لے کر آنے والے قلم کے مزدور، آسودہ تن مصنفین، بزنس پارٹنرز، وہی وہانوی کی کتابوں کی تلاش میں ہیرا پھیری کرنے والے گاہک وغیرہ۔

کتاب کا دو تہائی سے زیادہ حصہ جو جگ بیتی پر مشتمل ہے، پانچ طرح کا ہے۔ ایک حصہ تو وہ تحریریں ہے جو صاحبِ کتاب کی کہانی شروع ہونے سے پہلے آتا ہے۔ اس میں بہت سے اہلِ قلم کی مقبول صاحب اور اُن کی کتاب پر تعارفی تحریریں ہیں۔ اور ان سب نے جائز طور پر دل کھول کر لکھا ہے۔ دوسرا حصہ وہ ہے جو مقبول صاحب نے خود لکھا ہے۔ اس میں تقریباً اسی کے لگ بھگ لوگوں کا تذکرہ ہے؛ بیشتر کا نام لے کر اور کچھ کا نام لیے بغیر۔ تیسرا حصہ مختلف لوگوں کے خطوط کا ہے، جن سے مقبول صاحب کا پیشہ وارانہ کاروباری رابطہ رہا ہے۔ اس میں معروف اہلِ ادب کے خطوط بھی شامل ہیں۔ ایک بڑا حصہ کتابوں کے تعارف پر مبنی ہے۔ آخری حصہ

Marfat.com

مقبول اکیڈمی کی شائع کردہ کچھ کتب پر شائع ہونے والے اردو انگریزی تبصروں پر مشتمل ہے۔ یوں یہ کتاب آپ بیتی ہی نہیں بلکہ مقبول اکیڈمی کا تفصیلی، تعارفی بروشر بھی ہے۔

ایک ایسے اشاعتی ادارے جس کا اشاعتی قبلہ نوائے وقت کے الفاظ میں ''درست ہے'' کے مالک کی یہ خودنوشت سوانح ان کئی حیثیتوں میں ایک ممتاز کتاب ہے۔

ماہنامہ ''قومی زبان'' کراچی

جون 2007ء

Marfat.com

جناب حامد حسن خواجہ

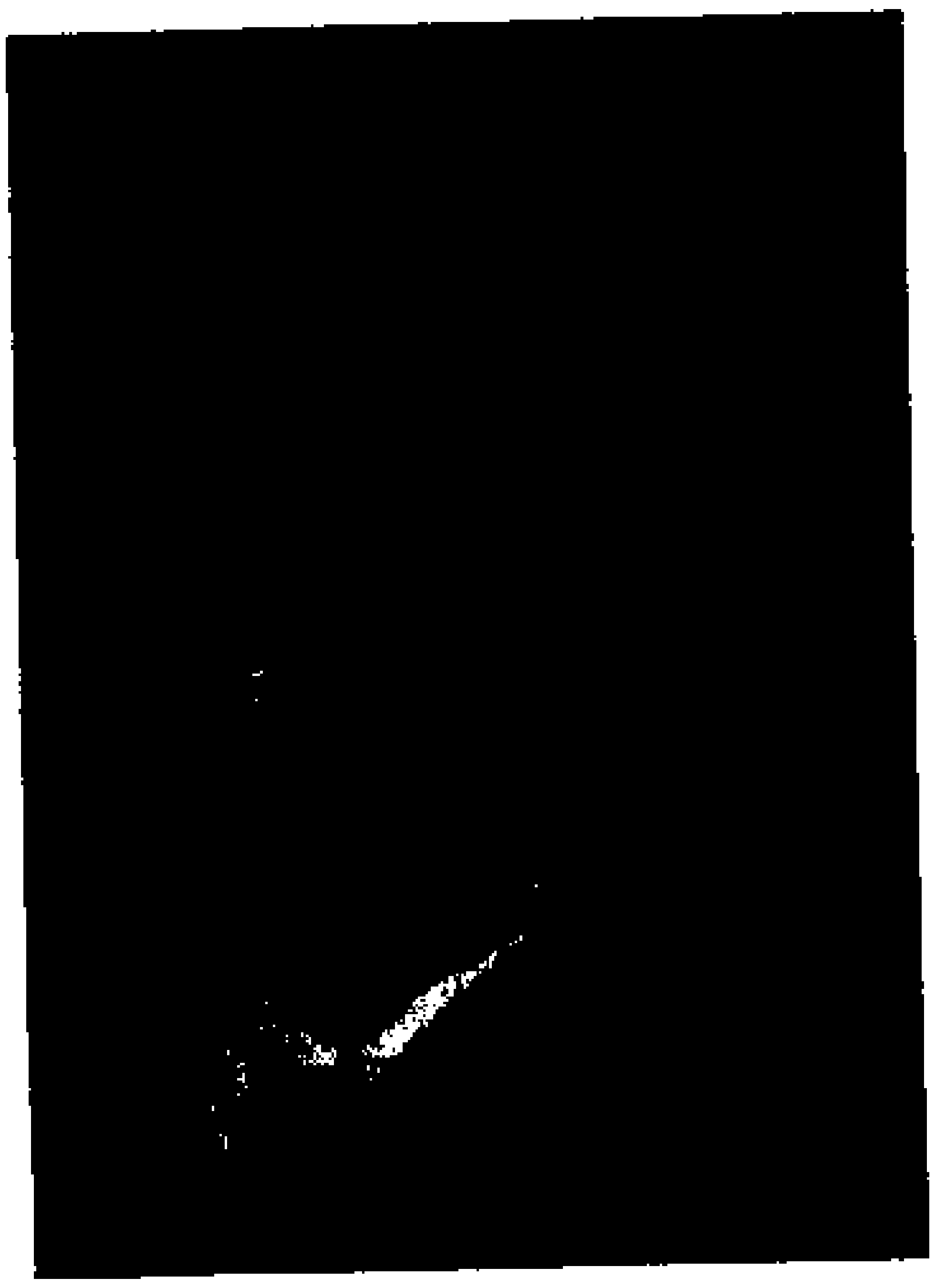

حامد حسن خواجہ کا شمار لاہور کے معروف تاجران کتب میں ہوتا ہے۔ وہ لاہور میں پیدا ہوئے۔ اور اس شہر بے مثال سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد نشر و اشاعت کے میدان میں آ گئے۔ حامد برادرس کے نام سے اپنا مکتبہ قائم کیا اور دیانت و امانت کے اصولوں پر کام کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے کام میں برکت ڈالی۔

حامد حسن خواجہ نے ادبی معاشرے میں ایک کام یہ کیا کہ ماہانہ ادبی رسالہ ''کائنات'' اور ہفت روزہ ''قلم کار'' جاری کیے۔ اس کے علاوہ ماہنامہ ''ناشر العلوم'' اور ماہنامہ ''جدوجہد'' کی ادارتی معاونت بھی کی ان ادبی خدمات کی اساس پر انہیں ''پاکستان رائٹرز گلڈ'' کا رکن بنا لیا گیا۔ خواجہ صاحب کی دوسری خدمت یہ ہے کہ انہوں نے لاہور بک سٹال اینڈ نیوز پیپرز ایسوسی ایشن کے جنرل سیکرٹری کے علاوہ ''مجلس اردو'' کے صدر کے فرائض بھی انجام دیے۔ ان کی سماجی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اپنی ذاتی زندگی میں وہ ادیبوں اور قلم کاروں کی خدمت کو اپنا سماجی فریضہ سمجھتے ہیں۔ خوبصورت اور نادر کتب کا ذخیرہ ان کے شوروم میں موجود ہے۔ رسالہ ''کائنات'' کے ذریعے انہوں نے بے شمار نئے ادیبوں کو متعارف کرایا اور نامور ادیبوں کی تخلیقات کو زیورِ اشاعت سے آراستہ کر کے ان کو شہرت بخشی۔

مجھے فخر ہے کہ حامد حسن خواجہ میرے دوستوں میں سے ہیں۔ میری ناچیز تالیف ''سفر جاری ہے'' پر انہوں نے ایک مخلص دوست کی نظر ڈالی ہے۔

Marfat.com

حامد حسن حامد

سفر جاری ہے

محترم ملک مقبول احمد صاحب مُصنّف ''سفر جاری ہے'' غالبًا سیالکوٹ کے کسی دیہات سے لاہور تشریف لائے تھے۔ میں انہیں اُس وقت سے غائبانہ طور پر جانتا ہوں۔ جب انہوں نے شاہ عالم کی ایک بلڈنگ میں اپنا دفتر قائم کیا تھا۔ یہ بلڈنگ یا دفتر ماہنامہ ''شمع'' کے دوسری جانب تھا۔

اُس دور میں ہم نے بھی اندرونِ شہر سوہا بازار لاہور سے ماہنامہ ''کائنات'' اور ہفت روزہ قلم کار شائع کیا اور سال میں ایک دو کتابیں بھی شائع کر دیا کرتے تھے اور پھر یہ کہ سوا بازار ہی میں ''قلم کار'' کے نام سے ہماری دکان بھی تھی۔

کچھ یاد نہیں کہ محترم ملک مقبول احمد سے زیادہ رسم خلوص و محبت کب چل نکلی، جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے آج بھی قائم و دائم ہے۔

محترم ملک مقبول احمد صاحب نے'' مقبول اکیڈمی'' کا شو روم ادبی مارکیٹ سرکلر روڈ پر بنالیا۔ میں نے بھی اپنا شوروم چوک انارکلی، سرکلر روڈ پر ہی بنالیا جو ایک دوسرے کے کافی قریب ہیں۔

محترم ملک مقبول احمد صاحب نے نہایت محنت، لگن، مشقت اور خلوص

Marfat.com

سے کاروبار نے جاری رکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اپنے ہم عصروں میں سے بہت آگے نکل گئے ہیں مگر اُن کی طبیعت میں ہمیشہ کی طرح وہی عاجزی ، انکساری اور خاکساری نمایاں ہے۔ بلا شبہ ہر لحاظ سے ایک بڑے انسان بن چکے ہیں۔ ان کی طبیعت میں تکبر، غرور اور گھمنڈ جیسی کوئی شے نہیں ہے۔

ماشاء اللہ اب ''مقبول اکیڈمی'' کی برانچیں لاہور میں مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ قارئین اپنے پسند کی کتابیں ان جگہوں سے بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

10 دیال سنگھ مینشن دی مال لاہور۔ لنک روڈ ماڈل ٹاؤن لاہور۔

14 مین روڈ علامہ اقبال ٹاؤن لاہور۔ صدیق ٹریڈ سنٹر گلبرگ لاہور۔

ایک روز کسی اخبار یار سالے میں ان کی کتاب ''سفر جاری ہے'' پر خوبصورت تبصرہ نظر سے گزرا اور معلوم ہوا کہ پہلے ملک مقبول احمد دوسرے لکھاریوں کی کتابیں شائع کرتے تھے۔ اب خود بھی ''سفر جاری ہے'' تحریر کر کے لکھاریوں میں شامل ہو گئے ہیں —— اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

میں کتاب ''سفر جاری ہے'' پر خوبصورت تبصرہ پڑھ کر محترم مقبول احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کی خدمت میں مبارک باد کہنے کا آرزومند تھا۔ مگر اپنی بیماری اور تکلیف کی وجہ سے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو مبارک باد پیش نہ کر سکا۔

محترم ملک مقبول احمد صاحب جب بھی نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد میں جاتے ہیں تو انہیں ہماری دکان کے آگے ہی سے گزر کر مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے جانا ہوتا ہے۔ جب آنکھیں چار ہو جائیں تو علیک سلیک بھی ہو جاتی ہے۔ ایک روز مشہور مزدور افسانہ نگار جناب قمر یورش ہمارے ساتھ دکان پر بیٹھے تھے کہ محترم ملک مقبول احمد صاحب کی نظر پڑ گئی تو وہ بھی دکان پر تشریف لے آئے۔ جب وہ

Marfat.com

سب کی خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد اٹھ کر اپنی دکان مقبول اکیڈمی پر چلے گئے تو کچھ ہی دیر کے بعد انہوں نے کسی کے ہاتھ اپنی کتاب ''سفر جاری ہے'' میری دکان پر ہی بھجوا دی۔ ۴۵۶ صفحات کی اس کتاب کی قیمت صرف ۴۰۰ چار سو روپے رکھی گئی ہے، جو کہ بہت مناسب ہے۔ جبکہ کاغذ عمدہ اور سفید استعمال کیا گیا ہے۔ صاف ستھری کمپیوٹرائزڈ کتابت ااور خوب صورت، حسین و سنجیدہ سرورق ہے۔ جلد بہت مضبوط اور پائدار ہے۔ کتاب بھی اچھی چھاپی گئی ہے۔

میں کتاب کو اپنی بیماری کی وجہ سے مکمل طور پر تو نہیں پڑھ سکا مگر جستہ جستہ جہاں جہاں سے کھول کر مطالعہ کیا ہے، کتاب میں کسی قسم کا جھول نظر نہیں آیا نہ ہی کہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ملک مقبول احمد صاحب کی یہ پہلی کتاب ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملک مقبول احمد صاحب لکھنے کا یہ کام عرصہ دراز سے جاری رکھے ہوئے ہیں، پھر کہیں جا کر یہ اعلیٰ پائے کی کتاب ''سفر جاری ہے'' وہ پیش کر سکے ہیں۔

میری ۷۵ سالہ زندگی میں ہندو پاک کے بڑے نامور ادیبوں، شاعروں اور اداروں سے رابطہ و واسطہ رہا ہے مگر یاد کرنے پر بھی یاد نہیں آرہا کہ اس سے پہلے کسی اور ادارے نے، جو کتب شائع کرتے ہیں، اپنی اور اپنے ادارہ کی اس طرح ''آپ بیتی'' کی اشاعت کی سعی و جہد کی ہو یا اگر کسی نے کی ہو تو اب تک میری نظر سے نہیں گزری۔ میں اگر یہ کہوں ہندو پاک کے اشاعتی اداروں میں ملک مقبول احمد صاحب ''سفر جاری ہے'' پہلی کوشش ہے۔ جو ہندو پاک کے کسی ادارے نے زرِ کثیر کر کے شائع کی ہے۔ اسے بارش کا پہلا قطرہ ہی کہنا چاہیے اور اس کا سہرا بھی بلاشبہ ملک مقبول احمد صاحب کے سر پر ہی رہے گا۔

بعض اوقات ہم اپنے بچوں کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں بھی وسائل ہونے کے باوجود نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ملک مقبول احمد کے پوتے، پوتیاں اور نواسیاں

Marfat.com

اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ ملک مقبول احمد صاحب نے اپنے ان معصوم بچوں کی معصوم خواہشوں اور کچھ دوستوں کے کہنے پر اپنی زندگی کی خودنوشت تحریر کر کے جہاں ان کی خواہشوں، آرزوؤں کا مان بڑھا کر ''سفر جاری ہے'' کی صورت میں ایک حسین، خوبصورت اور یادگار تحفہ دیا ہے، وہاں دوستوں کے کہنے کا احترام بھی کیا ہے۔ اور اپنے بچون کی خواہش کے مطابق اپنے حالاتِ زندگی قلم بند کر کے ایک خوبصورت کتاب کی شکل میں پیش کر دیا۔

اللہ جل شانہ اِن سب بچوں کو صحت وتندرستی، زندگی وایمان کی سلامتی کے ساتھ اپنے حفظ وامان میں شاد وآباد، بانصیب و بامراد، شگفتہ وشاداب اور ہر طرح سکھ چین سے رکھے۔ آمین

جملہ بچے اپنی خواہش وآرزو کے پورا ہونے پر کس قدر مسرور وشاداں ہوں گے۔ اس کا اندازہ ان کے معصوم دلوں کے علاوہ اور کوئی نہیں لگا سکتا۔

اللہ تعالیٰ سب بچوں کا مستقبل روشن، تابناک، درخشاں اور منور فرمائے اور وہ بڑے ہو کر بڑے نامور، مشہور اور نامی گرامی کہلائیں۔ اللہ رب العزت ان سب بچوں پر اُن کے بزرگوں کا سایہ ہمیشہ قائم ودائم رکھے۔ آمین ... کہ وہ بھی اپنے ان بچوں کی تابندہ ودرخشندہ خوشیوں میں شریک ہو سکیں اور انہیں ایک بڑا اور نامور انسان ہوتے ہوئے دیکھ سکیں۔ (آمین)

Marfat.com

جناب حزیں کاشمیری

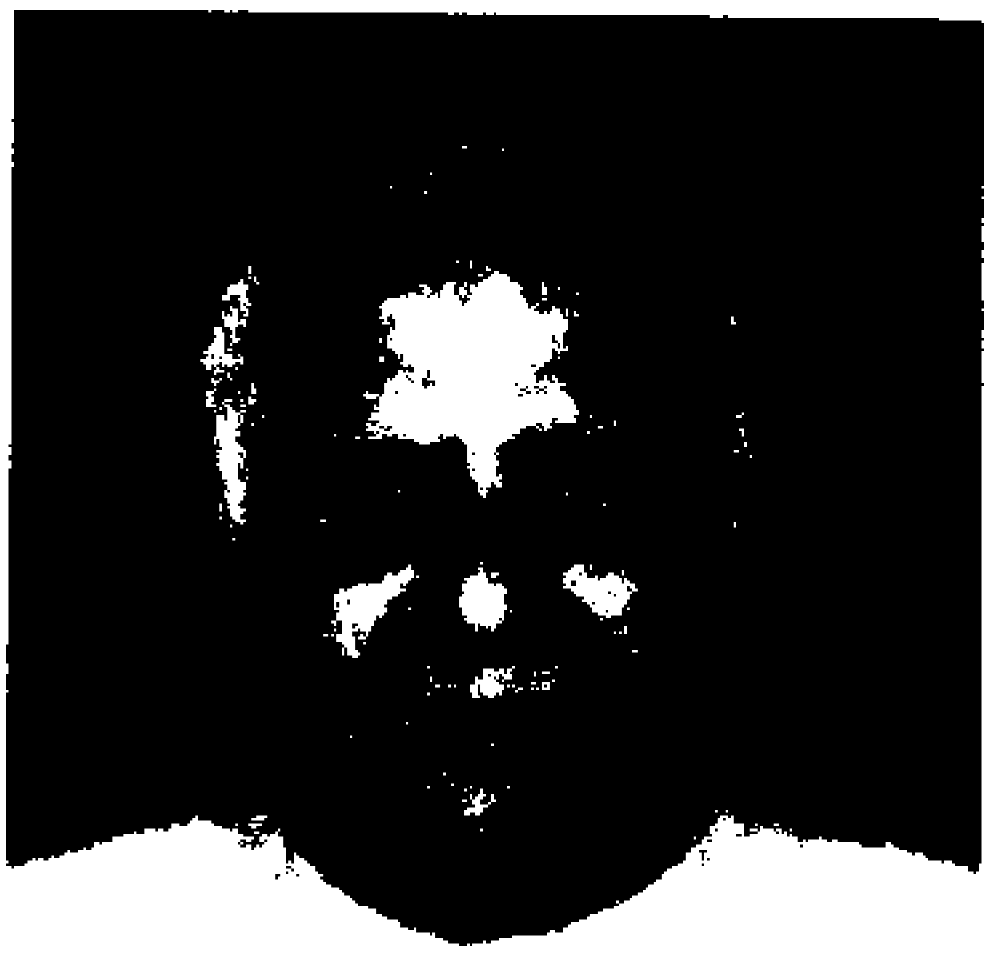

حزیں کاشمیری اردو کے نامور شاعر، نقاد اور خاکہ نگار ہیں۔اشاعتی حلقوں میں ان کی نیک نامی کا ثبوت ''مکتبہ معین الادب'' ہے جس کے وہ بانی ہیں۔ان کا اصل نام معین الدین ہے۔لیکن ادبی دنیا میں حزیں کاشمیری کی حیثیت سے معروف ہیں۔وہ لاہور میں 19 فروری 1928ء کو پیدا ہوئے۔ان کی ادبی تربیت کا گہوارہ اسلامیہ کالج لاہور تھا۔تاہم انہوں نے ایم اے اورینٹل کالج لاہور سے 1966ء میں کیا اور نشرو اشاعت کے شعبے کے ساتھ اپنی وابستگی مضبوطی سے قائم رکھی۔

حزیں کاشمیری شاعر کی حیثیت میں اسلامیہ کالج میں شہرت حاصل کر چکے تھے۔تاہم ان کی پہلی غزل حافظ محمد عالم کے رسالہ ''عالمگیر'' کے سالنامے میں 1947ء میں شائع ہوئی۔''نقوش'' جاری ہوا تو محمد طفیل نے ان کی شاعری کو ہمیشہ نمایاں طور پر پیش کیا۔ان دنوں ریاض احمد ان کی غزلیں اور نظمیں رسالہ ''سویرا'' میں شائع کر رہے ہیں۔''سویرا'' میں ان کے لکھے ہوئے خاکوں کو فقید المثال کامیابی حاصل ہوئی کیوں کہ حزیں کاشمیری صاحب نے اپنے ممدوحین کو ان کے صحیح خدوخال سے دریافت کیا اور انہیں حقیقی رنگوں میں پیش کیا تھا۔ان کے خاکوں کی کتاب ''کہاں گئے وہ لوگ'' اس صنف کی ایک اعلیٰ کتاب تسلیم کی گئی ہے۔

حزیں کاشمیری صاحب کی شاعری کے مجموعوں کے عنوانات حسب ذیل ہیں۔

۱۔محبت ۲۔نازونیاز ۳۔موج موج ساحل،۴۔سلک لالی،۵۔لمیاتِ نور،۶۔سخن در سخن، ۷۔گوتم بدھ،۸۔حدیث دیگراں۔

وہ میرے اس زمانے کے دوست ہیں جب میری دکان شاہ عالمی بازار میں تھی اور یہ دوستی اب تک قائم ہے۔انہوں نے ''سفر جاری ہے'' پر ماضی کی اسی طویل دوستی کے حوالے سے ہی اپنے تاثرات قلم بند فرمائے۔خدا ان کا رتبہ مزید بلند کرے۔

Marfat.com

حزیں کاشمیری

23-7-2007

سفر جاری ہے

جناب ملک مقبول احمد سے میرے روابط چار دہائیوں سے زیادہ عرصے پر محیط ہیں۔ میری اُن سے رسم وراہ اُس زمانے سے شروع ہوئی جب اُنؒ کی دُکان شاہ عالم بازار میں واقع تھی۔ ان دنوں اُنہوں نے ابو الکلام آزاد کی کتاب ''India Wins Freedom'' کا اردو ترجمہ ''آزادیِ ہند'' کے نام سے شائع کیا تھا۔ اس کتاب کا شائع ہونا تھا کہ یہ اپنی غیر معمولی طلب کی بنا پر عوام الناس کے باذوق وذی علم طبقے میں ملک کے طول وعرض میں پھیل گئی اور اس کتاب کے ساتھ ہی مقبول اکیڈمی کا نام بھی زبان زدِ خاص وعام ہوگیا۔ ازاں بعد اس اکیڈمی نے کتابوں کی اشاعت کا ایک لگاتار سلسلہ شروع کر دیا۔ جو آج تک جاری ہے۔ میرے نقطۂ نظر سے انہوں نے ہزاروں کی تعداد میں کتب شائع کیں مگر اس اہتمام کے ساتھ کہ موضوعات کی گونا گونی کے ساتھ ان کی ظاہری ہیئت بھی جاذبِ نظر اور دامنِ کش دل ہے۔

میں جب ان کے اس عظیم کارنامے کو سامنے رکھ کر ان کے بارے میں سوچتا ہوں تو سب سے پہلے مجھے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ ایک واجبی تعلیم کا حامل شخص اور وہ بھی دیہات کا، کس طرح اس نوع کے کاروبار سے وابستہ ہوا اور

Marfat.com

کس طرح اُسے ایسی بلندیوں پر لے گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ ''سفر جاری ہے'' کے تحت اپنے کام کو آگے ہی آگے بڑھاتا چلا جا رہا ہے۔

خوانندگاں کرام! کیا ایسی شخصیت قابلِ تحسین اور لائقِ ستائش نہیں؟ ایسے شخص کو اپنی آپ بیتیاں ضرور شائع کرنا چاہییں۔ یہ ہمارے ہم پیشہ حضرات کی بالخصوص اور دیگر حضرات کی بالعموم خوش قسمتی ہے کہ موصوف نے اپنی آپ بیتی شائع کر دی۔ میں اس کتاب کے متن پر محاکمہ نہیں کرنا چاہتا مگر جن امور کی طرف میں نے اس کتاب کے قارئین کی توجّہ مبذول کرا دی ہے، ان کا ذکر نا ضروری سمجھتا تھا۔

ہم پیشہ ہونے کی بنا پر میں اُن پر رشک کرتا رہا ہوں اور اب بھی کرتا ہوں۔ زندگی میں کئی بار ان سے مل چکا ہوں۔ کاروباری معاملات کی بنا پر بھی اور کبھی اُن سے مشورہ طلب کرنے کے لیے بھی۔ موصوف کے ان دونوں پہلوؤں کے بارے میں نہایت سچائی کے ساتھ تحریر کرتا ہوں کہ میں نے انہیں کاروبار میں ایک دیانت دار اور کھرا انسان پایا ''قول کا پکا اور وعدے کا سچا'' اب رہی ان سے مشورے کی بات تو اس کے بارے میں بھی بلا کم و کاست کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے مشورہ دیتے ہوئے اپنے منفرد حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا رہا کہ وہ میرے دل میں بیٹھ کر مجھ سے ہم کلام ہوتے ہوئے مشورہ دے رہے ہیں۔ ان کی باتوں میں دردمندی، نرمی، دلِ گداز کی چاشنی، شستگی اور خوش خلقی کی مہک ہوتی تھی۔ پنجابی زبان میں بات کروں تو یہ الفاظ فوراً منہ سے نکل جائیں گے۔

''بڑے بیبے آدمی ہیں''

میری دُعا ہے کہ ربّ العزّت انہیں تا دمِ زیست تندرست و توانا رکھے اور انہیں اپنے حفظ و امان کی چادر میں ڈھانپ کر اُن پر برکتیں نازل کرے۔ اُدھر ان کے کاروبار کو بامِ عروج پر پہنچا دے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

Marfat.com

جناب حمید اختر

حمید اختر صاحب اردو کے ممتاز افسانہ نگار اور ایک حق گو صحافی ہیں۔ ترقی پسند تحریک میں ان کی خدمات کا اعتراف سجاد ظہیر نے بھی کیا ہے۔

جناب حمید اختر بھارت کے شہر لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ اس دور کے نامور شاعر ساحر لدھیانوی اور مرحسن لطیفی کے دوستوں میں سے تھے۔ اپنی جوانی کے ایام انہوں نے بمبئی میں گزارے۔ جہاں وہ ترقی پسند مصنفین کی انجمن کے فعال رکن بن گئے۔ اس دور کی یادگاران کی کتاب ''ادوار انجمن'' ہے۔

حمید اختر نے ادبی زندگی کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا۔ پھر فلم سازی کی طرف متوجہ ہوئے اور آخر میں صحافت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔ انہوں نے دو فلمیں پروڈیوس کیں۔ اور ایک فلم میں اداکاری کے جوہر بھی دکھائے۔ 1947ء میں آزادی کے بعد وہ پاکستان ہجرت کر آئے۔

حمید اختر صاحب نے صحافت کا آغاز روزنامہ ''امروز'' سے کیا۔ آمریت کے خلاف جدو جہد کرنے کی پاداش میں انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اور جیل کے مشاہدات اپنی کتاب ''کال کوٹھڑی'' میں لکھے روزنامہ ''امروز'' سے انہیں جبری طور پر نکال دیا گیا تو انہوں نے عبداللہ ملک کی معاونت سے روزنامہ ''آزاد'' جاری کیا۔ اس اخبار کو اردو صحافت میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ لیکن کاروباری لحاظ سے کامیاب نہ ہو سکا اور بند کر دیا گیا۔ روزنامہ ''دن'' جاری ہوا تو حمید اختر ایک منفرد کالم نگار کی حیثیت میں سامنے آئے۔ ان دنوں یہ سلسلہ اخبار ایکسپریس میں جاری ہے۔ ان دونوں اخبارات میں تا دیر اداریہ بھی لکھتے رہے ہیں۔

حمید اختر اب 80 کے پیٹے میں ہیں۔ اور ابھی تک تندرست و توانا ہیں۔ وہ یادنگاری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اور ان دنوں اپنی آپ بیتی لکھ رہے ہیں۔ انہوں نے ''سفر جاری ہے'' پر ایک شگفتہ کالم لکھا جو زیب کتاب ہے۔

Marfat.com

حمید اختر

سفر جاری ہے

اس وقت مجھے اس عظیم روسی فلمی ہدایت کار کا نام یاد نہیں آ رہا جس نے اپنے ایک انٹرویو میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ پیشہ ور اداکاروں کے اداکاری کی اہلیت سے عاری ہونے کے متعدد تجربوں کے بعد اس نے آئندہ اپنی فلموں میں ایسے لوگوں کو کاسٹ کرنے کا فیصلہ کیا ہے جن کا اداکاری کے پیشے سے تعلق نہ ہو، اس اعلان کے بعد اس نے جتنی بھی فلمیں بنائیں ان کے کرداروں کا انتخاب عام لوگوں میں سے کیا۔

روس کے اس ہدایت کار کی یاد ہمیں معروف ناشر اور مقبول اکیڈمی کے مالک ملک مقبول احمد کی خودنوشت ''سفر جاری ہے'' کے مطالعے کے دوران آئی، ملک مقبول صاحب کا تعلق سینکڑوں کتابیں چھاپنے کے باوجود لکھنے لکھانے سے کبھی نہیں رہا۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنی زندگی، ابتدائی خاندانی حالات، رسالہ شائع کرنے کے شوق سے لے کر 1957ء میں مقبول اکیڈمی کے قیام کے بعد سے کتابوں کی اشاعت اور اس سلسلے میں اپنی بھرپور جدوجہد کو بڑی خوبصورتی سے رقم کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق خودنوشت لکھنے کا فیصلہ انہوں نے اپنے پوتوں پوتیوں کے اصرار پر کیا جنہیں وہ اکثر اپنی زندگی کے گزرے

Marfat.com

ہوئے واقعات سنایا کرتے تھے۔ چونکہ وہ پیشہ ور لکھاری نہیں ہیں اس لئے انہوں نے اپنی اس ذاتی داستان میں کہیں بھی لفظوں سے کھیلنے کی کوشش نہیں کی اور جس طرح روسی ہدایت کار اداکاری کے لئے غیر اداکاروں سے زیادہ متاثر کن اداکاری کرانے کے تجربے میں کامیاب ہوا اس طرح پیشہ ور ادیب نہ ہونے کی وجہ سے ملک مقبول صاحب کی یہ سرگزشت سیدھی سادی سلیس مگر شگفتہ زبان میں سامنے آتی ہے۔ رسمی اور روایتی تعلیم حاصل نہ کر سکنے کے باوجود ان کی تحریر زبان و بیان کی اغلاط سے پاک ہے بلکہ بعض محاورے اور ضرب الامثال جو معروف اہل قلم بھی غلط استعمال کرتے ہیں مقبول صاحب نے صحیح طور سے برتے ہیں۔ مثلاً ''بے نیل مرام'' تحریر کرتے ہیں جو غلط ہے ملک مقبول نے اسے درست طریقے سے لکھا ہے۔

''سفر جاری ہے'' میں مُصنّف نے ابتداء میں اپنے گاؤں، اپنے خاندان اور اب سے ستر پچھتر برس قبل کے دیہاتی ماحول کا ذکر نہایت جچے تلے انداز میں کیا ہے۔ ہمارا تعلق بھی چونکہ پنجاب کے ایک دور افتادہ گاؤں سے ہے اور جس زمانے کا ذکر ملک مقبول اپنی سرگزشت میں اپنے بچپن کے واسطے سے کرتے ہیں کم و بیش وہی زمانہ ہمارے لڑکپن اور دیہی زندگی سے تعلق کا ہے اس لئے ہم یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ انہوں نے اس زمانے میں پنجاب کی دیہی زندگی جو تصویر کشی کی ہے وہ بالکل درست ہے۔ ہر گاؤں میں بابا خیرو جیسے لوگ ہوا کرتے ہیں اور ان کی نوجوان لڑکیاں بھی جوانوں کی دلچسپی کا ذریعہ بنتی ہیں، یہ سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے، ملک مقبول صاحب نے گاؤں کی دوسری دو بہنوں میں دلچسپی لینے کا ذکر بھی دیانت داری سے کیا ہے، یہ موڑ بہر حال ہر نوجوان کی زندگی میں آتا ہے۔ مُصنّف نے اس کا ذکر انتہائی خوبصورت الفاظ میں خوبصورتی کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے علاوہ گاؤں کا ساون اور میلوں ٹھیلوں کا ذکر بھی اس دور کی دیہی زندگی کی عکاسی کرتا ہے، ملک مقبول کی جدو جہد کی داستان البتہ 1954ء سے شروع ہوتی ہے۔ جب وہ چودھویں صدی کے نام سے ایک رسالے کی اشاعت کے لیے لاہور آجاتے

Marfat.com

ہیں۔ تین برس بعد مقبول اکیڈمی کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم کرتے ہیں جس کا شمار اب پاکستان کے بڑے اور اہم طباعتی اداروں میں ہوتا ہے۔ اس کامیابی میں بالعموم رائلٹی وغیرہ کے جو تنازعے رہتے ہیں مقبول صاحب کے ادارے میں شاید ہی کبھی ایسی کوئی صورت حال پیدا ہوئی ہو، وہ معاملے کے پکے اور اپنے معاہدوں پر سختی سے کاربند رہے، اس لیے وہ غالباً اس ملک کے واحد پبلشر ہیں جن کی شکایت ہم نے کسی مصنف سے نہیں سنی بلکہ ان کے سبھی مصنفین ان کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ ایسی کامیابی محض محنت سے حاصل نہیں ہوتی اس کے لیے متعلقہ شعبے سے پوری واقفیت بھی لازم ہے جو ملک مقبول نے حاصل کی اور ہر قسم کی کتابیں شائع کیں۔ خود لکھنے والوں کے پاس جا کر ان سے ایسی کتابیں لکھنے کی فرمائش کرتے رہے جو ان کے خیال میں نفع آور ہوسکتی تھیں، ان کی جدوجہد کی اس پوری داستان سے جو تاثر ابھر کر سامنے آتا ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص اپنے لیے منزل کا تعین کر کے اس کے حصول کی جدوجہد کرے اور اس کا ایمان اور یقین پختہ ہو تو وہ منزل ضرور پالیتا ہے۔ مقبول ملک کی شخصیت کی سب سے طاقت ور جہت یہی ہے کہ وہ برے سے برے حالات میں بھی کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہوئے۔ ان کی صحت خراب ہوئی اور ہر قسم کے علاج اور دواؤں سے فائدہ نہ ہوا تو انہوں نے پانی کے ذریعے قدرتی طریق علاج اختیار کیا اور سال بھر کی محنت سے نہ صرف وزن کم کیا، فاسد مادوں سے نجات حاصل کی بلکہ تمام بیماریوں سے نجات پا کر گویا اپنی کایا کلپ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ انہوں نے اپنی سرگزشت میں اس کی تفصیل بھی دیدی ہے جس سے پڑھنے والے یقیناً مستفید ہوسکیں گے، اپنے خاندان سے محبت بالخصوص اولاد کی اولاد سے وابستگی کی داستان بھی انہوں نے بڑی خوبصورتی اور دیانت داری سے بیان کردی ہے۔ بچوں اور اہل خاندان کی رنگین تصاویر بھی کتاب کی زینت ہیں۔ اس دور کے سینکڑوں مُصنّفین کے جن کی کتابیں مقبول اکیڈمی نے شائع کی ہیں باتصویر حالات زندگی بھی اس میں شامل ہیں اور ان کے خطوط بھی جو یقیناً ادبی اور تاریخی دستاویزات کی حیثیت رکھتے ہیں ''سفر جاری ہے'' میں شامل ہیں جو ادب کے قارئین کے لیے یقیناً دلچسپی کا باعث ہوں گے، خوبصورت اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرنا مقبول اکیڈمی کا روز اول ہی سے طرہ امتیاز رہا ہے۔ ظاہر ہے جب اس کے سربراہ کی اپنی تصنیف کا معاملہ ہو تو ان محاسن کا کچھ زیادہ ہی خیال رکھا گیا ہے۔

روزنامہ ایکسپریس لاہور

Marfat.com

جناب ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا

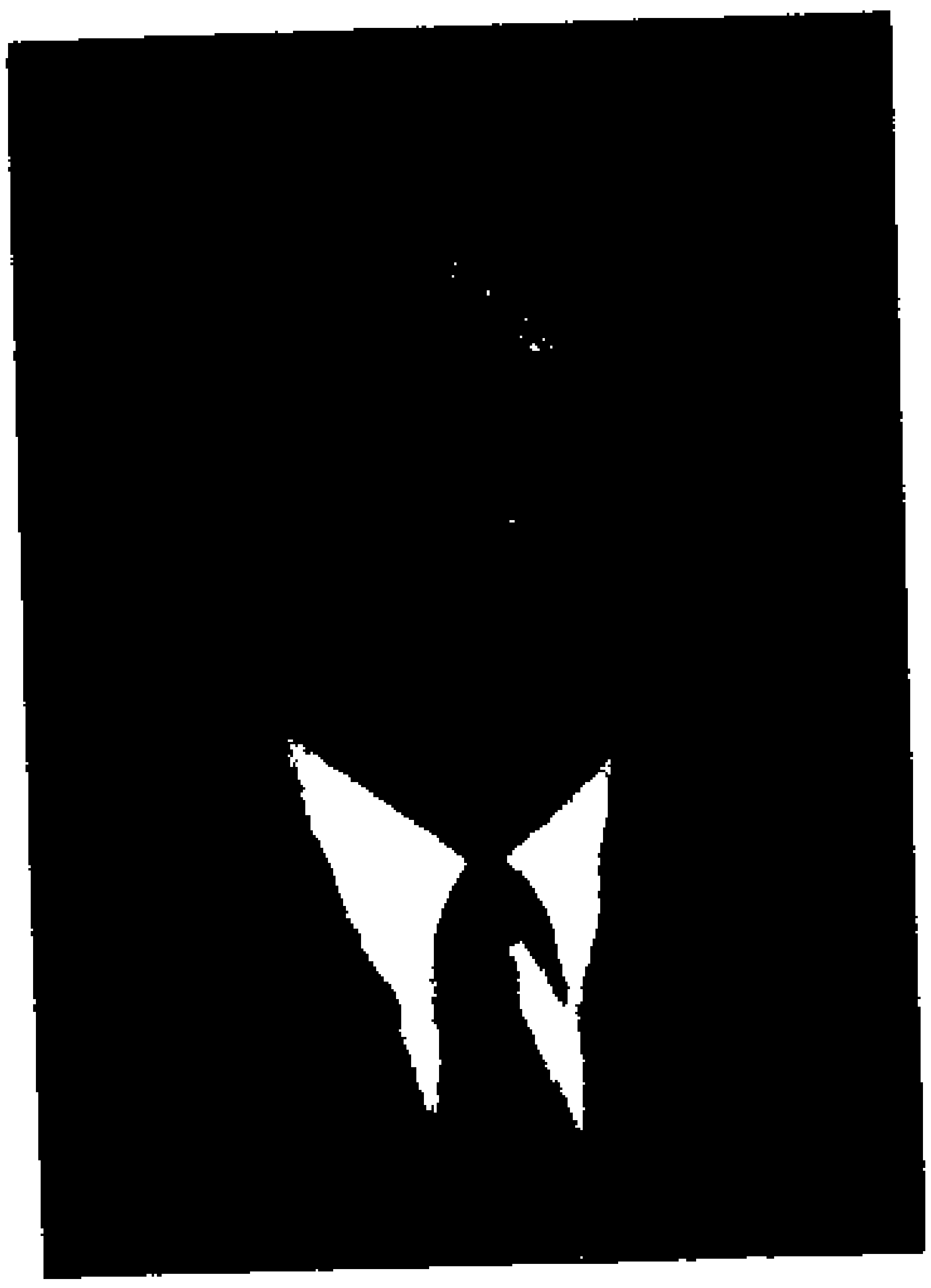

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا اردو ادب کے ایک نامور معلم اور منفرد نقاد و دانشور ہیں آزادی سے سات برس قبل ان کی ولادت 1940ء میں امرتسر میں ہوئی۔ پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو ان کا خاندان جھنگ میں ہجرت کر آیا۔ اس شہر کے ادبی ماحول پر ان دنوں شیر افضل جعفری، مجید امجد اور جعفر طاہر جیسے شاعروں کا سایہ تھا۔ خواجہ صاحب نے اس ماحول سے اردو ادب سے محبت کرنے کا سلیقہ سیکھا اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اردو کرنے کے بعد اورینٹل کالج لاہور میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ان کے طلبہ میں آج کے بہت سے نامور ادیب شامل ہیں۔ خواجہ صاحب نے ''اکبر الہ آبادی'' پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور اپنے اعلیٰ تحقیقی معیار کی نظیر قائم کی۔ ڈاکٹر صاحب نے پاکستان میں اورینٹل کالج لاہور، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور اور ایچی سن کالج لاہور میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔ بین الاقوامی سطح پر اردو کی تعلیم دینے کے لیے انہیں پیکنگ یونیورسٹی اور جائیکا (جاپان) میں بھیجا گیا جہاں ان کی اعلیٰ خدمات کو بہت سراہا گیا۔

ڈاکٹر خواجہ زکریا کی تصانیف و تالیفات میں ''اردو میں قطعہ نگاری''، ''نئے پرانے خیالات''، ''تفہیم بال جبریل''، ''چند اہم جدید شاعر''، ''اقبالیات چند نئی جہات''، ''انتخاب مجید امجد''، ''اکبر الہ آبادی'' تحقیق و تنقیدی مطالعہ وغیرہ شامل ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے مجید امجد اور حفیظ جالندھری کے کلیات مرتب کیے ہیں۔

خواجہ صاحب نے اپنے مختصر سے خط میں اس ناچیز کی معمولی کتاب کو اس طرح سراہا ہے کہ یہ غیر معمولی نظر آنے لگی ہے۔

Marfat.com

خواجہ محمد زکریا

23 جون 2007ء

''سفر جاری ہے''

ملک مقبول احمد پاکستان کے ایک جانے پہچانے ناشرِ کُتب ہیں۔ان کے ادارے مقبول اکیڈمی لاہور نے بڑے نامور مصنفین کی کتابیں شائع کی ہیں اور کئی گمنام مصنفین کو ادبی دنیا سے متعارف کرایا ہے۔ایک ناشر کتب کی آپ بیتی بہت سے لوگوں کے لیے باعثِ نفع وافادہ ہوسکتی ہے۔اس لئے انہوں نے مناسب سمجھا کہ وہ بھی اپنی جیون کتھا لوگوں تک پہنچائیں۔مقبول صاحب نے طویل خودنوشت لکھنے سے اجتناب کیا ہے بلکہ اپنے حالات، مشاہدات اور تجربات کچھ اوپر ایک سو صفحات ہی میں تمام کردیے ہیں اور حق یہ ہے کہ واقعات ایسے انداز میں لکھے ہیں کہ دلچسپی برقرار رہتی ہے۔چار سو پچپن صفحات کی اس کتاب کا معتبر حصہ براہِ راست خود نوشت کی ذیل میں نہیں آتا تاہم صاحبِ تصنیف کی زندگی اور ان کے کاروباری معاملات کو بالواسطہ انداز میں اس طرح ہمارے سامنے لاتا ہے کہ یہ حصّہ بھی سوانح سے مربوط ہو جاتا ہے۔مثال کے طور پر جن خواتین وحضرات کی کتابیں مقبول اکیڈمی نے شائع کی ہیں، ان کا مختصر تذکرہ مع رنگین تصاویر بھی شامل کتاب ہے اور مقبول اکیڈمی کی اشاعتی خدمات پر افسروں اور دوستوں نے جو خطوط لکھے ہیں، انہیں بھی درج کردیا ہے تاکہ ادارے کی اشاعتی سرگرمیوں کی تصویر مکمل ہوکر سامنے آجائے۔کتاب کا طباعتی معیار نہایت عمدہ ہے۔امید ہے ملک مقبول احمد کی یہ کاوش پذیرائی حاصل کرے گی اور ناشرین کے لیے ایک رہنما کتاب ثابت ہوگی۔

Marfat.com

محترمہ ربیعہ ارشد

ربیعہ ارشد انگریزی صحافت میں ایک ابھرتا ہوا نیا ستارہ ہے جس نے اپنی صحافتی زندگی کے آغاز میں ہی تجربہ کار سینئر صحافیوں سے اپنی فنی خوبیوں کا سکہ منوالیا ہے اور اب دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی ہیں۔

ربیعہ ارشد چاہ میراں لاہور میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم نسوانی مدرسوں میں حاصل کرنے کے بعد ایم اے جرنلزم پنجاب سے کیا۔ انہوں نے کچھ عرصہ ایک طبی رسالہ ''مشیر الحکماء'' (جھنگ) کی ادارت بھی کی لیکن پھر انگریزی صحافت کی طرف آ گئیں اور ''ویکلی انڈیپنڈنٹ'' (The Independent Weekly) میں کام کرنے لگیں اور پھر ''دی پوسٹ'' (The Post) جاری ہوا تو اس روز نامے میں صحافتی خدمات انجام دینے لگیں۔ انہوں نے اس اخبار میں عدنان شاہد مرحوم کی ہدایت پر ایک مسلسل کہانی Children of Lesser God شروع کی۔ اس کہانی کا عنوان انہوں نے معروف مصنفہ اندھ رائی رائے کے ایک ناول سے اخذ کیا تھا، لیکن اس میں اپنے پاکستانی معاشرے کے واقعات کی عکاسی کی تھی۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے اور بہت پسند کیا جا رہا ہے۔ وہ خواتین کے بہبود کے سلسلے میں ''دی پوسٹ'' میں متنوع قسم کے مضامین لکھتی ہیں اور اس اخبار میں سٹاف رپورٹر کی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر ربیعہ ارشد کا تبصرہ ''دی پوسٹ'' کے ہفتہ وار ایڈیشن ''دی پوسٹ'' وزٹا (The Post Visita) میں شائع ہوا تھا۔

Marfat.com

Rabbia Arshad

Safr Jari Hai

The book narrates the story of Malik Maqbool Ahmed's 50 year-long struggle. It is a record of his untiring work and personal life, which was always more of an ongoing struggle. His autobiography reads somewhat like a novel, the realistic story of a curious, courageous, hard -working and simple boy belonging to a small village Deowal near Kashmir. He is now the owner of a publishing institute in Lahore after his long struggle.

While growing up, Maqbool Ahmed critically observed the books in his publishing institute and he mentioned many things that create illusions between publisher and writers. This led to his writing in a well-developed capacity. Moreover, his autobiography

Marfat.com

is a good addition in autobiographies and guidance for the youth to never surrender to the hardship of life. "The journey is long and the steps leading to it are innumerable; some halls during the journey are needed—to gather fresh energy and go on, "he writes. "Is it necessary to retire?" he ponders. The one aspect which enfolded 50 years of the author's life—like a string holding the pearls of a necklace as one —was publishing.

He could not get proper a higher-education but had a perceptive observation and a command of human psychology. His writing never shows his inferiority complex of being less educated and constantly shows his confidence on his other abilities. He narrates the stories of the writers, poets and novelists with whom he worked and called them *Halqa-e-Yarran* (Friends' circle). In this way his autobiography unfolds the stories and realities about many famous writers with whom he worked. He also added his friends letters that gives a different style to his autobiography. He frequently uses Persian and

Marfat.com

Urdu poetry to make his narrative more lucid and eloquent. He relates business tips or techniques so that his book may also be helpful to young people who are interested in the publishing business.

As mentioned in this autobiography, the writer states that he has actively worked to guide and promote amateur writers. He has a wealth of books as well as one-act plays, novels, essays, radical pieces, a travelogue, translations, biographies, an autobiography and scholarly treaties among his publications. A chapter of this book *Wakhri type key loog* (A different type of people) reflects a true picture of society and also shows the prudence and diplomacy Maqbool Ahmed adopted in dealing with such people.

His memories do not include a record of his achievments — they are a saga of the life and development of an undoubtedly brilliant publisher and a person who faced much criticism and opposition as he ruthlessly insisted on merit. It is obvious in his autobiography that he is constantly carrying on an internal dialogue with himself. It is

Marfat.com

clear through his writing that he loves his family and friends. Generations of publihers and writers should be obliged to Maqbool Ahmed who has earned dignity for their profession.

THE POST VISTA

MAY,1,2007

Marfat.com

جناب ڈاکٹر رشید امجد

ڈاکٹر رشید امجد جدید اردو افسانے میں ایک ایسا اہم نام ہے جس نے روایتی افسانے کی موضوعیت کو تبدیل کرنے میں ایک مجدد کا کردار ادا کیا۔ ان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اپنی شبانہ روز محنت سے انہوں نے اپنی زندگی خود بنائی اور معاشرے میں مقام اور مرتبہ حاصل کیا۔

رشید امجد 5 مارچ 1940ء کو سری نگر (کشمیر) میں پیدا ہوئے، 1947ء میں پاکستان بنا تو ان کا خاندان ہجرت کر کے راولپنڈی آ گیا۔ رشید امجد نے ابتدائی تعلیم ختم کرنے کے بعد ہی حالات کی نامساعدت کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک معمولی سی ملازمت اختیار کر لی اور تعلیم کے باقی تمام مرحلے اپنی ہمت اور شوق سے طے کئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کرنے کے بعد ایف جی سرسید کالج راولپنڈی کے شعبہ اردو کے اساتذہ میں شامل ہو گئے اور یہیں سے صدر شعبہ کی حیثیت میں 2000 میں ریٹائر ہو گئے۔ جولائی 2001ء میں انہیں نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز میں صدر شعبہ کے عہدے پر فائز کیا گیا جہاں وہ اب تک تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

رشید امجد اعلیٰ پائے کے نقاد ہیں لیکن ان کی بنیادی حیثیت ایک منفرد بلکہ مجدد نقاد کی ہے۔ انہوں نے اردو افسانے میں تجرید اور علامت کے استعمال سے حقیقت کو پوشیدہ رکھ کر صداقت پیش کرنے کی طرح ڈالی اور ہندو پاک کے افسانے کی کایا پلٹ دی۔ ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ''کاغذ کی فصیل'' 1993 میں شائع ہوا۔ ''بھاگے ہے بیاباں مجھ سے''۔ دشت خواب اور کلیات (دشت نظر سے آگے) مقبول اکیڈمی سے چھپ چکے ہیں۔ ان کے کل افسانوں کا مجموعہ تمام آدمی کے خواب 2007ء میں چھپا ہے۔

رشید امجد کی مؤلفہ کتابوں میں ''پاکستانی ادب''، ''میرزا ادیب شخصیت اور فن'' کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ ان کے فکر و فن پر ایم اے اور ایم فل کے پانچ مقالات لکھے جا چکے ہیں اور اب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ان پر پی ایچ ڈی ہو رہی ہے۔ ان کی مطبوعہ کتابوں کی مجموعی تعداد 27 ہے۔

متعدد سماجی تنظیموں نے انہیں ایوارڈ پیش کئے ہیں۔ 2006ء میں انہیں پرائڈ آف پرفارمنس ایوارڈ دیا گیا۔ ''سفر جاری ہے'' پر انہوں نے ایک خوبصورت جائزہ لکھا ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر رشید امجد

''سفر جاری ہے''____ایک جائزہ

مقبول اکیڈمی کے سرپرستِ اعلیٰ ملک مقبول احمد ایک عرصے تک ادب کی خدمت میں اکیڈمی کے حوالے سے سرگرمِ عمل رہے۔ اس دوران میں ان کی شناخت ایک دردمند ناشر کے طور پر سامنے آئی اور کتب کی ترتیب و اشاعت میں ایک قابلِ قبول معیار کو انہوں نے ہمیشہ پیشِ نظر رکھا۔ ''سفر جاری ہے'' ان کی خودنوشت سوانح عمری ہے، جو مقبول اکیڈمی ہی کے زیرِ اہتمام حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ کتاب کے کل صفحات 455 ہیں اور اس کے مندرجات میں جس ترتیب کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

اولاً مختلف مشاہیر ادب کی کتاب کے حوالے سے آراء کو پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صفدر محمود، علی سفیان آفاقی، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر طارق عزیز، اے حمید، شعیب بن عزیز اور دیگر کے تاثرات کو درجہ بدرجہ کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ جن کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ملک مقبول احمد نے سوانح عمری لکھنے میں جو محنت کاٹی ہے، وہ قابل توجہ ہی نہیں لائقِ تحسین بھی ہے۔ یہ بظاہر ایک فرد کا اظہارِ ذات ہے لیکن حقیقتاً ایک انتھک جدوجہد اور مسلسل سفر اس کے پس منظر میں کارفرما ہے۔ کتاب کا نام ''سفر جاری ہے'' بھی اسی تناظر میں سمجھا جاسکتا ہے۔

مصنف کی زندگی سے متعلق حالات و واقعات کی تفاصیل کتاب کے صفحہ

Marfat.com

51 سے 173 تک ہیں۔ دیکھا جائے تو یہی حصہ ملک مقبول احمد کی شخصیت کے جملہ پہلوؤں کو فوکس کرتا ہے۔ بچپن، جوانی اور اس کے بعد کی جدو جہد کو انہوں نے عنوانات دے کر بیان کیا ہے۔ یہ طریقہ دلچسپی کو برقرار رکھنے اور غیر ضروری تفاصیل سے بچنے کے لیے ایک موٴثر حربے کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ ملک صاحب نے اپنے آپ کو غیر معمولی بتانے کی کوشش نہیں کی بلکہ ایک پُر اثر سادگی کے ساتھ داستانِ حیات میں اپنے کردار کے حقیقی نقوش واضح کیے ہیں۔ سنجیدگی اور متانت جوان کی شخصیت کے خصوصی وصف ہیں، ان کا اظہار اس بیانیے میں بھی بخوبی ملتا ہے۔

کتاب کا ایک حصّہ ان مصنفین کے تعارفیے پر مشتمل ہے، جن کے ساتھ ملک صاحب کی وقتاً فوقتاً میل ملاقات رہی۔ مقبول اکیڈمی سے وابستہ خواتین قلمی معاونین کا تذکرہ علیحدہ سے دیا گیا ہے۔ اس کے بعد اکیڈمی کی طرف سے شائع کردہ کتابوں پر تبصرے ہیں، جو مختلف اخبارات اور رسائل وجرائد میں تبصرہ نگاروں نے لکھے۔ خطوط کے لیے ایک حصّہ الگ سے مخصوص ہے۔ اس میں نامورانِ ادب کے خطوط شامل ہیں۔ کاروباری و نجی معاملات میں ملک صاحب کے دوسروں سے تعلقات کی نوعیت ان خطوط سے بخوبی اظہار پاتی ہے۔

بحیثیت مجموعی ''سفر جاری ہے'' اردو سوانح نگاری میں ایک اچھا اضافہ ہے اور اس پیش کش میں جس اہتمام کو مدِ نظر رکھا ہے، وہ قابلِ تحسین ہے۔

Marfat.com

جناب ڈاکٹر ریاض محمود

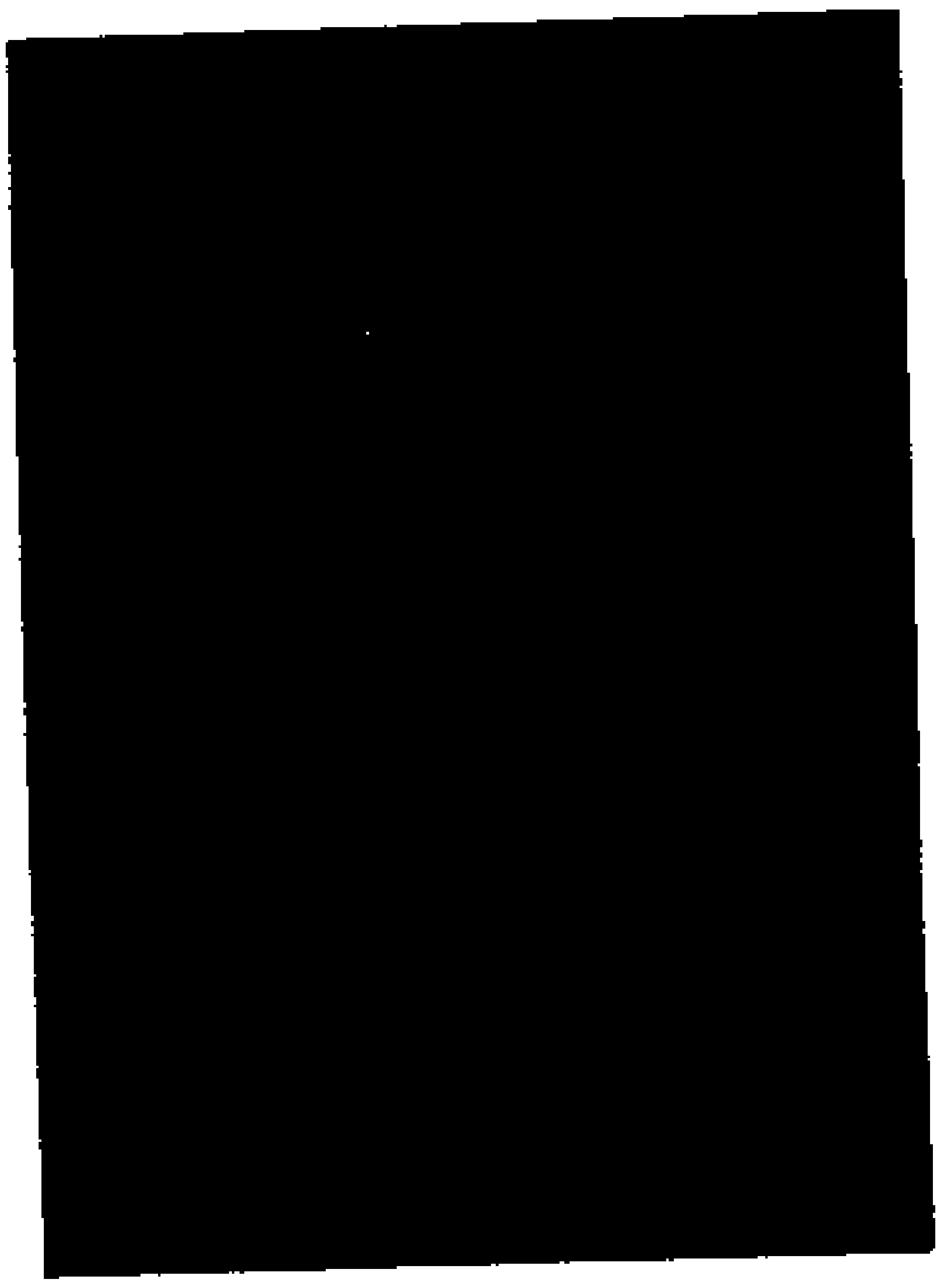

ڈاکٹر ریاض محمود حکومت پنجاب کے ایک اعلیٰ افسر ہیں۔ اور ان دنوں عدل و انصاف کی کرسی پر نشست نشین ہو کر انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں۔ آپ کی پیدائش یکم دسمبر 1947ء میں ہوئی۔ میٹرک فرسٹ ڈویژن میں کرنے کے بعد انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے اول درجے میں بی اے کیا اور مقابلے کا امتحان پاس کر کے حکومت پنجاب کے اعلیٰ افسر بن گئے۔ ریاض محمود صاحب کا رجحان اسلامیات کی طرف تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایم اے کرنے کے بعد پی ایچ ڈی کی ڈگری اسلامیات پر ایک مقالہ لکھ کر پنجاب یونیورسٹی سے 1998ء میں حاصل کی۔ انہوں نے لاہور، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، ساہی وال قصور اور اسلام آباد میں ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کے عہدے پر اعلیٰ خدمات انجام دیں۔ ان دنوں لاہور ہائی کورٹ میں متعین ہیں۔

ان کی کتاب ''اسلام میں انتظامی احتساب کا تصور''

The Concept of Administrative Accountability in Islam

مقبول اکیڈمی سے چھپ چکی ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ سپریم کورٹ آف پاکستان نے حسبہ بل کے بارے میں صدر پاکستان کی ریفرنس پر متذکرہ کتاب پر انحصار کیا۔ ''سفر جاری ہے'' پر ڈاکٹر ریاض محمود کا دعائیہ مکتوب اس کتاب میں شامل ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر ریاض محمود

ڈیر ملک مقبول احمد صاحب سلام مسنون!

آپ کی شخصی وادبی خودنوشت سرگزشت ''سفر جاری ہے'' نظر سے گزری ہے۔ واقعی **لَیسَ لِلاِنسَان اِلَّا ماسعٰی** اور **معل لِلاِنسَان مَاتمنّٰی** کی تفسیر ہے۔ آپ نے جس بے حجابی بے باکی اور بغیر لگی لپٹی اپنی شخصیت قارئین کے سامنے پیش کر دی ہے، وہ آپ کی عظمت پہ دال ہے۔ ورنہ تصنع اور ملمع کاری کی کبھی کمیابی نہیں رہی۔ مقبول اکیڈمی علمی ادبی و تاریخی تخلیقات کی تجسیم و طباعت میں ہمیشہ پیش پیش رہی ہے اور اب تو اس کی کاوشِ حسنہ کی خوشبو ادب پرور گہوارہَ لاہور کے کونے کونے میں محسوس کی جا رہی ہے۔ ہم بحیثیت بہی خواہ اس پُرعزم واستقلال سفر کے جاری رہنے کے حق میں ہیں اور پیش رفت میں دعا گو بھی ہیں تا کہ قلمکاری کی بجا طور آبیاری ہوتی رہے۔

خیراندیش

ڈاکٹر ریاض محمود

Marfat.com

محترمہ ریحانہ قمر

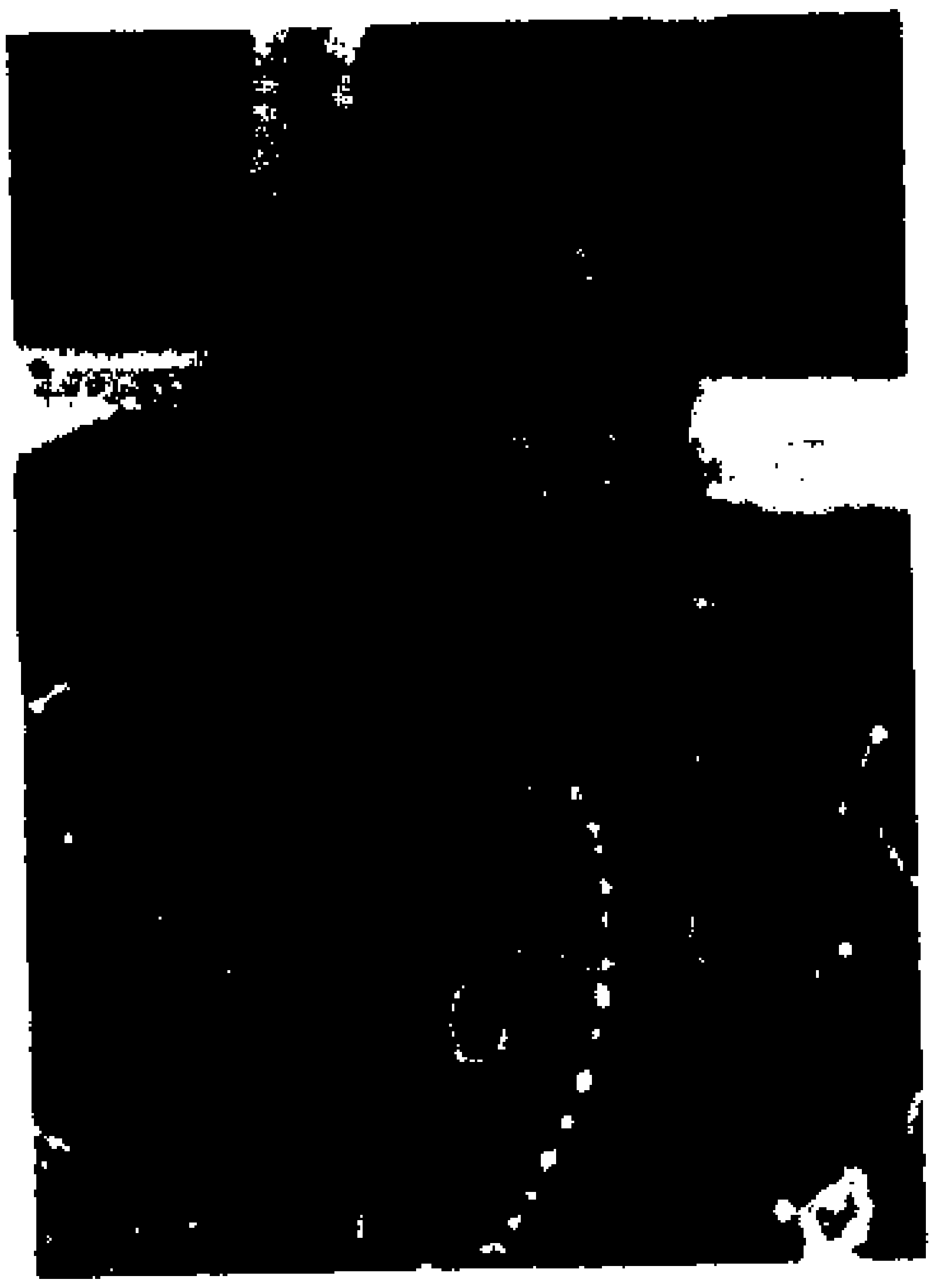

ریحانہ قمر ہماری سماجی زندگی میں صحت مند تبدیلی لانے کے لئے تخلیق کاری کرتی ہیں ان کی شاعری اور افسانہ نگاری کی جہت بے حد مثبت ہے۔

ریحانہ قمر اندرون موچی دروازہ لاہور میں پیدا ہوئیں، ان کا تعلق ایک معزز مغل خاندان سے ہے۔ میٹرک کا امتحان مشن ہائی سکول (فار گرلز) سے دیا۔ اور بی اے کنیئرڈ کالج لاہور سے کیا۔ بی ٹی کی ڈگری لیڈی میکلیگن کالج لاہور سے حاصل کی۔ اور ایم اے اردو اورینٹل کالج لاہور سے کیا۔ اپنی تعلیمی زندگی میں ہی ان کا رجحان ادب کی طرف ہو گیا تھا۔ انہوں نے ریڈیو پاکستان کے لیے بچوں کی کہانیاں اور ڈرامے لکھے۔ مشاعروں کی نظامت کی۔ یوم آزادی پر قومی پروگرام کے لیے انہوں نے ڈرامہ ''خون صد ہزار انجم'' لکھا تو انہیں بہترین مصنفہ کا گریجوایٹ ایوراڈ دیا گیا۔ انہیں ایک رومانی ناول لکھنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

شادی کے بعد انہوں نے اپنے ادبی ذوق کو تو برقرار رکھا لیکن تصنیف و تالیف میں پہلے جیسی سرگرمی نہ رہی۔ ریحانہ قمر ان دنوں ایک خانہ دار خاتون کے گھریلو فرائض انجام دے رہی ہیں لیکن ان کے مطالعے کا سلسلہ جاری ہے۔ ''سفر جاری ہے'' پر ان کا خط ان کے نیک جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

Marfat.com

ریحانہ قمر (ایم۔اے)

محترمی۔تسلیمات

آپ پبلشر سے رائیٹر بھی بن گئے۔ایسا بہت کم ہوا ہے۔رائیٹروں کی کتابیں چھاپتے چھاپتے آپ کے اندر کا ادیب بھی جاگ اٹھا اور اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔بہرحال آپ کے اندر کا ادیب کامیاب رہا ہے۔جس کا بہت دیر کے بعد پتا چلا۔

''سفر جاری ہے'' کتاب اس اعتبار سے ایک مختلف کتاب ہے۔کہ یہ سفر نامہ بھی ہے اور آپ بیتی بھی ہے۔اسے پڑھ کر پورے عہد کی تہذیبی تاریخ سامنے آجاتی ہے۔

مناسکِ حج کی ادائیگی کی تفصیل بڑی ایمان افروز ہے۔اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو یہ سعادت عطا فرمائے۔آمین

''سفر جاری ہے'' اُردو ادب کی صنف آپ بیتی میں ایک قیمتی اضافہ ہے

ریحانہ قمر

Marfat.com

جناب زاہد حسین انجم

زاہد حسین انجم کی ذات میں کئی فعال شخصیات جمع ہوگئی ہیں۔ وہ ایک فرد نہیں بلکہ ایک انجمن ہیں۔ جو کام ادارے کرتے ہیں، وہ کام زاہد حسین انجم اکیلے ہی سرانجام دیتے ہیں۔ اور اب انہیں معلومات عامہ کی چلتی پھرتی انسائیکلوپیڈیا بھی کہا جاتا ہے۔ وہ پاکستان میں انسائیکلوپیڈیاز مرتب کرنے والے ممتاز افراد میں شمار ہوتے ہیں۔

زاہد حسین انجم 12 جنوری 1939ء کو ملوٹ ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ میٹرک زمیندارہ ہائی سکول گجرات سے پاس کیا۔ ایف اے اور بی اے پرائیویٹ طالب علم کی حیثیت میں امتیازی نمبروں سے پاس کئے۔ عملی زندگی کا آغاز واپڈا میں ڈرافٹنگ کے شعبے سے کیا اور 1999ء میں اپنے عہدے کی میعاد پوری ہونے کے بعد ریٹائر ہوگئے۔

زاہد حسین انجم کے دل میں ادب پڑھنے اور کہانیاں اور مضامین لکھنے کا شوق بچپن میں ہی پیدا ہو گیا تھا۔ ملازمت کے دوران اس شوق نے جنون کی صورت اختیار کر لی اور پھر وہ معلوماتی کتابیں تالیف کرنے لگے حتیٰ کہ انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنا ان کے شوق کی ایک مخصوص جہت اختیار کر گیا۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کے دائرہ معارف اسلامیہ کے لیے چالیس عالمانہ مقالے رقم کئے ہیں۔ ریڈیو کی طرف رخ کیا تو سامعین کو لاہور شہر کی سیر سماعت کے وسیلے سے کرائی۔ ان کے متعدد انٹرویوز ریڈیو، اور ٹی وی سے نشر ہو چکے ہیں۔ اہم بات یہ کہ وہ ایک گوشہ نشین انسان ہیں۔ اپنے مثبت ارادوں اور خردمندانہ صداقت سے اپنے باطن کو منور رکھتے اور معاشرے کو ایسی کتابیں پیش کرتے ہیں جن سے معاشرے کا علمی افق روشن ہو جاتا ہے اور لکھنے والوں کو راہنمائی ملتی ہے۔

زاہد حسین انجم کی گراں قدر تالیفات کا شمار ممکن نہیں۔ ان میں انسائیکلوپیڈیا پاکستان (بہ حروف انگریزی) انسائیکلوپیڈیا قائداعظم، انسائیکلوپیڈیا واقعات پاکستان، انسائیکلوپیڈیا بیسویں صدی فیروز سنز انسائیکلوپیڈیا۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا شامل ہیں۔ ان کی یہ کتابیں لاکھوں لوگوں کے استعمال میں آتی ہیں اور ان کی مشکلیں آسان کرتی ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا مکتوب گرامی بھی انسائیکلوپیڈیا کی خوشبو سے معمور ہے۔

Marfat.com

زاہد حسین انجم

محترمی ومکرّمی جناب ملک مقبول احمد صاحب

السلام علیکم:۔ اُمید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ آپ کو صحت مند، خوش وخُرم اور اپنی حفظ وامان میں رکھے اور آپ کو علم وادب کے میدان میں مزید کامیابیاں اور کامرانیاں عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

آپ نے اپنی خودنوشت ''سفر جاری ہے'' جس شفقت اور محبت کے ساتھ مجھے بھیجی ہے۔ اس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

میں نے ''سفر جاری ہے'' کا بغور مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آپ نے اس کتاب میں اپنے اور اپنے خاندان کے ایسے گوشے بے نقاب کئے ہیں، جو قبل ازیں کم از کم مجھ جیسے لوگوں کے لئے نظروں سے اوجھل تھے۔ جس طرح آپ نے حقیقت بیانی سے کام لیا ہے، وہ بڑے دل گردے اور جرأت کی بات ہے اور ہر کس وناکس ایسے کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ سفر جاری ہے کو جس اعتماد کے ساتھ آپ نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے اور اس میں جو ادبی چاشنی نظر آتی ہے، وہ سب آپ کی علم دوستی کا ثبوت ہے۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ آپ جیسے لوگ جب اللہ کی ذات پر بھروسہ کر کے کام کا آغاز کرتے ہیں تو وہ بہت جلد عوام کے ہجوم میں صفِ اول میں کھڑے نظر آتے ہیں ۔کتاب مذکورہ میں آپ نے اپنے احساسات ، جذبات اور غور وفکر کو صرف خود تک ہی محدود نہیں کیا بلکہ آئندہ نسلوں کے لئے اپنی سوچ اور فکر کے ذریعے ایسی راہیں بھی متعین کی ہیں کہ جن پر چل کر آئندہ نسلیں کامیابی کے زینے بآسانی طے کر سکتی ہیں۔

Marfat.com

یہ اسی اعتماد اور قوتِ ارادی اور کام سے لگن کا ثمر تھا کہ لاہور ایسے علم ادب کے مرکزی شہر میں 1958ء میں مقبول اکیڈمی کے نام سے آپ نے ایک ایسے علمی و ادبی ادارے کی بنیاد رکھی جو صرف آپ اور آپ کی محنت کے سبب سے ممکن ہو سکا۔ دراصل اگر حقائق کو مدِ نظر رکھا جائے تو ادارے انسانوں ہی سے بنتے ہیں نہ کہ انسان اداروں سے اور آپ اس ضرب المثل پر بفضل تعالیٰ سو فیصد پورے اترتے ہیں۔ جہاں تک پبلشنگ کے حوالے کا تعلق ہے تو آپ نے ان کتابوں کی اشاعت کا اہتمام فرمایا، جو دین و دنیا میں آپ کی سرخروئی کا سبب بنی ہیں۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو لوگ نہ صرف پاکستان میں آپ کو ایک ناشر کی حیثیت سے جانتے ہیں بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کو دین اسلام اور وطن عزیز سے کس قدر محبت ہے۔ اس کی مثال یہاں طوالت کے خوف کے پیشِ نظر میں صرف ''انسائیکلو پیڈیا قائدِ اعظم'' کی صورت میں دوں گا کہ ملک صاحب نے نامساعد حالات میں بھی اس ضخیم کتاب کو اس قدر خوبصورتی سے زیورِ طبع سے آراستہ فرمایا، جو حضرتِ قائداعظمؒ کی شایانِ شایان تھا۔ آپ نے دین اسلام، وطنِ عزیز پاکستان اور بانی پاکستان حضرت قائداعظمؒ سے جس والہانہ محبت کا اظہار کیا ہے، وہ صرف لفاظی تک محدود نہیں بلکہ آپ نے انسائیکلو پیڈیا پاکستان اور پاکستان کے پچاس سال اور اسی نوع کی دیگر کتب کی اشاعت کے ذریعے عملاً اس کا ثبوت بھی فراہم کیا ہے۔

آپ نے ''سفر جاری ہے'' میں شاہ عالمی سے اردو بازار، مال روڈ اور اقبال ٹاؤن، ماڈل ٹاؤن اور گلبرگ تک کاروباری سفر کی روداد اور مشکلات اور تجربات، زندگی کے حادثات اپنے دوستوں اور مصنفین کا ذکر ناشرین پر لگائے گئے الزامات کا ازالہ کرنے اور افسر شاہی کے عزائم کو بے نقاب کرنے میں جو اُسلوب اپنایا ہے، وہ ہر کسی کا کام نہیں۔ ان موضوعات پر صرف آپ جیسے لوگ ہی اظہارِ خیال کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

''آزادیٔ ہند'' کے سلسلے میں مشاہیر کے خطوط، چند ادیبوں اور شاعروں اور دانشوروں کے خطوط، مصنّفین کے بارے میں آپ کی اپنی رائے مقبول اکیڈمی کی چند اہم مطبوعہ کتابوں پر تبصرے حوالے کی کتابیں لکھنے والوں کے لئے بڑی اہمیت کے حامل عناصر ہیں۔

الغرض آپ نے ''سفر جاری ہے'' کو بڑے سلیقے کے ساتھ نہ صرف طبع کیا ہے بلکہ اس کا ٹائٹل بھی بامعنی اور بڑا دلآویز ہے اور سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کے بیتے ہوئے لمحات کو بڑی خوش سلیقگی کے ساتھ کتابی شکل میں ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔ جو یقیناً دوسرے ناشروں کے لئے مشعلِ راہ کا درجہ رکھتے ہیں بلکہ ان کے لئے ایک ایسی راہ بھی متعین کر دی ہے جو انہیں تا ابد زندہ و تابندہ رکھنے میں بڑی ممد ثابت ہوسکتی ہے۔

ملک صاحب میں انہی الفاظ میں آپ کو ایک بار پھر یقین دہانی کراتا ہوں کہ اگر میرے لائق کوئی کام ہو تو ان شاء اللہ تعالیٰ میں آپ کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔ میں آخر میں آپ کو ایک مرتبہ پھر سفر جاری ہے جیسی خوبصورت کتاب لکھنے پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ اس میں آپ کو شاعروں، ادیبوں، دانشوروں اور اپنے چاہنے والوں کی طرف سے جو خطوط موصول ہوئے ہیں، انہیں بھی آپ کتابی شکل دیں گے تاکہ ادیبوں، دانشوروں اور شاعروں کے خطوط سے علم دوست حضرات اپنے استفادے کی چیزیں نکال سکیں۔ انہی الفاظ میں اپنا خط ختم کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

Marfat.com

جناب پروفیسر سجاد نقوی

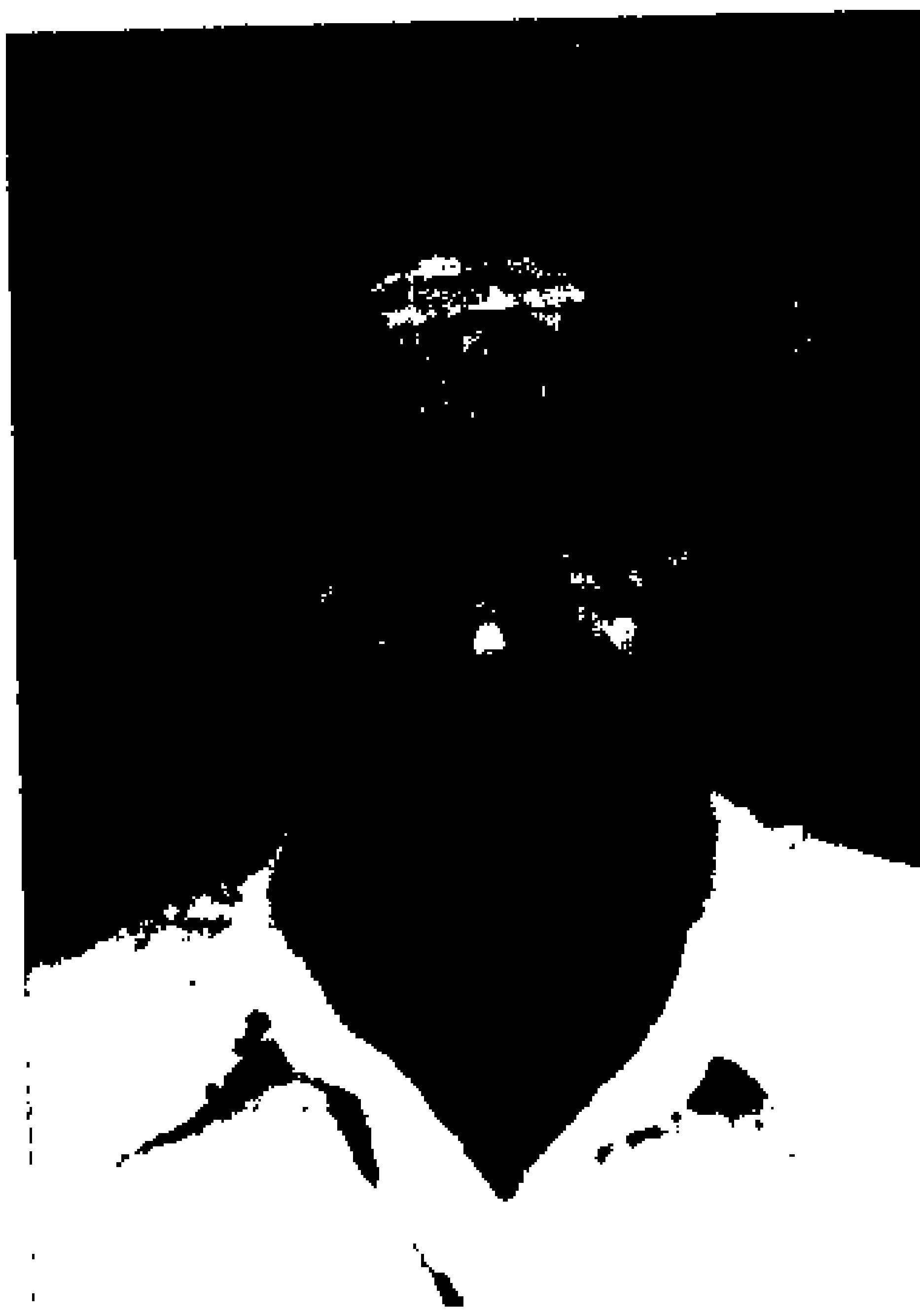

پروفیسر سجاد نقوی 1930ء کی دہائی میں سیالکوٹ کے نواحی گاؤں بھڑتھ میں پیدا ہوئے تھے، ان کے والد گرامی نے ساری زندگی تعلیمی شعبے میں بسر کی، ان کے بڑے بھائی غلام الثقلین نقوی بھی جو اردو کے ایک ممتاز افسانہ نگار اور شہرہ آفاق ناول ''میرا گاؤں'' کے مصنف ہیں گورنمنٹ کالج لاہور میں اردو کے پروفیسر تھے۔

سجاد نقوی لائبریری سائنس میں ڈپلوما حاصل کرنے کے بعد کتابوں کی دنیا میں آگئے انہوں نے جھنگ اور سرگودھا کے گورنمنٹ کالجوں میں خدمات انجام دیں۔ اس دوران میں انہوں نے ایم اے اردو کرلیا اور انہیں گورنمنٹ کالج بھکر میں اردو کا لیکچرار مقرر کیا گیا۔ لیکن بعد میں وہ تبدیل ہوکر سرگودہا آگئے اور 60 سال کی عمر پر پہنچنے کے بعد ریٹائر ہوگئے۔ اور شاہینوں کے اسی شہر میں ہی مستقل طور پر آباد ہوگئے۔

سجاد نقوی کی ادب سے وابستگی موروثی ہے۔ سرگودہا میں قیام کے دوران انہوں نے رسالہ ''کامران'' کی ادارت میں انور گوئندی کی معاونت کی ڈاکٹر وزیر آغا نے 1966ء میں ''اوراق'' جاری کیا تو وہ اس کے ساتھ روزِ اوّل سے ہی وابستہ ہوگئے۔ اور عارف عبد المتین ''اوراق'' کی معاونت سے علیحدہ ہوگئے تو سجاد نقوی اس عہد ساز رسالہ کے معاون مدیر مقرر کیے گئے۔ سجاد نقوی نے ادب میں تخلیق کاری کی ابتدا افسانے سے کی تھی لیکن پھر انہوں نے یہ میدان اپنے بڑے بھائی غلام الثقلین نقوی کے لیے چھوڑ دیا۔ رسالہ ''اوراق'' کی ادارت کے دوران انہوں نے متنوع موضوعات پر معرکہ آراء مقالات لکھے۔ جو ''مطالعے'' کے نام سے کتابی صورت میں چھپ چکے ہیں۔ اس کتاب پر انہیں سرگودہا سیکنڈری بورڈ نے ایوارڈ عطا کیا تھا۔ سجاد نقوی اب اپنے نفس مطمئنہ سے ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کی خود نوشت سوانح عمری رسالہ ''الحمراء'' میں قسط وار شائع ہو رہی ہے۔

Marfat.com

سجاد نقوی

سفر جاری ہے

دو ماہ پہلے مجھے ملک مقبول احمد صاحب کی خودنوشت سوانح کا ایک نسخہ ڈاکٹر انور سدید صاحب کی وساطت سے ملا تو اس کے عنوان ''سفر جاری ہے'' سے مجھے اپنے مرحوم دوست پروفیسر غلام جیلانی اصغر یاد آ گئے۔ ''سفر جاری ہے'' کے عنوان سے ان کا ایک انشائیہ ان کے مجموعے ''گرم دمِ جستجو'' میں شامل ہے۔ جیلانی صاحب بڑے زندہ دل انسان تھے۔ اپنی گزرتی زندگی کے ہر پل سے اپنے آنے والے لمحات کو درخشاں کرنے کے لیے اس میں کوئی خوش کُن توجیہ تلاش کر لیتے تھے۔ جیلانی صاحب تو اپنا سفرِ حیات طے کر کے اب ہم میں نہیں رہے مگر ان کے رشحاتِ قلم سے نکلی دانش سے لبریز پُر لطف باتوں کا ہمیشہ سفر جاری رہے گا۔ ملک صاحب کی خودنوشت سوانح میں جو بڑی خوبی مجھے نظر آئی ہے، زندگی کے بارے میں ان کا روّیہ بھی جیلانی صاحب جیسا ہے۔

میں نے ملک صاحب کی خودنوشت سوانح دو دفعہ پڑھی ہے۔ پہلی دفعہ اس خیال سے کہ دیکھوں مُصنّف نے اپنی آپ بیتی کس پیرائے میں بیان کی ہے۔ کتاب شروع کی، تحریر اتنی رواں دواں تھی کہ ''کتاب اور اس کے تعارف'' سے لے کر ''چند حادثے زندگی کے'' ذیلی عنوان تک ایک ہی نشست میں پڑھ گیا۔ ملک صاحب نے کتاب کے پہلے 130 صفحات میں اپنی پیدائش سے لے کر ایک

Marfat.com

کامیاب پبلشر بننے تک کا سفر بیان کیا ہے۔ اتفاق سے ملک صاحب اور میں ہم عمر ہیں ۔ ان کا اور میرا آبائی ضلع ایک ہے ۔ سیالکوٹ کا ضلع بڑا مردم خیز ہے ۔ علامہ اقبالؒ اور فیض احمد فیض اردو کے نامور شعرا اور غلام الثقلین نقوی اور جوگندر پال اُردو کے معروف افسانہ نگاروں کی نسبت اسی سرزمین سے ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے تو اپنے شہرہ آفاق ناول ''میرا گاؤں'' میں سیالکوٹ کو ماڈل بنا کر پاکستانی دیہات کی جس خوبی سے عکاسی کی ہے اس نے سیالکوٹ کو اُردو ادب میں امر کر دیا ہے۔ ملک صاحب کا عقبی دیار بھی سیالکوٹ کا ایک گاؤں دیووال ہے۔ دیووال اور اس سے قریبی دیہات ''اعوان ملکوں'' کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ مرحوم انور بیگ اعوان کی تحقیق کے مطابق، اعوان عربی النسل ہیں ۔ ان کا شجرہ نسب حضرت عباس علمدارؑ کی اولاد ہونے کی وجہ سے حضرت علیؑ تک پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ملک اپنے نام کے ساتھ علوی بھی لکھتے ہیں۔ ملک مقبول صاحب نے اپنی آپ بیتی میں ''ایک زوردار تھپڑ'' کے ذیلی عنوان کے تحت باجڑہ گڑھی کے ملک فیض صاحب کا ذکر کیا تو مرحوم اپنے بھاری بھرکم جثّے کے ساتھ میرے گاؤں ''بھڑتھ سادات'' کے امام بارگاہ کے منبر پر مجھے بیٹھے نظر آ گئے۔ مرحوم پیشہ ور مولوی اور ذاکر نہیں تھے۔ فضائل محمدؐ و آلِ محمدؐ کے بیان میں ان کے منہ سے پھول جھڑتے اور جب شہید کربلا اور جانثارانِ امام حسینؑ کے مصائب بیان کرتے تو حاضرین مجلس کی آنکھوں میں ساون اُتر آتا۔

''سفر جاری ہے'' کے پہلے 130 صفحات میں ملک صاحب نے اپنی ذات کو آپ بیتی میں مرکزی حیثیت دی ہے ۔ اس میں انہوں نے اپنی دیہی زندگی جس میں بچپن، لڑکپن، تعلیم، نوکری، ازدواجی زندگی خصوصیت کے حامل ہیں، انہیں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کے بعد کتاب کے پونے تین سو صفحوں میں اپنی زندگی کے جملہ مراحل کو ملک صاحب نے کسی تصنع اور لاگ لپٹ کے بغیر

Marfat.com

بڑی سادگی سے بیان کر دیا ہے۔ ہر چند اس میں بعض مقام ایسے بھی ہیں، جہاں ملک صاحب کے قلم میں تلخی ترشی بھی آ سکتی تھی مگر ملک صاحب نے ان مقامات پر

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

کا خیال رکھا ہے۔ یہ خوبی کم کسی آپ بیتی میں دیکھنے میں آتی ہے۔

مضمون لکھنے کی غرض سے میں نے ''سفر جاری ہے'' کو ''انتساب'' سے لے کر محمد افسر ساجد صاحب کے ڈاکٹر انور سدید کی کتاب ''برسبیل تنقید'' پر ان کے انگریزی تبصرے تک دوبارہ پڑھا ہے۔ یہ تو نہیں کہ ''سفر جاری ہے'' کے صفحہ 175 سے لے کر 450 صفحے تک ملک مقبول احمد کہیں نظر نہیں آتے، وہ تو مصنفین کے تذکرے سے لے کر مقبول اکیڈمی کی مطبوعہ کتابوں پر تبصروں اور کالموں میں ہر صفحے پر نظر آتے ہیں مگر ان صفحات میں اپنی آپ بیتی میں ملک صاحب کے ساتھ مقبول اکیڈمی کے من جملہ مصنفین کی آپ بیتی بھی شامل ہوگئی ہے۔ ملک صاحب سے ان مصنفین کی خط و کتابت بڑی دلچسپ ہے۔ اس میں ملک صاحب سے گلے شکوے بھی ہیں اور کُتب کی اشاعت میں ان کی نوازشات کا برملا اعتراف بھی ہے۔ کتاب میں خواتین و حضرات کی تصاویر اور ان میں بعض کی نمایاں تصانیف پر تفصیلی تبصروں نے تصاویر کی اشاعت کو بامعنی بنا دیا ہے۔ تبصرہ نگاروں میں میرزا ادیب اور ڈاکٹر انور سدید کے تبصرے مولانا شبلی نعمانی کی یاد دلاتے ہیں کہ مولانا روایتی اظہارِ خیال کے بجائے زیرِ مطالعہ کتاب پر ایک مبسوط اور جامع مضمون قلمبند کر دیتے تھے۔ میرزا ادیب مرحوم اور ڈاکٹر انور سدید صاحب کے تبصرے اسی خوبی کے حامل ہیں۔

''سفر جاری ہے'' کسی پاکستانی ناشر کی پہلی خودنوشت سوانح ہے جو میرے مطالعے میں آئی ہے۔ میں ملک مقبول احمد صاحب کو اس اعزاز پر مبارک باد دیتا ہوں۔

Marfat.com

محترمہ سلمیٰ صدیقی

سلمیٰ صدیقی کو ادب کا ذوق اپنے والد گرامی پروفیسر ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی سے ورثے میں ملا تھا۔ وہ اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور میں شعبہ اردو سے وابستہ تھے۔ متعدد کتابوں کے مصنف اور سینکڑوں طالب علموں کے استاد تھے۔ کتاب ''عروجِ اقبال'' تالیف کرنے پر انہیں صدارتی ایوارڈ پیش کیا گیا تھا۔

گھر کے اس علمی اور ادبی ماحول میں سلمیٰ صدیقی 2 فروری 1953ء کو لاہور میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول کرشن نگر لاہور سے حاصل کی اور ایم ایس سی (سائیکالوجی) کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔ اور پھر حکومت پنجاب کی سرکاری ملازمت میں آ گئیں۔

سلمیٰ صدیقی کو کتابیں پڑھنے اور معلومات کا دائرہ وسیع کرنے کا شوق ہے۔ علمی، ادبی، تاریخی اور نفسیاتی کتابوں کا ذخیرہ ان کے گھر میں موجود ہے۔ سرکاری ملازمت کی وجہ سے وہ تصنیف و تالیف کے لیے وقت نہیں نکال سکیں۔ تاہم اورینٹل کالج لاہور نے ایک کتاب پروفیسر افتخار احمد صدیقی (مرحوم) پر مرتب کرنے کا منصوبہ بنایا تو اس میں سلمیٰ صدیقی کو بھی شرکت کی دعوت دی۔ ان کا یہ مضمون کالج کے تمام اساتذہ نے پسند کیا۔ اسی حوصلہ افزائی نے انہیں مقالہ اور مضمون نگاری کی طرف مائل کیا۔ اور اب وہ اس شوق کی تکمیل میں بھی مگن رہتی ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کی نکتہ آفرینی ان کے مضمون لا= پبلشرز سے دیکھی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

سلمیٰ صدیقی

8-8-07

''لا = پبلشر''

جناب مقبول احمد صاحب کی کتاب ''سفر جاری ہے'' کا مطالعہ مجھ سے کم علم کے لیے بے حد خوش گوار حیرت کا باعث بنا۔ ایک علم دوست گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود حتی الامکان میں نے اپنے آپ کو علم کی دسترس سے دور رکھا۔ مطالعہ کیا بھی تو فکشن کا۔ ثقیل تحریروں سے پرہیز کیا اور سوائے بہ امر مجبوری لکھنے کی جرأت نہیں کی۔ علم کا جس قدر بھی ورود میرے ذہن میں ہوا، اس میں میری کسی شعوری کوشش کا کوئی دخل نہیں لہٰذا علم کے ہر میدان میں Blank spots سے واسطہ پڑتا ہے۔ کم علمی کا یہی تجربہ چونکانے کا باعث بنتا رہتا ہے۔ اس لئے پبلشر اور پبلشنگ کے بارے میں میرے تصورات کی کجی کوئی حیرت کی بات نہیں۔

میرے خیال کے مطابق پبلشر وہ شخص تھا، جو مُصنف کا خون چوس کر اپنے لئے آرام مہیا کرتا ہے اور ادیب کو جائز معاوضہ کے لیے ہزار چکر لگوا کر خوار کرتا ہے۔ اس تصور میں دراڑ تو پڑ چکی تھی۔ لیکن ''سفر جاری ہے'' پڑھ کر پہلی بار احساس ہوا کہ اس سفر کے دوران جو مقبول صاحب نے کیا اس طرح کے مقامات آتے ہیں۔ یہ مقبول صاحب کی وسعتِ قلب و نظر ہے کہ وہ ان مقامات کے ذکر کے دوران مثبت پہلو نمایاں رکھتے ہیں۔ نتیجتاً پڑھنے والا ان کے ساتھ کامیابیوں کی مسرت تو share کرتا ہے لیکن مصائب کی اذیّت کا ادراک نہیں کر پاتا۔ مصائب ان کے ہاں تجربات کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ البتہ اگر ذرا توقف کر کے imagination کو رختِ پرواز دی جائے تو سانس کہیں

Marfat.com

کہیں رکتی ہے۔ دل ڈولتا ہے۔ آنکھوں میں چبھن محسوس ہوتی ہے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ مُصنّف خود ہی قاری کو ہر تکلیف سے محفوظ رکھنے پر مصر ہے۔

اعلیٰ معیار کی تصنیفات چھاپنے کے ارادے کے بعد ان کی تلاش میں رئیس احمد جعفری صاحب سے ملاقات، ان کے ناولوں کی اشاعت اور مقبولیت، بطور پبلشر مقبول صاحب کی کامیابی، اس کے بعد آزادیٔ ہند کی طباعت اور اس کے مثبت اثرات کا ذکر اتنے خوش گوار انداز میں ہوا ہے کہ پڑھنے والا ان کی کامرانیوں کے شعور سے مسرور ہو جاتا ہے۔ مشقت، مالی افتاد اور جراحت دل و دماغ پس منظر میں رہ جاتے ہیں۔ مشکلات ان کے ہاں بڑی آسانی سے حل ہو جاتی ہیں۔ وہ قاری کو اپنے درد کا ہمراز کم بناتے ہیں۔ البتہ پڑھنے والے کو اس غلط فہمی میں مبتلا رکھتے ہیں کہ انہوں نے حالِ دل من وعن بیان کر دیا ہے۔

اپنے والد کا عمر بھر کا پس انداز کیا سرمایہ تجربات کی بھینٹ کرنے کے بعد محض ہمت کے سہارے آگے بڑھنا۔ دو پہاڑوں کے درمیان بے پل کا دریا۔۔ڈوبنے اُبھرنے کے کتنے مراحل معلوم نہیں اپنوں نے اپنے پیاروں کے ساتھ share کیے یا انہیں بھی محفوظ رکھا۔

چاچا منگا کا ذکر انہوں نے شروع کے صفحات کی پانچ سطروں میں کیا ہے اور ایک زندہ رہنے والا کردار تخلیق کر دیا۔ ایسے تجربے دل کو بڑا کرتے ہیں۔ ان کا بظاہر سادہ سا بیان گہری جذباتی روداد کا عکاس ہے۔ زندگی میں جب جب بھی نقصان پہنچانے والے کو مقبول صاحب نے محبت سے سینے سے لگایا ہوگا تو کون جانے اس میں چاچا منگا کا کس قدر ہاتھ تھا۔

لائبریریوں تک رسائی کے سلسلے میں نظامی صاحب کو اپنا محسن سمجھنا لیکن اپنا کاروباری حق محفوظ رکھنا ان ground realities کی جھلک ہے، جن سے گزرنا پلِ صراط سے گزرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ مقبول صاحب کا ضمیر مطمئن ہے۔ خدا ان کی نیک نیتی

Marfat.com

قبول کرے۔

سکولوں میں سامان کی فراہمی، ٹینڈر حاصل کرنا، لائبریریوں میں کتابوں کو کھپانے کے حوالے سے تجربات، مشاہدات اور مسائل کا ذکر انہوں نے بڑےlightانداز میں کیا ہے حالانکہ یہ وہ حالات ہیں کہ ادیب کو درپیش ہوں تو شاید لکھنے سے توبہ کر لے۔ شعیب بن عزیز صاحب کا ایک جملہ یعنی کتابی منڈی میں ناشرین کی کامیابی کے راز معلوم کرنا اوران پر شبانہ روز عمل کرنا دراصل ان کی زندگی کی داستان ہے، جس کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی اقدار کا دامن تھامے رکھا ورنہ خالی کامیابی تو کوئی بڑی بات نہیں۔ وہ بجاطور پر اپنے سکھی اور خوشحال گھرانے پر فخر کرتے ہیں۔ یہ کہنا ان کی انکساری ہے کہ ایک معمولی تعلیم کے بندے کو اللہ تعالیٰ نے کتابوں کے کاروبار میں سرفراز فرمایا۔ دراصل انہوں نے کتاب سے محبت کی اور علم کی خدمت۔ وہ کہتے ہیں کہ ماں کی دعاؤں سے انہیں اسی طرح تسلی ہو جاتی تھی، جس طرح بچپن میں سائیکل پر سوار ہو کر علامہ اقبالؒ کی نظمیں گانے سے ہوتی تھی۔ ایسا شخص علم کی خدمت نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔ البتہ ان سے جو کام زندگی کو لینا تھا اس کا انتخاب زندگی نے خود کیا۔ ان کی زندگی کا مرکز نہ شہرت سے نہ روپیہ اپنوں کی خوشحالی اور محبت ان کے دل کی دولت ہے۔

لاہور کو انہوں نے زندگی کا مخزن سمجھا۔ وہ کہتے ہیں ''زندہ دلوں کے شہر لاہور میں آتے ہی میری غیر رسمی تعلیم کا ایک لمبا دور شروع ہو چکا تھا۔ اب ہر نیا دن میرے سامنے نیا چیلنج پیش کرتا اور میں اس کو حل کرنے میں تن من سے مصروف ہو جاتا۔'' لاہور کی richness سے تکسیب کا ذکر اس انداز میں کرنا ان کی پوری شخصیت کی تصویر کھینچ دیتا ہے۔ ایک بے حد کھلے دل و دماغ کا سادہ مزاج، محبت کرنے والا اور زندگی کی ہر آزمائش سے خوشبو اور رنگ کشید کرنے والا شخص ایک سچا مسلمان!

Marfat.com

جناب سعید بدر

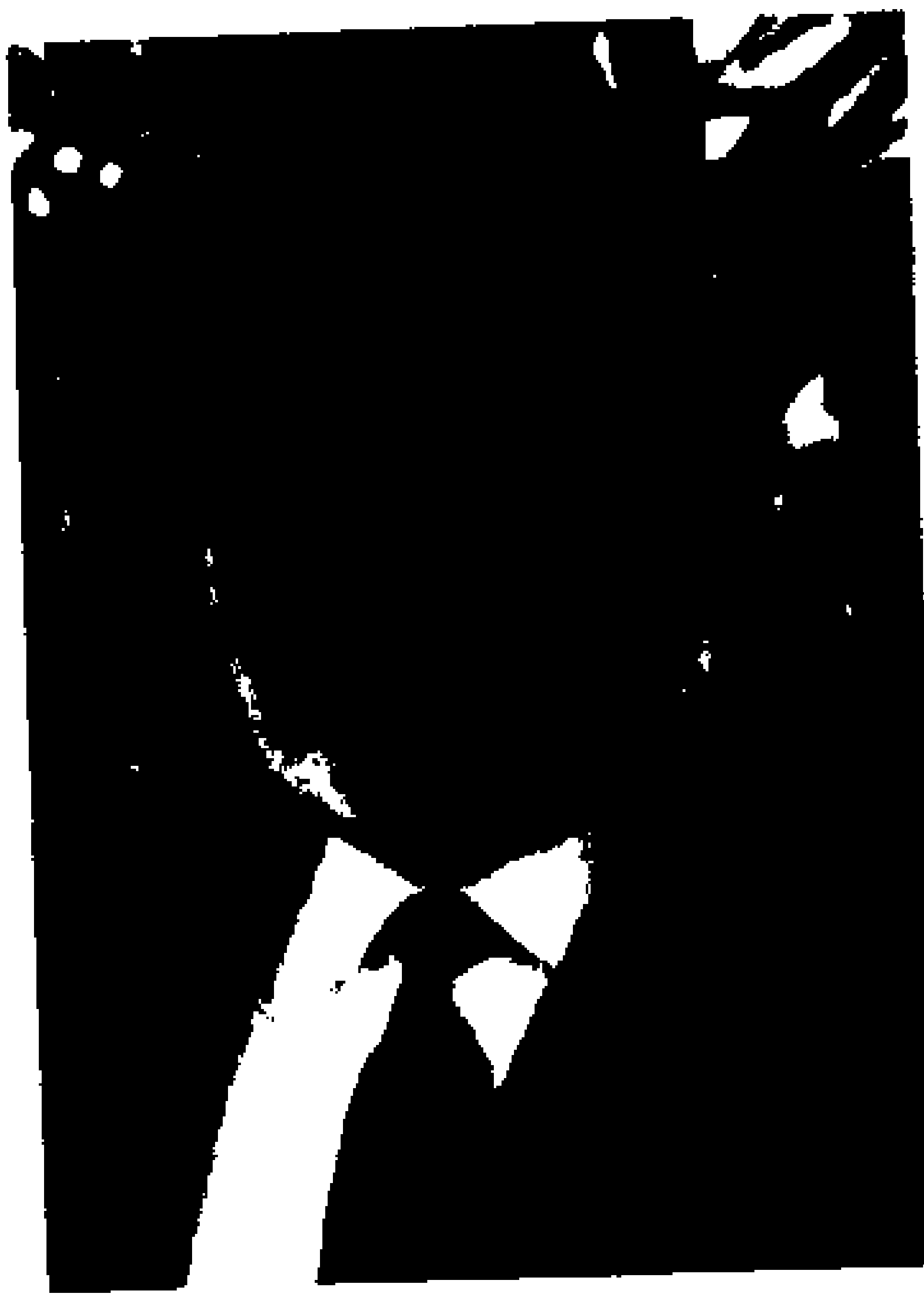

سعید بدر بلند پایہ صحافی اور ممتاز نعت نگار ہیں۔ وہ مشرقی پنجاب کے ضلع فیروز پور میں 19 ستمبر 1939ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد سائیں حکیم محمد یعقوب منیر قادری اعلیٰ پائے کے طبیب، دینی و روحانی پیشوا اور تحریک پاکستان کے سرگرم رکن تھے۔ سعید بدر کو یہ اوصاف ورثے میں ملے۔ 1947ء میں پاکستان آگئے انہوں نے اسلامیہ کالج لاہور سے بی اے اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے (اردو) کیا۔ انہوں نے واپڈا میں افسر تعلقاتِ عامہ کے علاوہ ماہنامہ ''برقاب'' اور ہفت روزہ ''واپڈا خبر نامہ'' کے ایڈیٹر کی خدمات انجام دیں۔ ان کا فطری رجحان صحافت کی طرف تھا۔ چنانچہ انہوں نے روزنامہ ''جنگ'' اور روزنامہ ''امروز'' کے علاوہ متعدد ہفت روزہ اخبارات اور ماہناموں میں کام کیا اور پاکستان کے ممتاز صحافیوں میں شمار ہوئے۔ مولانا روم اور علامہ اقبال ان کے مطالعے کا جزوِ اعظم ہیں۔ اور ان پر گراں قدر تحقیقی مقالات لکھ چکے ہیں۔

سعید بدر درویش طبع، اور خوددار انسان ہیں۔ انہوں نے خدمتِ خلق کے کئی اداروں میں اعزازی خدمات انجام دیں۔ اور متعدد اعزازات حاصل کیے۔ وہ اس وقت بھی متعدد سماجی تنظیموں کے عہدہ دار ہیں اور صحافتی خدمات میں مصروف ہیں۔

سعید بدر نامور شاعر ہیں انہوں نے اپنی اسی صلاحیت کو حمد و نعت کے لیے مختص کر رکھا ہے۔ مؤلف و مصنف کی حیثیت میں ان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے محمد اصغر خان کی پہلی کتاب کا ترجمہ ''پاکستان کا مستقبل'' کے نام سے کیا۔ ممتاز ادیب ثاقب سلیمانی کی کلیات ثاقب مرتب کی۔ ''علامہ اقبال اور ہمایوں'' کے نام سے ان کی کتاب بزم اقبال نے شائع کی۔ ''سفر جاری ہے'' پر سعید بدر نے تجزیاتی مقالہ لکھ کر مجھے ممنون احسان فرمایا ہے۔

Marfat.com

سعید بدر

ملک مقبول احمد کا........ ''سفر جاری ہے''

گزشتہ دنوں کسی اخبار میں ''سفر جاری ہے'' کے عنوان سے ملک کے نامور اور مقبول ناشر ملک مقبول احمد کی سرگزشت پر مبنی شائع شدہ تبصرہ نظر نواز ہوا تو ان جانی سی خوشی کا احساس دل کے نہاں خانے میں ضو پذیر ہوا، جس نے اس خواہش کا روپ دھار لیا کہ کتاب کا مطالعہ کیا جانا چاہیے تاکہ پتہ چلے کہ ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کی نگارشات کو چھاپنے والا انسان خود کیسے لکھتا ہے؟ کیا لکھتا ہے؟ اور کیوں لکھتا ہے؟ اور سب سے بڑھ کر کیسا لکھتا ہے؟ لیکن ملک مقبول احمد صاحب سے ہماری پہلے سے کوئی شناسائی یا تعارف نہ تھا، دوستی تو دور کی بات ہے۔ مقبول صاحب، ٹھہرے بہت بڑے پبلشر اور اب بہت بڑے ادیب بھی، بڑے لوگوں کی دوستی تو بڑوں ہی سے ہوا کرتی ہے، اس لیے خواہش لاشعور کے سمندر میں کہیں ڈوب گئی، ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ انسان کی تمام ناآسودہ خواہشات لاشعور کے گہرے سمندر میں ڈوب کر محفوظ ہو جاتی ہیں۔

چند روز قبل ہم نے اپنے کرم فرما ڈاکٹر انور سدید کے دولت کدہ پر ان سے ملاقات کے لیے حاضری دی تو انہوں نے ''سفر جاری ہے'' کا نسخہ پیش کیا، جسے پا کر دل ہی دل میں بے پایاں مسرت ہوئی۔ گھر آیا تو کتاب پر سرسری نظر ڈالی ادھر اُدھر سے اوراق پلٹے تو اندازہ ہوا یہ ''تنہائی میں بیٹھ کر توجہ سے مطالعہ کرنے والی کتاب ہے''۔

چند دنوں سے ہم پر ''انجائنا'' صاحب اپنی نظر کرم فرما رہے ہیں اور سینے میں گدگدی

Marfat.com

بھی کرتے رہتے ہیں۔ کبھی درد کی صورت میں تشریف لاتے ہیں اور کبھی پسینہ بن کر پھوٹتے ہیں اور ہمیں ''موت کا سفر'' بھی یاد دلا دیتے ہیں۔ جو ہم لوگ اکثر بھولے رہتے ہیں۔

انجائنا موصوف کبھی روح کو بے چین فرماتے ہیں اور کبھی سخت ''گھبراہٹ'' کی صورت میں نزولِ اجلال فرماتے ہیں۔ اُن کی ان اٹکھیلیوں کے درمیان ہم نے ''سفر جاری ہے'' کے اوراق کا سفر کرنا شروع کر دیا تو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ملک مقبول احمد نے اپنے تجربات و مشاہدات کی بنیاد پر ایک علمی و ادبی ''کارنامہ'' سرانجام دے دیا ہے، جو مستقبل میں اہل ذوق و شوق کی مسلسل رہنمائی کرتا رہے گا اور اس بہانے ان بہت سے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کو زندہ بھی رکھے گا کہ جن کے نام نامی اور اسمائے گرامی کتاب کی زینت بنے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کو ایک دستاویز اور ریفرنس کا درجہ و مقام حاصل رہے گا۔ راقم اس بات پر اکثر کڑھتا رہتا تھا کہ ہمارے بہت سے ممتاز لوگ زندگی کے مختلف شعبوں میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیتے ہیں، جن میں سے بعض بہت اہم، مفید اور تاریخ ساز ہوتے ہیں۔ یہ واقعات اس قدر اہم ہوتے ہیں کہ بعض افراد کی زندگیوں کا رخ بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ علم و ادب کے شعبہ سے تعلق نہیں رکھتے، اس لیے ان کے گراں قدر مشاہدات اور تجربات ان کے سینوں میں ہی دفن ہو کر رہ جاتے ہیں اور منصہ شہود پر نہیں آتے۔ ہمارے برعکس یورپ اور اب امریکہ میں اکثر و بیشتر حضرات کچھ نہیں تو اپنی زندگی کی یادداشتوں کو ضرور مرتب کرتے ہیں اور انہیں زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے ہی دم لیتے ہیں۔ اس طرح ان کتابوں میں درج شدہ ان کے گراں قدر، تجربات اور مشاہدات نئی نسل کے کام آتے ہیں اور ان کی رہنمائی کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ اس طرح پرانی نسل کا علم بھی اگلی نسل کو منتقل ہوتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں اگر کسی نے سفر کیا تو سفرنامہ مرتب کر دیا؟ کسی نے جنگ میں حصہ لیا، تو جنگ نامہ لکھ دیا۔ ضروری نہیں کہ لکھنے والا بہت بڑا رائٹر ہی ہو۔ جس نے

Marfat.com

حیاتِ مستعار کو جس طرح گزارا، اسے اسی طرح سپردِ قلم کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل مغرب میں، آپ بیتیوں، سرگزشتوں، سفرناموں اور جنگ ناموں کی کثرت اور بہتات بہتات ہے، برطانیہ کے وزیراعظم چرچل نے جنگ کی روداد لکھ کر اہل تحریر میں اپنا نام لکھوالیا، کولمبس نے امریکہ دریافت کیا تو قابل قدر سفرنامہ لکھ دیا۔ ہندوستان میں حکومت کرنے کے لئے جو انگریز وائسرائے یا بعض افسران آتے رہے، ان میں سے بیشتر نے ہندوستان کے حالات و واقعات، رسوم و رواج، طرزِ معاشرت اور طرزِ سیاست پر ایسی مفید کتابیں لکھی ہیں جنہیں دیکھ کر آج حیرانی ہوتی ہے۔ یہ سرمایہ ادب و علم و تاریخ و تحقیق آج ہمارے کام آرہا ہے۔ ہمارے بعض مشرقی افراد نے بھی کارہائے گراں قدر سرانجام دیے ۔ ابوریحان البیرونی ہندوستان آیا تو یہاں کے باشندوں پر بہترین کتاب ''کتاب الہند'' تحریر کی۔ افریقہ سے ابن خلدون باہر نکلا تو اس نے سفرنامہ لکھ کر تاریخ ساز کارنامہ سرانجام دیا اور تاریخ کے اصول مرتب کر دیے۔ اس سلسلہ میں ابن بطوطہ کے سفرنامہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

حکیم الامت علامہ اقبال نے فرمایا ہے ۔

بر آور ہرچہ ، اندر سینہ داری

سُرودے ، نالئہ ، آہے ، فغانے

یعنی ''اللہ تعالیٰ کا ودیعت کردہ خزانہ جو تمہارے سینے میں موجود ہے، اسے باہر لایئے! خواہ وہ گیت ہے یا نغمہ، کوئی نالۂ دردناک ہے، یا کوئی آہِ سوزناک، یا فغان دلدوز ہے'' جو کچھ بھی ہے اسے ورطۂ تحریر میں لایئے اور اپنے اہل وطن اور اہل عالم کو پیش کر دیجئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ملک مقبول احمد کی جانب سے شائع کردہ سرگزشتِ زندگی کی اشاعت کا علم ہوا تو بے حد خوشی ہوئی، اکثر احباب نے کہا ہے کسی پبلشر کی یہ پہلی کاوش ہے۔ اندریں حالات یہ دعویٰ حقیقت ہی نظر آتا ہے۔ اس سے قبل شاید ہی کسی پبلشر نے خود کوئی کتاب

Marfat.com

لکھی ہو۔ منشی نول کشور ہندوستان کا مشہور و معروف پبلشر تھا لیکن اس کی کوئی اپنی تحریر نہیں ملتی۔ بہر حال ملک مقبول احمد صاحب نے ''رسمِ تازہ'' یا پھر ''رسمِ نو'' کی طرح ڈال دی ہے اور اب یقیناً دیگر پبلشر حضرات کو بھی ترغیب ملے گی۔ کسی نے خوب کہا تھا۔

ع ماطرح نوا فگندہ ایم کہ جدّت پسند افتادہ ایم

یعنی ''ہم نے نئی طرح ڈال دی ہے کیونکہ ہم جدّت پسند واقع ہوئے ہیں۔'' اپنی کتاب بانگ درا میں مفکرِ اسلام علامہ اقبالؒ نے ایک جگہ فرمایا ہے۔

بیا تا گل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم

فلک را سقف بشگافیم و طرح دیگر اندازیم

یعنی آیئے! پھول بکھیریں اور پیالہ میں شراب انڈیلیں حتیٰ کہ آسمان کی چھت اکھاڑ ڈالیں اور ''طرحِ دیگر'' یا ''طرحِ نو'' ڈالیں۔

ع براہ دیگراں رفتن عذاب است

علامہ اقبالؒ کے فلسفہ حیات کا ماحصل یہی ہے کہ انسان کوئی نیا کام کرے کوئی جدّت پیدا کرتے لیکن دوسروں کی راہ پر نہ چلے۔ محترم ملک مقبول احمد نے آغازِ کتاب ہی میں شہرہ آفاق فلسفی ژاں ژاک روسو کی آپ بیتی کا ایک اقتباس دے کر اس حقیقت کی جانب اشارہ کر دیا ہے کہ

''میں نے ایسے کام کا آغاز کیا ہے جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا''۔

یہ امر حیرت انگیز حد تک مسرت اور طمانیت کا باعث ہے کہ ڈاکٹر صفدر محمود، علی سفیان آفاقی، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر طارق عزیز، ڈاکٹر وحید قریشی، اے حمید، شعیب بن عزیز، طارق اسمٰعیل ساگر، سید واجد رضوی اور ڈاکٹر اللہ بخش ملک جیسے بلند پایہ ادباً و فضلاء اور شعراُ کی گراں قدر آراء اور تاثرات بھی کتاب میں شامل ہیں، جو ملک صاحب کی مقبولیت

Marfat.com

اور کتاب کی افادیت اور اہمیت میں اضافہ کا باعث بن رہے ہیں۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ جس کا ذکر ملک مقبول احمد نے اپنے پیش لفظ کے آخر میں کر دیا ہے کہ ایک ناشر کے ناطے انہیں زندگی میں بے شمار مُصنّفین سے واسطہ پڑتا رہا، ان کے متعلق انہوں نے پوری دیانت داری سے لکھا ہے..... ''اپنی کاروباری زندگی میں مجھے جو مراحل پیش آئے اور ان مراحل میں میرے ساتھ جو سلوک میرے کاروباری ساتھیوں، رشتہ داروں، دوستوں اور متعلقہ افسروں نے کیا، ان کا ذکر میں نے ''خیالِ خاطرِ احباب'' کے تحت نہیں کیا........ تاکہ ان آبگینوں کو ٹھیس نہ لگے'' یہ ملک صاحب کی عالی ظرفی اور وسیع القلبی ہے، ورنہ ممکن تھا کہ وہ دکھ دینے والے ان انسانوں کے روّیوں سے آگاہ کر کے نہ صرف اپنا غم ہلکا کر لیتے بلکہ ہمارے ایسے بہت سے لوگوں کو بھی آگاہ کر دیتے، جو ان کے شر سے بچ سکتے کیونکہ وہ اب تک ان کے خوفناک روّیوں سے آگاہ نہیں لیکن بعض وجوہات کی بناء پر انہیں معاشرے اور حکومت میں بلند و بالا مقام پر فائز دیکھتے ہیں تو ان کا احترام کرنے پر مجبور ہیں۔ ملک صاحب نے اللہ تعالیٰ کی صفت ستار العیوب کی روشنی میں بہر حال بہت اچھا کام کیا ہے کیونکہ ہمارے دین کی یہی روح ہے کہ اگر کوئی شخص دوسروں کے عیوب و نقائص پر پردہ ڈالتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں سے صرفِ نظر فرماتا ہے اور لوگوں میں اسے محترم رکھتا ہے۔

بہر کیف ملک مقبول احمد صاحب نے ''وکھری ٹائپ کے لوگ'' کے عنوان کے بعض اصحاب کے متعلق کچھ واقعات درج کر دیے ہیں، جن میں ان کے نام پوشیدہ رکھے گئے ہیں۔ یہی کافی ہے۔ اہل نظر کے لئے تہہ تک پہنچنا مشکل امر نہیں۔ کتاب کے اس باب کو پڑھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ اہل علم و ادب میں ایسے ''شاہکار'' لوگ بھی موجود ہیں۔

ملک صاحب نے اپنے انٹرویوز میں بعض دلچسپ واقعات پیش کیے ہیں، جنہیں پڑھ کر

Marfat.com

انسان حیران رہ جاتا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

کہ ایل ڈی اے کی لائبریری میں گزشتہ 15 برسوں کے دوران 501 روپے کی صرف 9 کتابیں خریدی گئیں جبکہ واسا نے اسی عرصہ میں کوئی کتاب ہی نہیں خریدی۔ یہ بات صوبائی وزیر نے وقفہ سوالات کے دوران صوبائی اسمبلی میں بتائی۔

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

بہرحال صوری اور معنوی ہر دو اعتبار سے کتاب ''سفر جاری ہے'' دلچسپ، معلومات افزاء، متنوع اور کارآمد کتاب ہے اور اہل ذوق کو مطالعہ کی دعوت دیتی ہے۔

ہفت روزہ ''مخزن اقبال'' لاہور

Marfat.com

جناب سید قاسم محمود

ادیب، مُصنّف، مدیر، مترجم، ناشر، علم دوست، کتاب پسند، ہمہ صفت موصوف، سید قاسم محمود (80) برس سے آگے نکل کر بھی ہمہ وقت فروغِ علم اور تالیف و تصنیف کتب میں مشغول رہتے ہیں۔

میٹریکولیشن مارچ 1947ء میں پنجاب یونیورسٹی سے صوبے میں اوّل رہ کر پاس کیا۔ وہ اپنی پوری زندگی علمی و ادبی اداروں سے وابستہ رہے۔ ان میں مکتبہ جامعہ اور ہمدرد دواخانہ دہلی، اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، مجلس زبان دفتری، حکومتِ پنجاب، مکتبہ جدید، فیروز سنز، نیشنل بک کونسل، اکادمی ادبیاتِ پاکستان، اقبال اکادمی اور قرآن اکیڈمی شامل ہیں۔ مستزاد یہ کہ وہ متعدد ادبی جرائد سے منسلک رہے۔ عالمگیر، ہمایوں، ادبِ لطیف، صادق، لیل و نہار، صحیفہ، کتاب، سیارہ ڈائجسٹ۔ صحافت سے بھی تعلق رہا اور روز نامہ زمیندار، روز نامہ خاتون، امروز اور نوائے وقت کے شعبہ ادارت سے وابستہ رہے۔ قاموس نگاری میں اُن کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ تقریباً تیس سال مسلسل ''حلقہ اربابِ ذوق'' کے سرگرم رُکن ہیں۔ جریدی کتب کی ایجاد اُن کا ایسا کارنامہ ہے، جسے دنیا بھر کے کتاب دوست ماہرین نے سراہا۔ انہوں نے ماہنامہ ''سائنس میگزین'' جاری کیا اور سائنس جرنلزم کی اشاعت میں ایک انقلاب برپا کیا۔ اپنے معیاری تراجم کے ذریعے انہوں نے مغربی کلاسیکی ادب کے شاہکار اُردو میں پیش کیے، اُن کی ادبی تخلیقات میں افسانوں کے دو مجموعے، ایک ناول اور ایک ناولٹ شامل ہیں۔ تصانیف کی فہرست طویل ہے، ''قائداعظم کا پیغام'' ایک لاکھ سے زیادہ کی تعداد میں شائع ہو چکا ہے۔ انہیں خود اس بات پر فخر ہے، کہ وہ ''مینارِ پاکستان'' کے ایڈیٹر ہیں۔ انہوں نے یادگار تختیوں کی تصنیف و تدوین اور نقش گری کا کام ''مینارِ پاکستان کمیٹی'' کے رُکن کی حیثیت سے انجام دیا۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا مضمون قاموس اور تاریخی نوعیت کا ہے جو شاہکار میگزین میں شائع ہوا۔

Marfat.com

سید قاسم محمود

منشی نول کشور سے ملک مقبول احمد تک

راہِ حق کا سالک ہی اتنی بڑی بات لکھ سکتا ہے کہ ''سفر جاری ہے'' اور راہِ حق صرف تصوّف کی صاف شفاف گلیوں ہی میں سے ہو کر نہیں گزرتی، کتابی دنیا کی ٹیڑھی میڑھی، میلی کچیلی گلیوں مین سے بھی ہو کر گزرتی ہے۔ سفر کے نامکمل ہونے کا احساس اور منزلِ مقصود تک پہنچنے کا عزم سالک ہی نہیں، ناشر بھی کرتا ہے، اور ناشر بھی سالک ہی ہوتا ہے۔

ملک مقبول احمد کی خودنوشت کے بارے میں ہم عصر دانش وروں نے اپنی رایوں اور اپنے تاثرات میں ملک صاحب کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ ڈاکٹر صفدر محمود، علی سفیان آفاقی، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر طارق عزیز، اے حمید، شعیب بن عزیز، طارق اسماعیل ساگر، سید واجد رضوی، ابوالامتیاز ع س مسلم، قاضی ذوالفقار احمد، قمر نقوی اور ڈاکٹر اللہ بخش ملک جیسے مشاہیرِ وقت نے ملک صاحب کی سادہ و نیک شخصیت، اُن کی بے لوث خدمات، اُن کے سادہ و پُرکار اسلوبِ نگارش کو جن مخلصانہ تاثرات و بیانات سے نوازا ہے، اُن میں راقم بھی شریک ہے۔ میرا بھی رشتہ اُن سے اُسی وقت سے قائم ہے، جب ''مقبول اکیڈمی'' نے شاہ عالمی کے ایک فلیٹ سے منفرد کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ مولانا ابو الکلام آزاد کی

Marfat.com

''آزادیٔ ہند''، تمدّنِ ہند،'' تمدن عرب''، سیرت ابن ہشام، اور'' عبرت نامہ اُندلس'' کے پہلے ایڈیشن کی پہلی پہلی کاپیاں اب تک میرے کتب خانے میں موجود ہیں، جو اُسی فلیٹ سے ملک صاحب ہی کے بدست خریدی گئی تھیں، بلکہ ''تمدّنِ عرب'' تو ملک صاحب نے ہدیۂ عطا کی تھی۔

لیکن میں'' سفر جاری ہے'' کو ایک اور ہی زاویے سے دیکھتا ہوں۔ ہمیشہ سے میری یہ آرزو رہی ہے کہ جس طرح ادب کے مؤرخین اردو ادب کی تاریخ مرتّب کرتے ہیں اور شاعروں اور نثر نگاروں کی خدمات کا عہد بہ عہد محاکمہ کرتے ہیں، اسی طرح اِن عظیم شاہکاروں کو زیورِ طبع سے آراستہ پیراستہ کر کے آئندہ نسلوں کے لیے بھی محفوظ کرنے والے ناشرین اور اُن کی فنی خدمات کی بھی تاریخ لکھی جائے۔ خلوت میں تخلیق کرنے والوں اور اُن کی تخلیقات کی سپاس گزاری کے ساتھ ساتھ، یقیناً اُن ناشرین کی جدو جہد کو بھی تسلیم کیا جانا چاہیے، جو جلوت میں ہر طرح کی مالی وانتظامی کٹھناؤں کے ساتھ یہ شاہ پارے پڑھنے والوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ عام طور پر ناشرین کو'' کاروباری'' سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ چلیے کاروبار ہی سہی، لیکن وہ لوگ نہ ہوتے تو کہاں کا غالب اور اقبال، پریم چند اور رتن ناتھ سرشار، منٹو اور انتظار حسین، یہ سب کہاں ہوتے۔ ان کا وجود و قیام ظاہر ہے کہ ناشرین کے دَم قدم سے ہے۔

چنانچہ راقم'' تاریخ اشاعتِ اردو'' کا عزم کیے ہوئے تھا کہ 1966ء میں ماہنامہ کتاب کی زمامِ ادارت میرے سپرد ہوئی۔ میں نے اس جریدے میں پہلی ترجیح کے طور پر اشاعتی اداروں کے بانی ناشرین کے انٹرویوز کا سلسلہ شروع کیا، جس میں خاص طور پر یہ سوالات پیشِ نظر ہوتے تھے:

ناشر بننے کا خیال کیوں آیا؟ کیسی کتابیں چھاپنے کا ارادہ کیا تھا؟ کیا

Marfat.com

مشکلات پیش آئیں؟ کیا کیا خدمات سرانجام دیں جو دوسرے ناشرین سے مختلف و منفرد ہیں؟ کیا کھویا، کیا پایا؟ لاہور کے تمام شیوخ یعنی شیخ غلام علی، شیخ برکت علی، شیخ محمد اشرف، شیخ مبارک علی، شیخ عبدالسلام، تمام چودھری حضرات مثلاً چودھری برکت علی، چودھری نذیر احمد (نیا ادارہ)، چودھری بشیر احمد و چودھری رشید احمد (مکتبہ جدید)، چودھری عبدالحمید (مکتبہ کارواں) تمام ملک حضرت مثلاً ملک دین محمد، ملک سراج دین، ملک مبارک علی (گوشۂ ادب) فیروز سنز کے چیئرمین ڈاکٹر اے وحید، قدیم ادارے ''دار الاشاعت پنجاب'' کے بارے میں سیّد امتیاز علی تاج سے انٹرویو، منشی نول کشور اور منشی محبوب الٰہی کی اشاعتی خدمات پر خصوصی مضامین، پھر کراچی کے ناشرین کے انٹرویو، مثلاً آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے جنرل سیکرٹری سیّد الطاف علیؔ بریلوی، اُردو اکیڈمی سندھ (علاؤ الدین خالد)، نفیس اکیڈمی (چودھری سلیم گاہندرہی)، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ دہلی کے بارے میں اُس کے سابق جنرل مینجر حامد علی خان سے انٹرویو، عصمت بک ڈپو، دہلی کے ضمن میں مولانا رازق الخیری اور صادق الخیری سے انٹرویو، قدیمی ادارے مکتبہ اسحاقیہ، جُونا مارکیٹ اور کارخانہ تجارت کتب نور محمد کے مالکان سے ملاقاتیں، اور میں بھول نہ جاؤں لاہور کے ''ویسٹ پاک پبلشنگ کمپنی'' کے سیّد برادران سے انٹرویوز، جو 1947ء تک ''نیو انڈیا پبلشنگ کمپنی'' کے نام سے رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اور عطر چند کپور اینڈ سنز جیسے بڑے ہندو ناشران کا مقابلہ کرتا رہا، حتیٰ کہ بعض متعصب ناشرین نے اُن کے پورے دفتر کو آگ لگادی، جس کی راکھ سے ''ویسٹ پاک پبلشنگ کمپنی'' پیدا ہوئی۔

اِن قدیمی اداروں کے ناشرین سے انٹرویوز اِسی مقصد سے کیے گئے تھے کہ بعد ازاں اُس مورخ و محقق کے کام آئیں گے جو برِ اعظم میں چھاپہ خانہ کے قیام 1801ء سے لے کر تا حال، دو صدیوں کی ہماری اشاعتی تاریخ مرتب کرنے

Marfat.com

نکلے گا۔ اِس نظر سے دیکھیے تو ملک مقبول احمد کی یہ خودنوشت مجوزہ یا مخیلہ تاریخ کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے، خصوصاً قیامِ پاکستان کے بعد کتب کی اشاعت اور تقسیم وفروخت کا منظر دکھانے کے لیے یہ کتاب مستقبل کے مؤرخ کے لیے ایک مفید اور کارآمد ماخذ کی حیثیت رکھے گی۔

میری رائے میں یہی اِس کتاب کی اوّلین خصوصیت ہے کہ یہ مستقبل میں کام آنے والی کتاب ہے۔ یہ بات کہ ادیب کی تخلیق یا مُصنّف کے کارنامے کو شائع کر کے، اُسے قارئین کے دروازے تک پہنچانے میں ناشر کو کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اور مشکلات ومصائب کے کیسے کیسے پہاڑ عبور کرنے پڑتے ہیں، ملک مقبول احمد کی ذات تک محدود نہیں ہے۔ اوپر میں نے جن ناشرین کے نام درج کیے ہیں، اُن کے انٹرویوز میں مصائب کو صبر وسکون سے جھیلنا قدرے مشترک ہے۔ ہر شخص نے محض کتاب دوستی کے نصب العین کے تحت معمولی رقم سے تجارت شروع کی اور اپنے معاصر مصنفین کی، یا پچھلے ادوار کی کلاسیکی کتابیں شائع کر کے اُن کو محفوظ کیا۔ اگر ملک مقبول احمد کے پاس ''تمدّنِ عرب'' کا کاغذ خریدنے کے لیے پیسے نہیں تھے اور وہ اپنے ہر رشتہ دار کے پاس ہاتھ پھیلائے پہنچے اور بالآخر کام آئے تو ملک اللہ داد، اس طرح کے واقعات ہر ناشر کو پیش آتے ہیں۔ یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے۔ اِس لحاظ سے بھی یہ کتاب ''سفر جاری ہے'' ہمارے پورے اشاعتی اثاثے کا حصّہ ہے، اور مجموعی طور پر ناشرین کو جن دقتوں اور مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اُن کی تصدیق کرنے والی ہے۔

ناشرین کی آپ بیتیاں اور بھی بہت سی ہوں گی۔ کھوج لگانے کی ضرورت ہے۔ میں نے اب تک تین آپ بیتیاں پڑھی ہیں۔ فیروز سنز کے بانی مولوی فیروز دین کی ''جہادِ زندگی''، جس میں قیامِ پاکستان سے پہلے کے اشاعتی حالات کی جھلکیاں

Marfat.com

موجود ہیں۔ دوسری ''ویلکم بک پورٹ'' کے ڈائریکٹر قیصر زیدی صاحب کی آپ بیتی ''   ''۔ یہ اگرچہ زیادہ تر ایک کتاب فروش کی آپ بیتی ہے، لیکن چونکہ کتاب فروشی اشاعتِ کتاب کی چھوٹی بہن ہے، لہذا اِس آپ بیتی میں اشاعتی دنیا کے کافی حوالے موجود ہیں۔ تیسری، یہ ملک مقبول احمد کی ''سفر جاری ہے'' یہ اِس لحاظ سے دوسریوں سے زیادہ اہم ہے کہ یہ خالص ایک ناشر کی خودنوشت ہے اور ملک صاحب نے ناشر ہی کی آنکھ سے حالات کو دیکھا پرکھا اور چشم دید واقعات کو ناشر ہی کے قلم سے لکھا ہے۔

''سفر جاری ہے'' کا عنوان بتا رہا ہے کہ ملک صاحب کو سفر کے نامکمل ہونے کا احساس ہے۔ اکثر ادارے ہمارے ہاں اپنے بانی کی وفات کے ساتھ ہی انتقال فرما جاتے ہیں۔ ہمارے اداروں میں ''ون مین شو'' کا مظاہرہ زیادہ ہوتا ہے اور جمہوریت کی طرح دوسری اور تیسری صف بندی نہیں کی جاتی۔ جو ادارے نسل ''بعد نسلاً'' قائم رہتے ہیں، (جیسے فیروزسنز)، اُن کی طُول عمری کی وجہ جمہوریت اور مستقبل کی صف بندی ہے۔ ملک مقبول احمد کے دل و دماغ پر اپنی رُوحانی اولاد ''مقبول اکیڈمی'' کی دوامی زندگی کا خیال طاری رہنے لگا ہے۔ انھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ بیٹوں اور داماد نے ''مقبول اکیڈمی'' اور اِس کے دوسرے شعبوں اور یُونٹوں کو کامیابی اور استقامت سے سنبھال لیا ہے، پھر بھی وہ سوچتے ہیں کہ آگے کیا ہوگا۔ قدرتاً اُن کی نظر پوتوں پوتیوں اور نواسوں، نواسیوں پر جا کر ٹکتی ہے۔ چنانچہ اس کتاب کا دوصفحاتی ''پیش لفظ'' اپنی تیسری نسل کے انھی ننھے منے افراد کے محبت بھرے ذکر پر استوار ہے، لکھتے ہیں: ''دادا کو پوتا اپنے بیٹے سے پیارا ہوتا ہے''

''میرا پوتا بابر مقبول میرا بہت اچھا دوست ہے۔ خُدا اُسے خوش رکھے، وہ میری زندگی سے خاصی دلچسپی رکھتا ہے۔ وہ کتابوں کے کاروبار سے بھی متاثر ہے اور

Marfat.com

پوچھتا ہے کہ میں نے کتابیں شائع کرنے کا کام کب شروع کیا؟ یہ کام کرنے کا خیال میرے ذہن میں کیسے آیا؟ ''چودھویں صدی'' کے نام سے میگزین نکالنے کا خیال کس طرح آیا؟''

سو یہ کتاب ''سفر جاری ہے'' ملک مقبول احمد نے اس لیے لکھی ہے کہ بابر مقبول جلد بڑا ہو اور اپنے دادا کی آپ بیتی کی روشنی میں ''مقبول اکیڈمی'' کا نام چہار دانگ عالم میں مشہور کرے اور صدقے میں باپ دادا کا نام بھی ۔ یہ ہے، زیرِ نظر کتاب لکھنے کا اصل مقصد، یعنی زمانے کا استمرار، ''مقبول اکیڈمی'' کا دوام ۔۔ اگر ہمیں اپنے ایک دوست کی لکھی ہوئی اچھی اور دلچسپ کتاب پڑھنے کو ملی اور یہ کتاب چھپ کر کتابوں کی اشاعتی تاریخ کا ایک حصہ بن گئی تو یہ اس کے ذیلی فوائد ہیں ۔ اصل مقصد جو ملک صاحب نے اپنے دل کی تہوں میں چھپا کر رکھا ہے، وہی ہے کہ بابر مقبول اور اُس کے بھائی بہن ''مقبول اکیڈمی'' کی راسیں سنبھالنے کی تیاری کریں ۔

ماہنامہ شاہکار میگزین

جون، جولائی 2007ء

Marfat.com

جناب ڈاکٹر سید معراج نیّر

ڈاکٹر سید معراج نیّر اردو کے ادیب، محقق اور نقاد ہیں معلّمی ان کا پیشہ ہے اور اس پیشے کو انہوں نے اپنی محنت سے باوقار بنا دیا ہے۔ معراج نیّر 25 دسمبر 1944ء کو پیلی بھیت میں پیدا ہوئے ۔ ان کا خاندان تشکیل پاکستان کے بعد ہجرت کر کے لاہور آ گیا تھا۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے بی اے (آنرز) کیا۔ لسانیات میں ایم اے کی ڈگری لی۔ انہیں بابائے اردو مولوی عبدالحق پر پی ایچ ڈی کا پہلا مقالہ لکھنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ یہ مقالہ تائید و اختلاف کی منزلوں سے گزر چکا ہے اور اب بابائے اردو پر ایک معتبر مقالہ شمار ہوتا ہے۔

سید معراج نیّر نے 1947 میں محکمہ تعلیمات پنجاب سے عملی زندگی کا آغاز بطور لیکچرار کیا۔ اور مختلف مدارج طے کرتے ہوئے ایسوسی ایٹ پروفیسر کے عہدے پر پہنچ کر 2004ء میں ریٹائر ہو گئے ۔ اس دوران انہوں نے امریکہ، برطانیہ، شام، عراق، ایران، سعودی عرب اور افغانستان کی سیاحت بھی کی ۔ ان کے مضامین ملک کے ممتاز ادبی رسائل میں چھپتے ہیں تاہم ان کا خصوصی شعبہ تحقیق و تنقید ہے۔ اب تک ان کی دو درجن سے زائد ادبی کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن سے ایم اے اور ایم فل کے طلبہ استفادہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سید معراج نیر ان دنوں اپنی خودنوشت سوانح عمری ''خیمہ افلاک کے نیچے'' لکھ رہے ہیں۔ ان کا سفرنامہ بھی زیر تالیف ہے۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا مضمون کتاب اور مصنف دونوں سے ان کی محبت کو ظاہر کرتا ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر سید معراج نیّر

ملک مقبول کی محبتوں کا ''سفر جاری ہے''
ایک منفرد آپ بیتی

اُردو ادب میں ''آپ بیتی'' لکھنے کا رواج معدوم حد تک کم ہے لیکن جو آپ بیتیاں لکھی گئیں، وہ بہت خوب ہیں۔ پچھلے چند برسوں میں ''خاک کے پردے'' از پروفیسر آغا سہیل، ''نشانِ جگر سوختہ'' از ڈاکٹر سلیم اختر اور اب تازہ ترین جنوری 2007ء کی طبع شدہ ملک مقبول احمد کی آپ بیتی ''سفر جاری ہے'' امسال ادبی تحفہ سے کم نہیں۔

''خاک کے پردے'' اور ''نشانِ جگر سوختہ'' دونوں منجھے ہوئے ادیبوں کی آپ بیتیاں ہیں، جن میں ان کا مخصوص اُسلوبِ نگارش شامل ہے۔ جبکہ ''سفر جاری ہے'' رواں، سیدھی سادی اور بے تکلف ایک ایسی تحریر ہے جو ایک ایسے ناشر و تاجر کتب کی آپ بیتی ہے۔ جس نے اپنے سفر میں بعض ان احباب اور مصنفین و شعراء کو بھی شریک سفر کر لیا ہے جن سے کسی نہ کسی انداز سے تعلقِ خاطر قائم ہوا اور آپ بیتی کا ایک بڑا حصہ (صفحہ 177 تا 455) ان ہی احباب کے تذکروں و تبصروں پر مشتمل ہے اور بقیہ (صفحہ 55 تا 176) صفحات ملک مقبول احمد کی بے تکلف زبان میں ان کے نجی احوال پر مشتمل ہے۔

Marfat.com

ملک مقبول احمد (بانی مقبول اکیڈمی لاہور) نے اپنے بچپن کا ذکر سادگی کے باوجود بڑی دلکشی سے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''ہمارے گھر کے صحن میں ایک پانی کی کھوئی (چاہ) تھی۔ اس سے محلے بھر کی لڑکیاں پانی بھرنے آتی تھیں۔ اُس وقت میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ نوجوان لڑکیاں مسجد کے کنویں سے پانی بھرنے کیوں نہیں جاتیں؟ یہ بھی دیکھتا تھا کہ یہ لڑکیاں لڑکوں کے درمیان جانا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔ اس کی وجہ اُس وقت میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ تاہم میری خواہش ہوتی کہ یہ لڑکیاں دوستوں کی طرح ہمارے ساتھ مل کر لکن میٹی کھیلیں اور ہماری طرح دھینگا مشتی کریں۔

جب شعور کی آنکھ کھلی، عمر بڑھنے لگی اور سکول میں داخل ہو جانے کے بعد مجھ پر کچھ اسرار کھلنے لگے لیکن ان میں سکول کی تعلیم کا کوئی عمل دخل نہ تھا بلکہ دوستوں، ہم جماعتوں، ہم مکتبوں اور گلی محلے کے جن بچوں کے ساتھ میں اٹھنے بیٹھنے لگا تھا انہوں نے غیر رسمی تعلیم کے ذریعے مجھے بہت سی ایسی باتوں سے آگاہ کر دیا حتیٰ کہ مجھے سکول کی رسمی تعلیم ہیچ نظر آنے لگی۔''

(''سفر جاری ہے'' ص ۵۶)

اسی طرح:

''شادی بیاہ پر خدمت کرنے اور مرگ وغیرہ پر مختلف کاموں کے علاوہ صفیں بچھانے والے بابا خیرو کی لڑکی شمی مجھے بہت اچھی لگتی تھی۔ میرا دل چاہتا تھا کہ وہ میری آنکھوں کے سامنے رہے۔ آنے

Marfat.com

بہانے اس کو دیکھنے کی خاطر اُس کے گھر کے قریب سے گزرتا اور وہ
مجھے نظر آ ہی جاتی۔ ایسے لگتا جیسے وہ بھی مجھے دیکھنا پسند کرتی ہے۔ شمی
اپنے بچپن ہی میں چند دن نزلہ، زکام، کھانسی اور بخار میں مبتلا رہ کر
انتقال کر گئی۔ اُس کی ماں اور بہنوں نے رو رو کر بُرا حال کر لیا۔
اُس کی میت کو سفید کفن میں لپیٹ کر قبرستان میں دفن کرنے کے لیے
لے گئے میں بھی جنازے کے ساتھ گیا۔ میں بچہ تھا لیکن مجھے بڑا دکھ
ہوا کہ شمی مجھ سے یکایک کیوں بچھڑ گئی ہے؟ میں درد کی میٹھی میٹھی آنچ
شناخت نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اُس کی موت کو عرصہ تک محسوس کرتا رہا
شاید یہی محبت کی آنچ تھی۔''

(''سفر جاری ہے'' ص ۵۷)

اور غالباً اسی اندازِ تحریر کی بنا پر اے حمید نے ملک مقبول احمد کو ''ایک رومان پرور ادیب'' قرار دیا ہے۔ بچپن کی یادوں کی اوٹ میں چھپی ہوئی رومان پروری ملک مقبول احمد کی یاد کے دھاگوں کی گچھی کا ابتدائی سرا ہے اور جوں جوں ہم ان کی ''آپ بیتی'' کی ورق گردانی کرتے چلے جائیں تو یہی رومان پروری، محبت پھر انسیت اور بالآخر بڑھاپے کی دہلیز پر سنجیدگی کا دامن پکڑ لیتی ہے۔ اس کا ایک پرتو دیکھنا ہو تو ''پیش لفظ'' کی تحریر پیشِ خدمت ہے۔ ملک مقبول احمد تحریر کرتے ہیں:

''میں پوتے پوتیوں کے ساتھ ساتھ نواسیوں کی محبت کا بھی اسیر
ہوں۔ میری اہلیہ کا بھی یہی حال ہے۔ لیکن بات صرف اپنی کر رہا
ہوں۔ میرا پوتا بابر مقبول میرا بہت اچھا دوست ہے۔ جب بھی
میری اور اس کی ملاقات ہوتی ہے تو سب سے پہلے پوچھتا ہے

Marfat.com

''دادا ابو لائف سیٹ ہے'' خدا اسے خوش رکھے وہ میری زندگی سے خاصی دلچسپی رکھتا ہے۔''

(''سفر جاری ہے'' ص ۹)

بچپن کی رومان پرور زندگی کے بعد کہن سالی میں اپنی زندگی میں دوسروں اور بالخصوص آل اولاد کی دلچسپی ایک گوناں گوں مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ چنانچہ ملک مقبول احمد کی آپ بیتی کے اس پیش لفظ میں وہ نفسیاتی جذبہ مندرجہ بالا حوالے پر صادر آتا ہے۔

ملک مقبول احمد نے اپنی آپ بیتی میں اپنے گاؤں کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ وہ گاؤں جہاں اُن کی یادوں کے ساتھ ان کے عزیز و اقارب بھی دفن ہیں۔ ملک مقبول احمد تحریر کرتے ہیں:

''ہمارا گھر تحصیل پسرور کے بڑے مشہور قصبے ظفر وال کی سمت جانے والی کچی سڑک (اب پکی بن چکی ہے) کے اوپر واقع تھا۔ گھر اور سڑک کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہ تھی اور دور تک کھلا منظر تھا جو فصلوں کے رنگوں ہی سے بدلتا تھا۔ میں دور کشمیری ریاست کی سرحد تک کا نظارہ بھی اپنے چوبارے کی چھت سے کیا کرتا تھا۔ اونچی جگہ بیٹھنا اور اُفق میں گھورنا میری ایک دل پسند عادت تھی۔

سحری کے وقت اٹھ کر چکی پیسنا اور اوکھلی میں چاول چھڑنا اور صبح کو بھینس کو بھوسا ڈال کر دودھ نکالنا یہ سارے کام میری ماں خود کرتی رہی''

(''سفر جاری ہے'' ص ۶۰)

بچپن میں بٹیروں کا شکار، زنانی مجلس عزاء میں شرکت پر تھپڑ کھانا، سرخ

Marfat.com

آندھی آنا، گاؤں کا ساون 1947ء کی یادیں، میلے میں شرکت، میاں محمد بخش کی سیف الملوک دلکش انداز سے پڑھنا، رسمی اور غیر رسمی تعلیم کا حصول، شرارتوں پر پٹائی کھانا اور پٹواری گیری کے بجائے معلمی کے پیشے سے منسلک ہونا۔ ازدواجی زندگی کے بندھن۔ زراعت کا ناکام تجربہ، لاہور سے بطور مدیر و مالک ''چودھویں صدی'' صحافت کا آغاز، بطور ناشر کتب کے تجربات کیا کچھ نہیں ہے۔ جو ملک مقبول احمد کی آپ بیتی ''سفر جاری ہے'' کا عنوان نہیں۔ ملک مقبول احمد اپنی عملی زندگی کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

> ''مقبول اکیڈمی'' قائم کرنے کے بعد میں نے زندگی کی ایک بڑی شاہراہ پر قدم رکھ دیا تھا۔ اس شاہراہ پر چلتے چلتے بڑے کٹھن مقامات آئے۔ مجھے کئی حوصلہ شکن مراحل سے گزرنا پڑا لیکن میں نے ہمت نہ ہاری، خود اعتمادی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ہر مشکل کا تعین اور حوصلے سے مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھتے ہوئے سفر جاری رکھا۔''
>
> (''سفر جاری ہے'' ص ۱۱۷)

اور اس سفر میں ملک مقبول احمد کو اُردو ادب کے مایہ ناز اہل تخلیق سے واسطہ پڑا سمجھنے اور پرکھنے کا موقع میسر آیا۔

رئیس احمد جعفری سے ''مقبول اکیڈمی'' کی وجہ سے پہلی ملاقات ہوئی اور ابو الکلام آزاد کی آپ بیتی '' آزادیٔ ہند'' کا ترجمہ کا اعزاز نصیب ہوا۔ انہی دنوں انہوں نے احسان دانش سے پانچ سو روپیہ کی خطیر رقم میں ''تمدّن عرب'' کا نسخہ خرید کر شائع کیا، تمدّنِ عرب کے بعد ''تمدّنِ ہند'' عبرت نامہ اندلس اور سیرت ابن ہشام شائع کی اور بعد ازاں چند تاریخی ناولوں کو زیورِ طباعت سے

Marfat.com

مزّین کیا۔

ملک مقبول احمد نے اپنی اس آپ بیتی میں ''چند مصنفین'' کا ذکر بھی بڑی محبت سے کیا ہے اور ان کا تعلق بھی کسی نہ کسی طرح مقبول احمد اور ''مقبول اکیڈمی'' سے استوار ہوا۔ ان میں رئیس احمد جعفری، احسان دانش، محمد احسان الحق سلیمانی، میرزا ادیب، اے حمید، ڈاکٹر طارق عزیز، ڈاکٹر انور سدید، علی سفیان آفاقی، طارق اسمٰعیل ساگر، حفیظ تائب، ڈاکٹر صفدر محمود، شعیب بن عزیز، امجد اسلام امجد، ڈاکٹر وحید قریشی، مولانا حامد علی خان، سید قاسم محمود، عبدالعزیز خالد، ڈاکٹر علی محمد خان، اظہر جاوید، ظفر علی راجا، قمر نقوی نقشبندی، ڈاکٹر اللہ بخش ملک، راجا رشید محمود، قاضی ذوالفقار احمد، رحمان مذنب، ساغر صدیقی، ناصر نقوی، ڈاکٹر مسکین علی حجازی، پروفیسر رفیع اللہ شہاب، ڈاکٹر ایم ایس ناز، حمید کاشمیری، زاہد حسین انجم، اختر شمار، پروفیسر عبدالعلیم صدیقی، اعتبار ساجد، منصور احمد بٹ، پروفیسر عثمان علی، ستار طاہر، خالد محمود، پروفیسر رشید احمد گوریجہ، ایم۔ اسلم، ایم۔ اے۔ راحت، عشرت رحمانی، یونس ادیب، بلقیس ریاض، ثریا خورشید، ادا جعفری، سلمٰی اعوان، عذرا اصغر، شبانہ یونس، رضیہ فصیح احمد، نشاط فاطمہ و دیگر مصنفین و مترجمین شامل ہیں۔

بطور ناشر کتابوں کی ترسیل، تقسیم اور فروخت کے کٹھن منازل سے گزرنا بھی یقیناً ایک جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس منزل پر انہوں نے اپنے ایک کرم فرما بلیغ الدین جاوید کا ذکر بڑی محبت سے کیا ہے۔ ملک مقبول صاحب لکھتے ہیں:

''ٹینڈروں کے ذریعہ آرڈر حاصل کرنا اچھا خاصا مصروفیت کا کام تھا لیکن کتب کی اشاعت کی طرح اس کے بھی چند اقدامات تھے، جن کی تکمیل کے لیے تجربہ ضروری تھا۔ اس کام کے لیے میں

Marfat.com

نے ایک پڑھے لکھے دوست بلیغ الدین جاوید کی خدمات حاصل کیں۔ وہ صاف گو جرأت منداور دلیر انسان تھا۔''

(''سفر جاری ہے''ص ۱۳۰)

ملک مقبول احمد کو جہاں خالق کائنات نے دیگر نعمتوں سے نوازا ہے، وہاں انہیں سعادتِ حج وعمرے سے بھی محروم نہیں رکھا۔ وہ اس لمحہ سعادت کو اس طرح رقم کرتے ہیں:

''یہ گنہگار بندہ رب کعبہ کے حضور پہنچ چکا تھا اور اپنی قسمت پر فخر کر رہا تھا۔ دعا سے فارغ ہو کر مقامِ ابراہیم کے پاس آکر دو رکعت نماز واجب طواف ادا کی اور نیچے اتر کر کنویں پر تین سانسوں میں پیٹ بھر کر آبِ زم زم پیا۔ اب میرا شوقِ فراواں مجھے صفا کی طرف لے جا رہا تھا''

(''سفر جاری ہے''ص ۱۵۱)

''حج کا فریضہ ادا کرنے کے بعد دل گنبد خضرا کی زیارت کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔ آخر وہ دن بھی آگیا کہ ہم مدینہ منوّرہ کی جانب روانہ تھے۔ میرا یہ سفر بڑا جذباتی تھا۔ میں اپنی زندگی کے مقدّس ترین سفر کی تکمیل کر رہا تھا۔''

(''سفر جاری ہے''ص ۱۵۶)

ملک مقبول احمد ان درویشوں میں شامل ہیں، جو صدا لگاتے ہیں'' جو دے اس کا بھی بھلا جو نہ دے اس کا بھی بھلا'' میرے اس قول کا اندازہ آپ اس'' آپ بیتی'' کے اُس اقتباس سے لگا سکتے ہیں جس میں ملک مقبول احمد حرفِ تشکّر میں رقم طراز ہیں:

Marfat.com

''میرا اشاعتی کام کئی سالوں پر پھیلا ہوا ہے۔اس دوران میں مجھے بہت سے نامور ادیبوں، دانشوروں اور عظیم شخصیات سے شرفِ نیاز حاصل ہوا۔ کچھ کرم فرماؤں نے اپنے رشحاتِ قلم مجھے اشاعت کے لیے دیے لیکن بعض احباب نے مجھے اس خدمت کے قابل نہیں سمجھا لیکن، میرا ان سے تعلق خاطر قائم رہا اور میں نے نیاز مندی کے سلسلے کو کبھی ٹوٹنے نہ دیا''

(''سفر جاری ہے''ص ۲۱۰)

ملک مقبول احمد کی محبتوں کا ''سفر جاری ہے'' خدا تادیر ان کے سفر کو رواں دواں رکھے (آمین)

Marfat.com

جناب سید عبدالواجد رضوی

سید عبدالواجد رضوی کو سیرت رسولؐ پر دو کتابیں لکھنے کا شرف حاصل ہے۔ یہ کتابیں انہوں نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کی عقیدت اور اپنی روح کی سرشاری کے لیے لکھی تھیں۔ اس لیے زمانہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور انہیں دو گولڈ میڈل پیش کیے۔

جناب عبدالواجد رضوی 26 دسمبر 1926 کو حیدر آباد دکن میں پیدا ہوائے۔ بی اے ایل ایل بی کا امتحان عثمانیہ یونیورسٹی سے پاس کیا اور قانون کے شعبے کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ آزادی کے بعد وہ ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور ایبٹ آباد میں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ انہوں نے سعودی عرب اور چین کی سیاحت بھی کی ہے۔ حکومت چین نے انہیں مہمان کی حیثیت میں مدعو کیا تھا۔ وکالت کے شعبے سے ان کی مستقل وابستگی ہے۔ کچھ عرصہ انہوں نے تحریکِ استقلال میں سیکرٹری جنرل کی خدمات انجام دیں۔ آپ ایبٹ آباد میں ادارہ اتحاد ملی پاکستان، بزم علم وفن پاکستان روٹری کلب کے صدر اور ایلاف کلب کے نائب صدر ہیں۔ انہوں نے اپنے شہر میں سیّدہ ظہیر النساء ایجوکیشن ٹرسٹ، سید واجد رضوی پان اسلامک ٹرسٹ اور فری میڈیکل اینڈ لیگل ایڈ ٹرسٹ کی بنیاد رکھی۔ سید واجد رضوی کی 15 کتابیں مقبول اکیڈمی سے چھپ چکی ہیں۔ ان میں ''رسولؐ میدان جنگ میں۔'' ''زوالِ ملت ونشاۃ ثانیہ''، ''احسن طرز حکمرانی''، ''ذوقِ جہاد''، ''پیغمبر رحمتؐ''، ''نظریہ پاکستان کو قبول عام حاصل ہوا۔ سید واجد رضوی اردو اور انگریزی دونوں زبانوں کے مصنف ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا تبصرہ تخلیقی نوعیت کا قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ تبصرہ ممتاز مدیر اظہر جاوید نے اپنے ادبی رسالہ ''تخلیق'' میں شائع کیا تھا۔

Marfat.com

سید عبدالواجد رضوی

''سفر جاری ہے''

ملک مقبول احمد، کتاب کے آئینے میں

کلام الملوک، ملوک الکلام

یہ بات 1986ء کی ہے۔ اُس وقت کے ادارہ قومی زبان کے چیئرمین پروفیسر پریشان خٹک نے ایک سیمینار کا انتظام کیا تھا۔ پاکستان بھر سے تقریباً چالیس ادیبوں اور دانشوروں کو دعوت دی تھی۔ اسلام آباد ہوٹل، اسلام آباد میں مہمانوں کے قیام اور سیمینار کے انعقاد کا انتظام کیا گیا تھا۔ مہمانِ خصوصی صوبہ سرحد کے معروف ادیب اور دانشور پروفیسر کاکا خیل تھے۔

سیمینار کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ مہمانوں کے تعارف کے بعد سب سے پہلے مہمانِ خصوصی کو دعوتِ اظہار فکر دی گئی۔ خطیب نے گفتگو کیا شروع کی کہ سارے ہال پر خاموشی چھا گئی۔ ایسا لگتا تھا کہ خطابت کے سحر نے نور کی ایک چادر حاضرین کے سر پر پھیلا دی ہے۔ الفاظ کے چناؤ، جملوں کی بندش، فکر کی گہرائی، طرزِ استدلال کی جدّت، زبان کی چاشنی، فصاحت اور بلاغت نے لوگوں پر جادو کر دیا ہے!

Marfat.com

اس کے بعد پاکستان کے ایک نامور ادیب اور دانشور سے جلسے سے خطاب کرنے کے لیے درخواست کی گئی۔ صاحب موصوف نے پروفیسر کاکاخیل کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ''کلام الملوک ملوک الکلام'' آپ کے خطاب کے بعد ہال میں موجود کوئی بھی ادیب اپنا مقالہ پیش کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا۔ انہوں نے اپنا مقالہ لپیٹ لیا اور تالیوں کی گونج میں سٹیج سے اتر گئے اور جلسہ برخاست ہوگیا۔

یہاں پہنچتے ہی میرا قلم بھی رُک گیا۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ ملک مقبول احمد کی کتاب ''سفر جاری ہے'' پر میں کیا تبصرہ کر سکتا ہوں؟ یہ کتاب بھی تو ''کلام الملوک ملوک الکلام'' ہے۔ اسی کشمکش میں کئی دن گزر گئے۔ پھر یکا یک ایسا ہوا کہ ملک صاحب کی ذات سے عقیدت اور محبت غالب آ گئی اور میرا قلم رواں ہوگیا۔! اس سفر میں ملک صاحب کو کبھی بارگاہِ ایزدی میں دیکھا' کبھی بارگاہ رسالت مآب ﷺ 'میں کبھی عشق کے کارزار میں، کبھی رزم گاہِ حیات میں اور کبھی حلقۂ یاراں میں اُن کا نظارہ کرتا رہا اور میری نگاہیں چکا چوند ہوتی رہیں!

ملک صاحب بارگاہِ ایزدی میں!

ملک صاحب سچے موّحد ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ''لا الہٰ'' بے پناہ قوت کا حامل ہے۔ برق کی اس میں تیزی اور جوہر کی توانائی ہے۔ لا الہٰ پر ملک صاحب کا ایمان اُن کی ساری زندگی میں جلوہ گر ہے۔ رضائے الٰہی اُن کا مقصدِ حیات اور اُن کا ضمیر اطاعت رسول ﷺ کا آئینہ دار ہے۔

؎ غلامم جز رضائے تو نہ جویم۔ جز آں راہے کہ فرمودی نہ پویم۔

اے خدا میں تیرا غلام ہوں۔ تیرے احکام کا پابند ہوں اور تیری ہی خوشنودی کا آرزومند ہوں!

Marfat.com

ملک صاحب فرماتے ہیں کہ:

''میں اپنے بچپن میں ایک نعت بڑے شوق سے سنا کرتا تھا

''میرے مولا بلا لو مدینے مجھے''

اور نعت خواں کے عقب میں لگی ہوئی ''تصویروں پر میری نظر دیر تک جمی رہتی تھی۔ ایک تصویر مکہ معظمہ کی تھی اور دوسری مدینہ منورہ کی تھی۔ جب بڑا ہوا تو یوں محسوس ہوا یہ تصویریں میرے دل میں آویزاں ہیں اور حج کی خواہش روز افزوں ہے۔''

لیکن غالب کے الفاظ میں کہتے ہیں:

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

لیکن یہ گنہگار بندہ رب کعبہ کے حضور میں پہنچ چکا تھا اور اپنی قسمت پر فخر کر رہا تھا''

ملک صاحب بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں

ملک صاحب کا ضمیر رسولِ مقبول ﷺ کے جلوۂ تاباں سے روشن ہے، جو سینۂ فطرت سے ہویدا ہوا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ حضور ﷺ کی نگاہوں نے رازِ ہستی کو ملک صاحب کے شعور پر منعکس کر دیا ہے۔ ملک صاحب جانتے ہیں کہ ذاتِ محمدی ﷺ رحمت کی ایک گھٹا تھی جو خشک آسمانوں پر پھیل گئی اور تپتی ہوئی انسانیت پر برس کر سبزہ و گل کی افزائش کا سبب بنی یا نور کی ایک کرن تھی، جو اندھیروں کو چیرتی ہوئی دنیا کے پردے پر آپڑی اور ایک عالم کو منور کر گئی یا روشنی کا ایک مینار تھی جو طوفان خیز سمندروں سے ابھری اور تاریک فضاؤں میں بلند ہو کر انسانیت کے سفینے

Marfat.com

کونشانِ راہ دکھانے لگی۔ صدیاں گزر گئیں لیکن روشنی کا یہ مینار اپنی جگہ موجود ہے اور یہ سراجِ منیر پوری تابنا کی کے ساتھ اپنی جگہ قائم ہے اور اس چراغ کے اطراف پروانوں کی گردش بھی بدستور موجود ہے۔ ان پروانوں میں لاہور کا ایک قلندر ملک مقبول احمد بھی شامل ہے!

ملک صاحب لکھتے ہیں:

''میرا دل مکہ معظمہ میں ہر وقت یاد کراتا کہ اے اللہ کے گنہگار بندے تجھے اذنِ حضوری نبی اکرم ﷺ نے عطا کیا ہے۔ حج کا فریضہ ادا کرنے کے بعد دل گنبدِ خضرا کی زیارت کے لیے بیتاب ہو رہا تھا۔ آخر وہ دن آ گیا کہ ہم مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو گئے تھے۔ میرا یہ سفر بڑا جذباتی تھا۔ میں اپنی زندگی کے مقدس ترین سفر کی تکمیل کر رہا تھا۔ راستہ بھر درود و سلام پڑھتا رہا اور مدینہ منورہ کی تصویر جو میں نے پاکستان میں دیکھی تھی، اپنے دل کی آنکھوں کے سامنے لاتا رہا آخر ہم مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ دور سے نظر گنبد خضرا پر پڑی۔ میں نے سلامِ حضوری پیش کیا۔''

مجھے یقین ہے کہ لاہور کے اس درویش کو اپنے سوزِ دروں اور چراغِ محمدیؐ کی لو سے وصل کی آرزو کی بدولت بارگاہِ رسالت مآب میں شرف قبولیت حاصل ہے جو بہت کم خوش نصیبوں کا مقدّر رہتا ہے!

بہ مصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

ملک صاحب عشق کے کارزار میں:

لیلیٰ و مجنوں کی محبت، شیریں اور فرہاد کی الفت اور انسانی سماج میں مرد اور

Marfat.com

عورت کی محبت کے روز مرہ واقعات بلا شبہ ''عشق'' کی تعریف میں شامل ہیں۔ کیونکہ عشق کی روح انسانی طبیعت میں شامل ہے۔اس کا ولولہ انسانی فطرت میں موجود ہے۔ یہ ایک حرکت پذیر جذبہ ہے۔ایک اضطراب انگیز وجدان ہے۔

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات عشق سے نارِ حیات

عشق کے اسی مضراب نے ملک صاحب کے نغمۂ تارِ حیات کو چھیڑا ہے اور بڑے دل نشیں نغموں کو جنم دیا ہے۔ ہوا یہ کہ ملک صاحب بابا خیرو کی بیٹی شمی کی زلف گرہ گیر کے بچپن ہی میں اسیر ہو گئے۔

آپ لکھتے ہیں کہ:

''شمی مجھے اچھی لگتی تھی میرا دِل چاہتا تھا کہ وہ ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے رہے۔آنے بہانے اس کو دیکھنے کی خاطر اُس کے گھر کے قریب سے گزرتا اور وہ مجھے نظر آ ہی جاتی۔ایسے لگتا جیسے وہ بھی مجھے پسند کرتی ہے۔شمی اپنے بچپن ہی میں چند دن نزلہ زکام، کھانسی اور بخار میں مبتلا رہ کر انتقال کر گئی۔اُس کی ماں اور بہنوں نے رو رو کر بُرا حال کر لیا۔اُس کی میّت کو سفید کفن میں لپیٹ کر دفن کرنے کے لیے قبرستان لے گئے۔ میں بھی جنازے کے ساتھ گیا۔ میں بچہ تھا۔اُس کی موت کو عرصے تک محسوس کرتا رہا۔لیکن مجھے بڑا دکھ ہوا کہ شمی مجھ سے یکا یک کیوں بچھڑ گئی ہے؟ میں درد کی میٹھی آنچ شناخت نہیں کر سکتا تھا۔لیکن اُس کی موت کو عرصے تک محسوس کرتا رہا۔شاید یہی محبت کی آنچ تھی۔''

تو نمی دانی ہنوز عشق بُرد زوصل
چیست حیاتِ دوام، سوختنِ ناتمام!

Marfat.com

رزم گاہِ حیات میں:

کشمکش اور جدو جہد کا شوق ملک صاحب کی فطرت کا جزو ہے اور اُن کی رفعتوں کی بنیاد ہے۔ ملک صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ میرے اندر بچپن کے دور ہی میں اُڑنے کی خواہش بادل بن کر آسمان پر چھا جانے کی آرزو بڑھ رہی تھی۔'' ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، یہی خواہش، یہی آرزو ملک صاحب کو شہرت اور نیک نامی کے آسمانوں پر پہنچانے کا سبب ہوئی ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

میرے پاس عزم تھا، ارادہ تھا اور اللہ کے فضل سے مشکلات سے ٹکرا جانے کی صلاحیت تھی'' ملک صاحب کی زندگی میں مشکلات کے کئی دور آئے تند اور طوفانی ہوائیں چلیں۔ لیکن ملک صاحب حوصلہ نہیں ہارے اور عقاب کی طرح جرأت اور ہمت سے خطرات کا مقابلہ کرتے رہے!

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اُڑانے کے لیے!

کتاب کے آغاز میں روسو کی آپ بیتی سے ایک اقتباس شامل کیا گیا ہے جس میں اُس نے لکھا ہے کہ:

''میں نے ہر وہ بات جو کہ قابل تعریف یا قابلِ اعتراض تھی، پوری آزادی اور سچائی سے بیان کی ہے۔ نہ میں نے کوئی جرم چھپایا ہے اور نہ ہی کسی خوبی کا اضافہ کیا ہے'' اُس نے دعویٰ کیا ہے کہ:

''میں نے ایسے کام کا آغاز کیا ہے، جو اس سے قبل کسی نے نہیں کیا۔ اور اس کام کی تکمیل کے بعد اس کی تقلید کرنا ناممکن ہوگا'' میں عرض کرتا ہوں کہ اگر آج روسو زندہ ہوتا تو ہم نہایت فخر کے ساتھ ملک صاحب کی سوانح حیات ''سفر جاری

Marfat.com

ہے'' اُس کو دکھاتے اور پوچھتے کہ کیا دنیا کے کسی اور شخص نے اس سے زیادہ حق گوئی اور بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے؟

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ملک صاحب شخصیت کی رفعتوں میں:

ملک صاحب کی زندگی بچپن کے رومان سے شروع ہو کر زندگی کی تلخیوں سے گزرتی ہوئی کامیابی اور کامرانی کی منزلیں طے کرتی ہوئی دنیا کے نامور اور معروف پبلشرز کی صفِ اوّل میں داخل ہوگئی، جہاں مارکوئس ہواز ہو Marquis who is who میں انسانیت کے لیئے قابلِ قدر خدمات کے اعتراف میں ملک مقبول احمد کا نام درج کرلیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب کا صفحہ 171)

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حلقۂ یاراں میں:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

ملک صاحب اپنے حلقۂ یاراں میں بہت معتبر اور ہر دلعزیز ہیں۔ آپ کی علمی، ادبی، اسلامی، ثقافتی خدمات کے سب معترف ہیں۔

جناب غلام جیلانی برق لکھتے ہیں:

''آپ کا (جناب ملک صاحب کا) شمار یقیناً ان لوگوں میں ہوتا ہے، جو اسلامی تہذیب، ثقافت اور علوم وفنون پر کتابیں شائع کر کے اسلام کی حیاتِ ثانیہ کو قریب سے قریب تر لا رہے ہیں''۔

جناب اے حمید رقمطراز ہیں کہ

Marfat.com

''آپ کی علالت کا سن کر تشویش ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مکمل صحت عطا فرمائے۔ آپ ہماری دوستی اور ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں''

جناب مشفق خواجہ اعتراف کرتے ہیں کہ:

''آپ اُردو زبان کی جو خدمت کر رہے ہیں، اُس کے لیے وہ تمام لوگ آپ کے شکر گزار ہیں، جو محض اردو زبان اور ادب سے دلچسپی رکھتے ہیں''۔

جناب میرزا ادیب لکھتے ہیں:

''اس وقت چند احباب کو نئے سال کی مبارک باد دینے کے لیے قلم ہاتھ میں لیا ہے اور آپ (ملک صاحب) میرے دل سے نکل کر میرے سامنے آ گئے ہیں''

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

محترم ملک صاحب کی کتاب کے حوالے سے کچھ تبصرہ کرنے کی میں نے کوشش کی ہے۔ لیکن میرا ضمیر کہتا ہے کہ یہ کوشش نا تمام ہے۔ ملک صاحب کی شخصیت اور ان کی کتاب کے ساتھ میں انصاف نہیں کر پایا ہوں۔ مجھے اس کا اعتراف ہے! اس تبصرے میں ملک صاحب کی زندگی کے روشن روشن گوشے آپ کے سامنے ہیں۔ اُن کے ذوقِ جستجو، شوقِ انقلاب، حوصلے کی بلندی، شخصیت کی رفعت اور فکر و نظر کی گہرائی کا آپ نے اندازہ کر لیا۔ آپ نے دیکھا کہ اس رہروِ شوق کا سفر جاری ہے۔ اللہ کرے یہ سفر تا دیر جاری رہے اور نوع انسانی کو نشانِ منزل دکھاتا رہے! آمین

؎ تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول!
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول!

ماہنامہ ''تخلیق'' لاہور

اپریل 2007ء

Marfat.com

محترمہ شبہ طراز

شاعر اصغر مہدی اور ناول و افسانہ نگار عذرا اصغر کے آنگن سے ایک ستارہ طلوع ہوا۔ جس نے مطلعِ ادب کو تابناک بنا دیا۔ اس کا نام شبہ طراز ہے۔ وہ اپنے والد اور ماں کے ادبی ورثے کو رسالہ ''تجدید نو'' کے وسیلے سے اور اپنی تخلیق کاری سے آگے بڑھا رہی ہیں۔

شبہ طراز نے ایم اے (اردو) کرنے کے بعد ڈی ، ایچ ، ایم ایس کا امتحان پاس کیا۔ مختصر کمپیوٹر کورسز کی تکمیل کی اور ٹیکسٹائل ڈیزائن میں ڈپلومہ حاصل کیا۔ وہ اپنا تخلیقی اظہار ادب اور مصوری میں کرتی ہیں۔ ادب کے حوالے سے انہوں نے نظم نگاری کے علاوہ ہائیکو اور ماہیے لکھ کر نام پیدا کیا۔ ''جگنو ہنستے ہیں'' ((ہائیکو اور ماہیے)۔ جھیل جھیل اداسی (نظمیں) ان کی شاعری کے مجموعے ہیں۔ ''درد کا لمس'' ان کے افسانوں کی کتاب ہے۔ ان تینوں کتابوں کی پذیرائی وسیع پیمانے پر ہوئی ہے۔ شبہ طراز نے متعدد کتابوں کے خوبصورت سرورق بھی مصور کیے ہیں۔ فیبرک پینٹنگ میں ان کی انفرادیت تسلیم کی جاتی ہے۔

شبہ طراز کی شخصیت کی ایک جہت رسالہ ''تجدید نو'' کی ادارت ہے۔ یہ کام وہ اپنی والدہ عذرا اصغر کی معاونت سے کرتی ہیں لیکن یہ کہنا بھی مناسب ہے کہ شبہ طراز کے تجدد نے اس رسالے کو اس دور کا نمائندہ رسالہ بنا دیا ہے۔ اس آغاز سے آپ ان کے شاندار مستقبل کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

تبصرہ نگاری ان کے رسالے کی ایک ضرورت ہے۔ شبہ طراز کتاب پڑھ کر تبصرہ کرتی ہیں۔ اس کا ثبوت آپ کو ''سفر جاری ہے'' پر ان کے تبصرے سے مل سکتا ہے۔

Marfat.com

شبہ طراز

ہم سب سفر میں ہیں ۔۔۔ایک تاثر

سپاس و حمدِ بے پایاں خدا را
کہ صنعش در وجود آورد مارا

میں وہاں تھی، جہاں وہ زمین پہ اپنے نائب کو قلم عطا کر رہا تھا۔علم عطا کر رہا تھا— لفظ سے روشناس کراتا تھا۔ میں وہاں — تھی—! میں وہاں تھی—، جہاں وہ اپنے مقرب بندوں کے وسیلے سے انسان کو علم کا راستہ دکھاتا تھا، سچائی کی راہ گزر کی افادیت بتاتا تھا، جہاں انسان کو دوسرے انسانوں کی فلاح کا درس دیتا تھا— میں وہاں بھی تھی، جہاں قبیلے تھے اور اپنے دکھ درد کو اپنوں نے زبان دی — بیان کی قوت دی— میں وہاں بھی تھی، جہاں قبیلوں نے انفرادی تشخص کی بنا پر دوسرے قبیلوں کے درمیان فصیل کھینچی— سرحدیں بنائیں— دیواریں کھڑی کر لیں— دلوں میں فاصلے پیدا کر لیے— میں وہاں بھی تھی جہاں انسانیت کے نام پر قلم میں حرکت پیدا ہوئی— ایک انسان نے دوسرے انسانوں کے حقوق کے لیے احتجاج کیا— لفظ بنتے رہے— کہانیوں اور داستانوں میں پھیل کر ایک نظر سے دوسری نظر تک— ایک دل سے دوسرے دل تک سفر کرتے رہے— سفر جاری رہا — ادب تخلیق ہوتا رہا—

Marfat.com

پھر ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک بچے نے جنم لیا جو اپنے اردگرد کے لوگوں سے ذرا مختلف تھا— میں اس گاؤں کی مٹی میں بھی موجود تھی— جس مٹی میں وہ بچہ پلا بڑھا، کھیلا کودا اور بڑا ہوا— زندگی آگے بڑھتی رہی— سفر جاری رہا— میں گاؤں کی اُس کچی سڑک پر بھی تھی جو بل کھاتی کنویں کے پاس سے ہوتی ہوئی گھروں تک جاتی تھی— بابا خیرو کی لڑکی کے ساتھ شمشاد، شہناز کے ساتھ بھی تھی— میں محبت بھری نظروں میں بھی تھی— باجڑہ گڑھی کی مجلس میں بھی— اور اجنبی تھیٹر میں بھی تھی۔ گاؤں کے میلوں ٹھیلوں سے لے کر راستوں کی بلاؤں کے ڈراؤنے کرتبوں تک میں تھی— اور سفر جاری تھا— سکول سے کالج— گاؤں سے قصبہ اور قصبے سے شہر تک سفر جاری رہا۔ گاؤں کی معصوم فضا سے لے کر شہر کے کاروباری ماحول تک— سفر جاری رہا— زندگیاں— زندگیوں پر اثر انداز ہوتی رہیں، زندگیوں میں شامل ہوتی رہیں، نکلتی رہیں— جیسے تالاب میں بارش کے ہر نئے قطرے کے ساتھ نیا دائرہ بنتا اور معدوم ہوتا رہتا ہے۔ جیسے Kledioscope میں ہر جنبش پر موتیوں کی ترتیب بدلتی ہے— جیسے ریل میں بیٹھے، منظر پیچھے کی طرف بھاگتے ہیں— ہر قدم پر نیا منظر آنکھوں کے پردے پر منتقل ہوتا ہے— تیزی کے ساتھ— بالکل اسی طرح پلک جھپکنے میں زمانے گزر گئے— انہیں بھی پتا نہیں چلا— مجھے بھی پتا نہیں چلا—

پھر— ایک منظر زندگی کی سکرین پر چند لمحے ٹھہرا— ایک کتاب— ''سفر جاری ہے''— دو زمانہ شناس ہاتھوں سے دو محبت شناس ہاتھوں میں منتقل ہوئی—

میں نے بہت کم سوانح عمریاں پڑھی ہیں اور جتنی بھی پڑھی ہیں، اُن کے

Marfat.com

مطالعے سے ایک پورا انسان___ پورے انسان کا تمام زمانہ___ تمام زمانے کے سارے دکھ، سُکھ، منافقتیں، رکاوٹیں ایثار اور جدوجُہد ___ سب کے سب اندر بچھی قرطاسِ ہستی پر رقم ہوتے گئے ہیں___ ایک انسان کو پورا ہونے میں صدیاں درکار ہیں___ کتنے انسان کتنے انسانوں کے تجربات ومشاہدات___ کتنے کلیے اور قوانین درکار ہیں___ لیکن یہ وقت، انسان، تجربات، کلیے، قوانین تب فائدہ دیتے ہیں جب کسی انسان میں دوسرے انسان کے مطالعے کی صلاحیت بھی ہو اور اپنی اخلاقی نشوونما اس کا مطمع نظر ہو___ یہ سب تب ہوتا ہے جب زندگی کو ایک خوش گوار سفر کی طرح گزارا جائے___

ملک مقبول احمد صاحب کی کتاب ''سفر جاری ہے'' میں زندگی کے تمام رنگ___ شوخ، پھیکے، ہلکے، گہرے اپنی تمام تر رعنائیوں سمیت دیکھنے کو ملتے ہیں___ اُن کے مشاہدات، تجربات واحساسات سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں___ سیکھ سکتے ہیں___ پڑھتے ہوئے کہیں بھی یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ ایک عام کاروباری شخص کی لکھی ہوئی سوانح حیات ہے___ لفظوں کا چناؤ عام فہم لیکن پُرکشش ہے___ کتاب کی فضا اُن کے گاؤں کی طرح سادہ اور سچی ہے___ میں نہیں___ شاید ہر پڑھنے والا ملک صاحب کے گاؤں میں ان کے ہمراہ چلا جاتا ہے اور پھر اُن کے قلم سے لکھے گئے حرف قاری سے اُن کا رشتہ جوڑ دیتے ہیں___ دونوں محسوس کرنے اور سمجھنے کی یکساں سطح پر آ جاتے ہیں___ سو میں بھی رشتوں کے اسی تسلسل کی ایک کڑی ہوں___ ازل سے ابد تک پھیلے قرطاسِ حیات پر لکھی جانے والی، پڑھی جانے والی داستان کا ایک حصہ ہوں___ میں بھی سچے لفظوں کی محبت میں گرفتار ہوں___ اور لفظ کا سفر___ ابد کی جانب گامزن ہے___ وہاں تک جہاں___ ہمیں قلم عطا کیا گیا تھا___ وہاں

Marfat.com

تک جہاں ہم سے قلم کی حُرمت کی قسم لی گئی تھی ——وہاں تک —— جہاں ہمارے سچے جذبات کو اعتبار کی سند دی جائے گی —— دائیں ہاتھ میں —— دیانت داری کی سند ملنے تک —— میں بھی سفر میں ہوں —— مقبول احمد صاحب بھی سفر میں ہیں —— زندگی —— سفر میں ہے —— اور —— سفر جاری ہے ——

ماہنامہ ''تجدیدِ نو'' لاہور

Marfat.com

جناب چیف جسٹس (ر) شیخ ریاض احمد

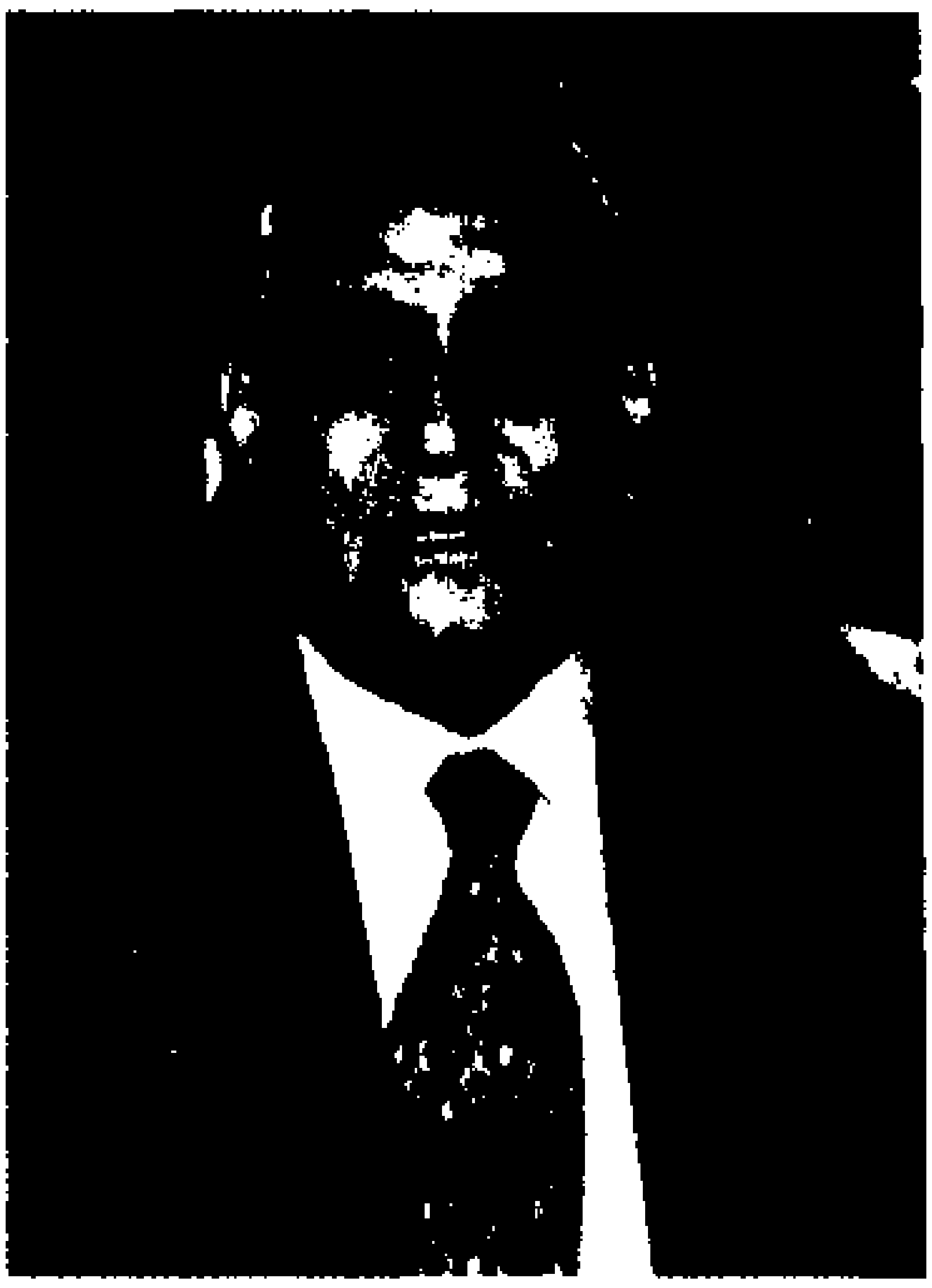

شیخ ریاض احمد صاحب نے اپنی جوانی میں قانون کی سیڑھی پر پہلا قدم رکھا تھا ریٹائر ہوئے تو وہ پاکستان کی عدالت عظمیٰ کے چیف جسٹس تھے۔خوبی کی بات یہ ہے کہ اس تمام عرصے میں ادب کے ساتھ اپنا ناتہ قائم رکھا۔کتاب ان کی زندگی کی بہترین دوست قرار دی جاسکتی ہے۔

شیخ ریاض احمد اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور کے تعلیم یافتہ ہیں،اس لیے پاکستانیت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے ۔ نوجوانی میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے لیے توانائی صرف کی تحریک پاکستان کی اس فعال جماعت کی باقیات میں شمار ہوئے۔ زندگی وکالت سے شروع کی ، لاہور ہائی کورٹ سے سپریم کورٹ آف پاکستان میں جج کی حیثیت میں پہنچے۔عدل وانصاف کا اعلیٰ معیار اور مثال قائم کی اور چیف جسٹس آف پاکستان کے عہدے پر فائز کیے گئے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں

شیخ ریاض احمد صاحب نے متعدد بیرونی ممالک میں بین الاقوامی جیورسٹس کانفرنسوں میں پاکستان کی نمائندگی کی اور پاکستان کے ماحول،عدلیہ کے کردار، ماحولیات اور معاشرتی مسائل پر مقالات پڑھے۔ دورہ بھارت کے دوران شیخ صاحب نے بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری دی اور اپنی روحانی تسکین کے سامان فراہم کیے۔

شیخ ریاض احمد صاحب کے باطن میں ایک انسان دوست ادیب کا دل موجود ہے ۔ قانونی مصروفیات کی وجہ سے وہ ادب کی طرف زیادہ متوجہ نہیں ہو سکے لیکن ان کی تحریروں میں لطافت بھی ہے اور جاذبیت بھی۔سب سے اہم بات یہ کہ انہوں نے ادب کا میدان اپنی اہلیہ محترمہ بیگم بلقیس ریاض کے لیے چھوڑ رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں ۔اور ایک گھر کے لیے ایک ادیب ہی کافی ہے۔۔۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کی تحریر ادب کے ایک چیف جسٹس کی تحریر کا درجہ رکھتی ہے۔ میں اس اعزاز پر بے پایاں خوشی کا اظہار کرتا ہوں۔

Marfat.com

شیخ ریاض احمد

28-3-2007

''سفر جاری ہے''

ملک مقبول احمد صاحب کی سوانح حیات ''سفر جاری ہے'' جو کہ انہوں نے خود اپنی زندگی کے نشیب و فراز کے حوالے سے تحریر کی ہے کا مطالعہ اس باتؐ کا ایک واضح ثبوت ہے کہ انسان اللہ پر بھروسا کر کے ایک عزم سے اپنی منزل کی طرف گامزن ہو تو منزل خود بخود چل کر اس کے پاس پہنچتی ہے۔ بلکہ اس کی طرف خود دوڑتی چلی آتی ہے۔ یہ سوانح حیات ایک سچے، کھرے انسان کی داستان ہے، جس نے وسائل نہ ہونے کے باوجود ان تھک محنت اور خدا پر بھروسا کرتے ہوئے نامساعد حالات میں ہمّت نہ ہارتے ہوئے اپنے اور اپنے خاندان کے لیے ایک مقام پیدا کیا۔ اگر آپ متعدد اشخاص کی سوانح حیات کا مطالعہ کریں تو خود ستائش کا عنصر غالب نظر آتا ہے اور لوگ اپنے عیبوں اور کمزوریوں پر پردہ ڈالتے ہوئے اسے اجاگر نہیں کرتے لیکن ملک مقبول احمد صاحب کسی قسم کے جذباتی معاشرتی حصار میں قید نہیں ہیں اور بلاکم و کاست اپنی کمزوریوں کی شناخت کرتے ہوئے اس پر پردہ نہیں ڈالتے بلکہ اپنی زندگی کے ہر پہلو کا علی الاعلان آشکار کرتے ہیں ان کی سوانحِ حیات یہ ثابت کرتی ہے کہ عقلِ سلیم اور دانش کا تعلق کالج یا یونیورسٹیوں کی ڈگری پر منحصر نہیں بلکہ یہ اللہ کا عطیہ ہوتا ہے۔ بلکہ حیرت تو یہ ہے کہ صاحبِ قلم ہونے

Marfat.com

کے علاوہ انہیں شعر و شاعری کا پورا پورا ادراک ہے اور نہ یہ کہ خود لکھتے ہیں بلکہ بڑے بڑے نامور صاحبِ قلم اشخاص کی کتابیں چھاپتے ہیں اور ان سے ان کی تصنیفات کے ہر پہلو پر سیر حاصل تبصرہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر طارق عزیز کا یہ فرمانا کہ ان کی سوانحِ حیات پڑھ کر پریم چند اور سدرشن کی تحریریں یاد آجاتی ہیں، حقیقت پر مبنی ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ انہیں مزید توفیق دے کہ یہ اور لکھیں اور اُردو ادب کی بحیثیت ناشر اور ادیب ترویج اور ترقی میں مشعلِ راہ ثابت ہوں۔

Marfat.com

جناب ڈاکٹر صفدر محمود

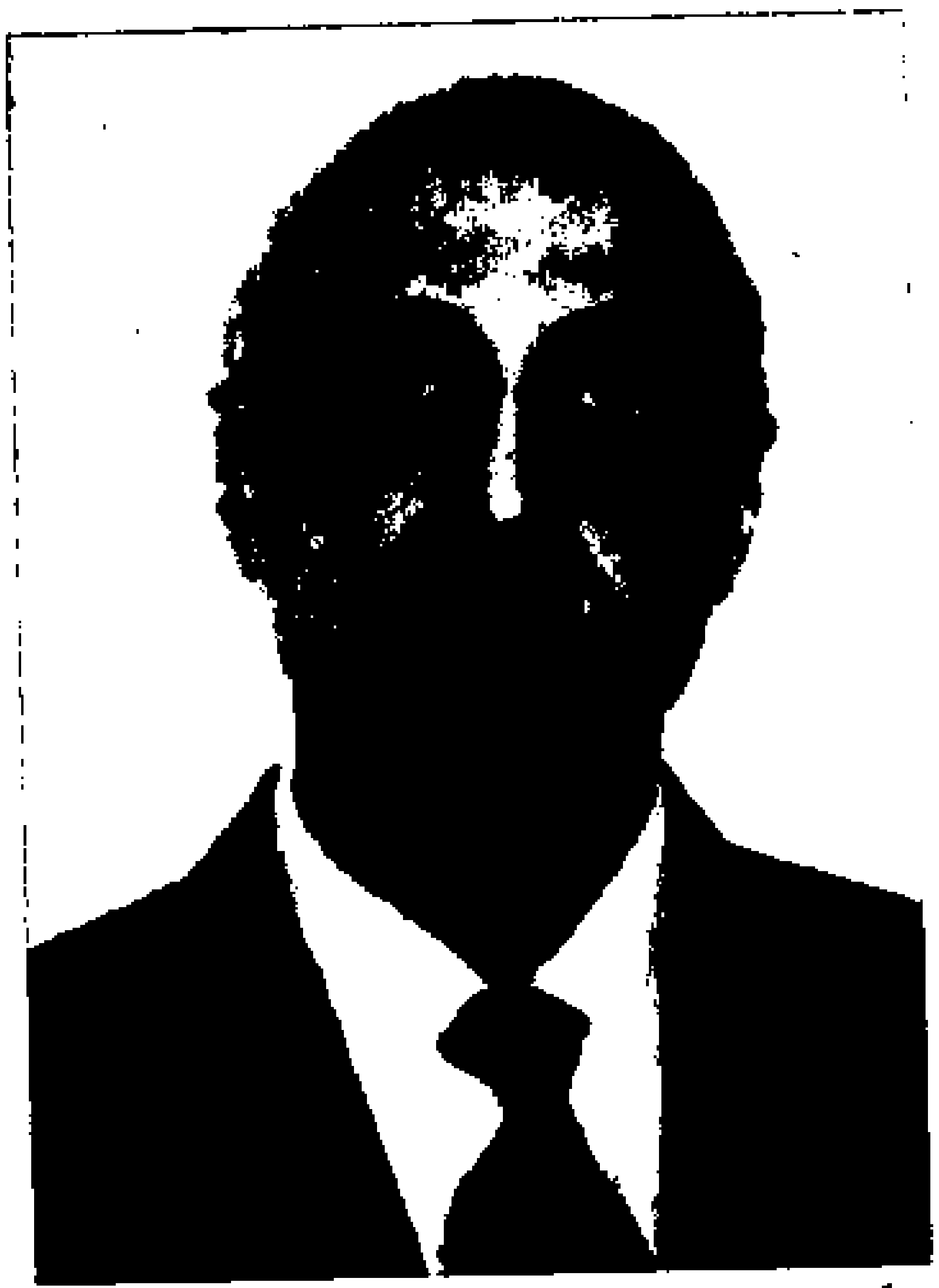

ڈاکٹر صفدر محمود کو ''مؤرخ پاکستان'' ہونے کا منفرد اعزاز حاصل ہے۔ وہ پاکستان کے ممتاز مصنف،ادیب اور کالم نگار ہیں۔

ڈاکٹر صفدر محمود 30 دسمبر 1944ء کو ضلع گجرات کے ایک دور افتادہ قصبہ چیلیاں والہ میں پیدا ہوئے۔1963ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے (آنرز) کیا اور 1964ء میں ایم اے سیاسیات فرسٹ ڈویژن میں کیا۔اسی سال انہوں نے لاہور سے ''پطرس'' نام کے رسالے کا اجرا کیا۔

انہوں نے عملی زندگی کا آغاز گورنمنٹ کالج لاہور سے بطور لیکچرار کیا لیکن مقابلے کا امتحان پاس کر کے 1967ء میں سول سروس میں آ گئے۔اور حکومت پاکستان کے کئی محکموں میں سیکرٹری کے فرائض انجام دیئے۔اور دسمبر 2004ء میں ریٹائر ہو گئے۔

ڈاکٹر صفدر محمود نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا۔ان کے افسانے ممتاز ادبی جرائد ''نقوش'' اور ''نیا دور'' میں شائع ہوتے تھے۔دوسری طرف پاکستانیات پر ان کے مضامین امریکہ اور برطانیہ کے رسائل میں چھپتے تھے۔انہوں نے کولمبیا، برکلے اور لندن کی یونیورسٹیوں میں وزٹنگ پروفیسر کی حیثیت میں لیکچر دیئے۔1997ء میں انہیں تاریخ کے میدان میں اعلیٰ کارکردگی پر ''پرائیڈ آف پرفارمنس'' دیا گیا۔ڈاکٹر صاحب 1997ء سے لے کر 1999ء تک اقوام متحدہ کے اہم ترین ادارے یونیسکو کے ایگزیکٹو بورڈ کے منتخب رکن رہے۔ انہیں 1998ء میں یونیسکو کے ایجوکیشن کمیشن کا وائس چیئرمین ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہیں اقراء یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کیا گیا لیکن 2007ء میں مستعفی ہو گئے۔ان دنوں وہ روزنامہ ''جنگ'' میں کالم لکھ رہے ہیں۔

پاکستانیات پر ڈاکٹر صفدر محمود کی نو کتابیں چھپ چکی ہیں جو اب حوالے کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا تبصرہ اس ناچیز مقبول احمد کا اعزازِ خاص ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر صفدر محمود

ایک ادبی دستاویز

میں تو ملک مقبول احمد صاحب کو صرف ایک شریف النفس انسان اور ایک معروف اشاعتی ادارے کے مالک کی حیثیت سے ہی جانتا تھا لیکن اُن کی خودنوشت سوانحِ عمری کے مسوّدے کی ورق گردانی کی تو یہ راز کُھلا کہ ملک صاحب صرف کتابیں چھاپتے ہی نہیں بلکہ کتابیں اُن کے اندر بھی بستی ہیں اور وہ پبلشر ہونے کے باوجود کتابوں سے محبت کرتے ہیں۔ دراصل اسی محبت کی ایک اہم کڑی اُن کی یہ کتابِ زیست ہے جو گوناگوں تجربات، حوادث اور مشاہدات سے سجی ہوئی ہے۔ اُن کا اُسلوب نہایت دلچسپ ہے، اُن کے زبان و بیان اور طرزِ تحریر پر ادبی رنگ غالب ہے، جو اُن کے اعلیٰ ادبی ذوق کی عکاسی کرتا ہے۔ اس حوالے سے یہ کتاب سوانح عمریوں میں ایک اہم اضافہ ہے۔ ''سفر جاری ہے'' ملک صاحب کی زندگی کے سفر کی کہانی ہے۔ اُن کے اس سفر کا اوّلین حصہ دیہات میں گزرا، جہاں ہر طرف محبت و اخلاص اور ''بےفکری'' کے سدا بہار پھول کھلتے ہیں۔ اسی سفر کے دوران ملک مقبول احمد صاحب کو زندگی کی سنگلاخ وادیوں اور چٹیل میدانوں سے بھی گزرنا پڑا۔ لیکن اللہ کے فضل وکرم، اپنی محنت، لگن اور حسنِ سلوک سے وہ جلد ہی اپنا مقام پیدا کرنے اور بطور پبلشر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانے میں کامیاب ہوگئے۔ چنانچہ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے جہاں اُن کو مادی دولت سے نوازا، وہاں نیک نامی کی دولت سے بھی مالا مال کر دیا۔ ورنہ پبلشنگ کے میدان میں ایسا خال خال ہی ہوتا ہے۔ خود ملک صاحب نے بھی اپنی خودنوشت میں ایسے تجربات کا ذکر کیا ہے جو مُصنّف اور ناشر کے تعلقات میں بدگمانیوں کو جنم دیتے ہیں۔

زندگی کے اس سفر کے دوران ملک صاحب کو بہت سے معروف اور ممتاز لکھاریوں، شاعروں اور ادیبوں سے ملنے اور اُن کی کتابیں چھاپنے کا اتفاق ہوا جن کا ذکر ملک صاحب نے بڑی محبت سے اس کتاب میں کیا ہے۔ کچھ نامور ادیب ملک صاحب کے ''حلقۂ یاراں'' میں شامل ہو گئے، جن کے خطوط اس کتاب کا اہم حصہ ہیں اور انہوں نے ''سفر جاری ہے'' کو ایک غیر معمولی ادبی دستاویز کی حیثیت دے دی ہے۔

ملک مقبول احمد صاحب نے کتابیں چھاپنے کے ساتھ ساتھ کتاب لکھنے کی ایک نئی روایت کی بنیاد رکھی ہے، جو نہایت حوصلہ افزا ہے۔ اسے جاری و ساری رہنا چاہیے۔

Marfat.com

جناب طارق اسمٰعیل ساگر

طارق اسمٰعیل ساگر کا شمار اردو کے مقبول ترین ناول نگاروں میں ہوتا ہے۔ ملک کے گوشے گوشے میں ان کے قارئین پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے نئے ناول کی اشاعت کے منتظر رہتے ہیں۔

طارق اسمٰعیل ساگر نے ناول کا فن صحافت سے سیکھا ہے۔ وہ صحافت کے شعبے میں آئے تو ایک رپورٹر کی حیثیت میں انہیں اپنے معاشرے کو اس کی داخلی تہوں تک پہنچ کر مشاہدے کا موقع ملا۔ انہیں محسوس ہوا کہ یہاں سلسلہ در سلسلہ کہانیاں بکھری پڑی تھیں جنہیں اگر سلیقے سے مربوط کر دیا جائے تو ایک ایسا ناول بن جاتا ہے جو معاشرے کی ترجمانی کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے سبق آموز بھی ہو سکتا ہے۔ وہ 1965ء اور 1971ء کی جنگیں بھی دیکھ چکے تھے۔ ان جنگوں نے ان کو اپنے وطن کی اہمیت اور آزادی کی قدر و قیمت کا احساس دلایا اور ان کی سچی پاکستانیت ان کے ناولوں کے عقب سے ابھرنے لگی۔ ان کا ناول ''میں ایک جاسوس تھا''۔ ''دہشت گرد'' اور ''آخری سگنل کی کہانی'' میں ان کے سچے جذبے نمایاں ہیں۔ انہیں بہترین ناول نگاری پر متعدد ایوارڈز مل چکے ہیں۔ انہوں نے فلم ''سلاخیں'' کی کہانی اور سکرین پلے لکھا تو اس پر ایوارڈ دیا گیا۔ ان کی صحافتی خدمات پر انہیں ''نوائے وقت گولڈ میڈل'' دیا گیا۔ انہوں نے متعدد کامیاب ٹیلی پلے بھی لکھے ہیں۔ طارق اسمٰعیل ساگر روزنامہ ''نوائے وقت'' کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان دنوں میگزین ایڈیٹر کے عہدے پر فائز ہیں۔ ان کے سیاسی تجزیے بڑی دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا تبصرہ مختصر مگر بامعنی اور پر خلوص ہے۔

Marfat.com

طارق اسمٰعیل ساگر

ملک مقبول صاحب سے میری یاد اللہ قریب دو دہائیوں پر محیط ہے۔ نوے کے عشرے میں میری کچھ کُتب اُن کے یہاں سے شائع ہوئیں تو اُن کو قریب سے جاننے کا موقعہ ملا۔ میں نے انہیں ایک با اُصول پبلشر سے بڑھ کر ایک اچھا انسان پایا۔ اُن کی انسان دوستی ہی ہمارے درمیان اب تک کے طویل تعلق کی اہم وجہ ہے۔ اب میری کتابیں اُن کے ادارے سے شائع نہیں ہوتیں لیکن ہمارا تعلق ابھی تک قائم ہے۔

جن دنوں میں بطور مُصنّف اُن سے مُنسلک ہوا، مجھے مقبول اکیڈمی کے حوالے سے صرف اس بات کا علم تھا کہ یہ ایک بڑا معتبر ادارہ ہے۔ ادارے کے روحِ رواں ملک مقبول احمد سے ملاقات کے بعد مجھے احساس ہوا کہ ہر ادارے کو بڑا بنانے میں افراد کا کردار سب سے اہم ہوتا ہے۔ مُصنّف کو اس عالمِ قحط الرجال میں جس عزت اور محبت سے مقبول صاحب نوازتے ہیں، وہ کچھ ان ہی کا حصہ ہے۔

حال ہی میں اُن کی سوانح حیات ''سفر جاری ہے'' دیکھنے کا موقعہ ملا۔ ملک مقبول احمد نے اپنی زندگی کا سفر کب آغاز کیا؟ اور راستے کے سنگِ میل کیسے عبور کیے؟ ان سوالات کا جواب اس کتاب میں موجود ہے۔

آج اگر ان کا ادارہ پبلشنگ کی دنیا میں ایک اہم مقام کا حاصل ہے تو اس کے پس منظر میں ان کی محبت، ایمان دار اور سب سے بڑھ کر اپنے مُصنّفین کے لئے وہ پر خلوص محبت ہے، جس کا شکار ہونے والا ہر شخص پھر ان کے حلقۂ احباب میں شامل ہو جاتا ہے۔ میں ان کی صحت اور درازیٔ عمر کے لئے دعا گو ہوں۔

Marfat.com

جناب طارق شاہین

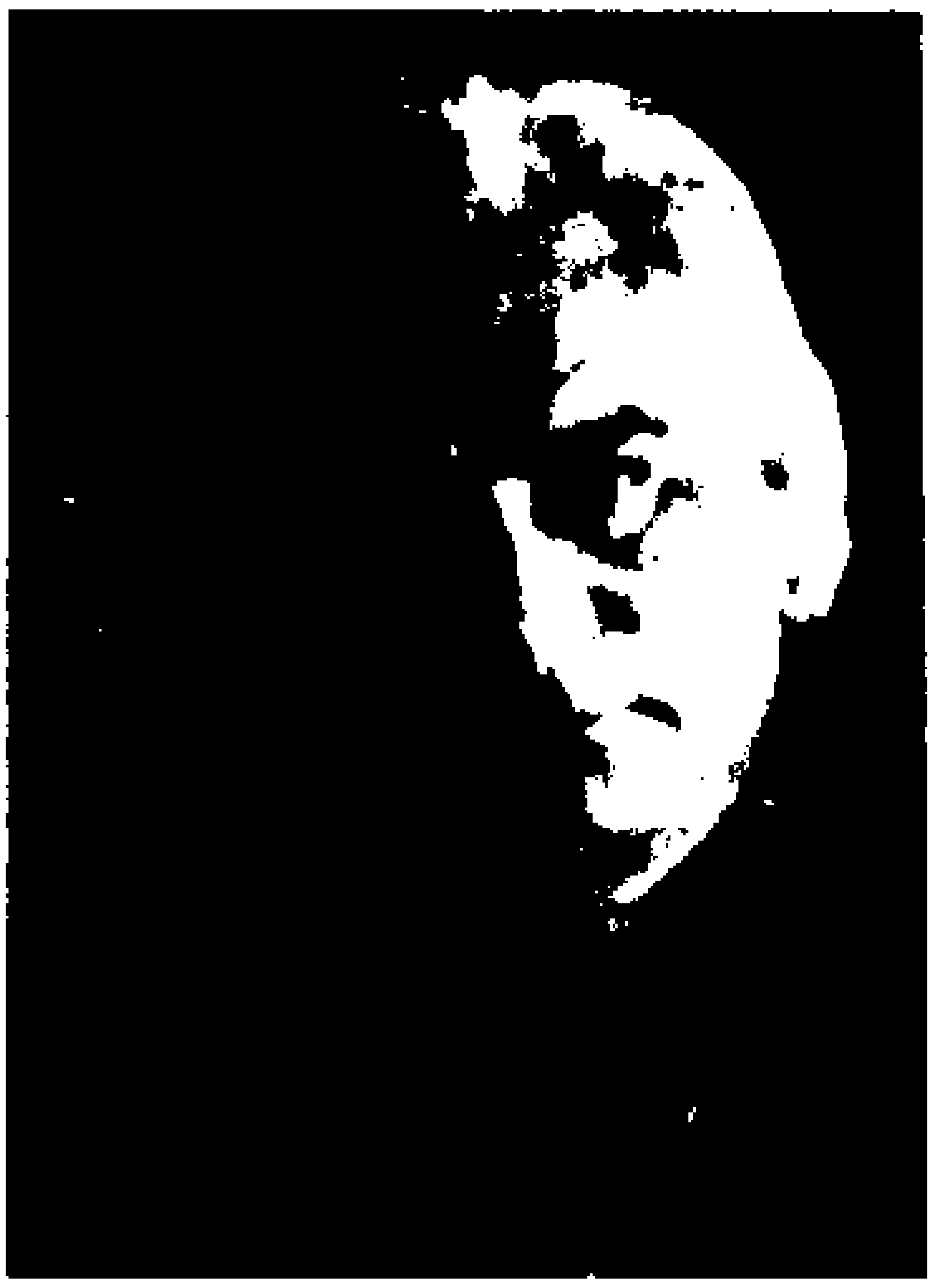

طارق شاہین ہندوستان کے معروف شاعر اور ''ادبی شاخیں'' اندور کے مدیر ہیں۔ میں نے انہیں اپنی کتاب ''سفر جاری ہے'' ڈاک سے بھیجی تو انہوں نے اس کی رسید موبائل فون پر دی اور اپنے مؤقر رسالہ میں تبصرہ کرنے کا وعدہ بھی کیا۔ اگلے مہینے کا پرچہ موصول ہوا تو اس میں ان کا خوبصورت تبصرہ موجود تھا۔

ان کا پیدائشی نام محمد طارق ہے۔ لیکن اردو ادب میں طارق شاہین کے نام سے معروف ہوئے ۔ بھارت کے شہر قنوج (یو پی) میں 15 جون 1944ء کو پیدا ہوئے۔ گریجوایشن کرنے کے بعد 1964ء میں بائیلرس ڈیپارٹمنٹ میں انسپکٹر کی ملازمت اختیار کر لی۔ وہ اپنے اس عہدے پر 2004 تک فائز رہے۔ اس دوران انہوں نے اپنے ذوق کی خوب پرورش کی اور ان کا کلام ملک کے تمام بلند پایہ رسائل میں شائع ہونے لگا۔

طارق شاہین کی شاعری کا ایک مجموعہ ''سورج دیش'' 1990 میں منظر عام پر آچکا ہے۔ ان کی تنقید کی کتاب ''راحت اندوری۔فن اور شخصیت'' 2004 میں شائع ہوئی۔ انہوں نے مدھیہ پردیش ہائر سیکنڈری سرٹیفکیٹ کے لیے مختلف مضامین کی 12 کتابیں مرتب کیں صحافت کی طرف آئے تو روزنامہ ''نو بھارت'' اندور کا ادبی صفحہ مرتب کیا، اور ماہنامہ ''تخیل'' اندور کی ادارت کے فرائض انجام دیئے۔ 2007 میں انہوں نے اپنا ذاتی ادبی رسالہ ''ادبی شاخیں'' جاری کیا جسے قبول عام حاصل ہو چکا ہے۔ طارق شاہین ان دنوں اندور میں قیام پذیر ہیں اور تن، من، دھن سے اردو ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔

ان کا مطبوعہ تبصرہ ماہنامہ ''ادبی شاخیں'' سے اقتباس کیا گیا ہے۔

Marfat.com

طارق شاہین

سفر جاری ہے (خودنوشت)

''سفر جاری ہے'' ملک مقبول احمد کی خودنوشت کتابِ زندگی ہے۔ جو قدم قدم پہ گزرتی ہوئی زندگی کے تجربات، مشاہدات اور تعلقات کی تلخ و شیریں یادوں کا آئینہ ہے۔ اُردو میں حالی نے سوانح حیات کے جس تخم کو بویا تھا وہ آگے چل کر خودنوشت میں تبدیل ہوا اور اُس نے اُردو ادب کو بیش بہا خزانے عطا کیے۔ اس فہرست میں عبدالمجید سالک (متوفی ۱۹۵۹ء) کی سرگذشت۔ جوش ملیح آبادی (متوفی ۱۹۸۲ء) کی ''یادوں کی بارات۔ احسان دانش (متوفی ۱۹۸۲ء) ''جہانِ دانش'' دیوان سنگھ مفتون کی ''ناقابل فراموش''۔ ذوالفقار علی بخاری کی ''سرگذشت''، ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی ''میری داستان حیات'' شورش کاشمیری کی ''نالہ و دل دود چراغ محفل''، افضل حق کی ''میرا افسانہ'' سر ظفر اللہ خان کی ''تحدیث نعمت''، اختر حسین رائے پوری کی ''گردِ راہ''، مرزا ادیب کی ''مٹی کا دیا''، صادق الخیری کی ''مری زندگی افسانہ'' ڈاکٹر عبدالسلام قریشی کی ''رو میں ہے رخش سفر'' یوسف حسین خان کی ''یادوں کی دنیا''، عشرت رحمانی کی ''عشرت فانی''، کرنل غلام سرور کی ''آئینہ ایام''، رشید احمد صدیقی کی ''آشفتہ بیانی میری'' وزیر آغا کی ''شام کے منڈیر سے''۔ اس کے علاوہ معروف آپ بیتی لکھنے والوں

Marfat.com

میں سید عبداللہ۔ عبادت بریلوی، محمد احمد سبزواری، شان الحق حقی، مجنوں گورکھپوری، قدوس صہبائی، محمد یونس احمد، کے ساتھ ایک اور نام ملک مقبول احمد کا بھی شامل ہو گیا ہے۔ متذکرہ بالا اُردو دانشوروں کی خودنوشت پر مذاکرے، بحث اور ادب میں ان کی توسیع کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر اظہارِ خیال کیا جا چکا ہے۔

اپنے اوپر قلم اُٹھانا شب و روز کی بے کیف و رنگین لمحات عوامی بنانا کم جگر و جذبے کی بات نہیں ہے۔ اس لئے اس میدان میں کم ہی آتے ہیں اور جو اس بھیڑ سے نکل کر آتے ہیں ان کا اپنا رتبہ اور مقام ہوتا ہے۔ ملک مقبول احمد بھی انہیں معدود چند قلم کاروں میں ہیں۔ ان کا اُسلوب کافی دلچسپ اور رواں ہے۔ زبان و بیان میں ادبی لطافت اور چاشنی کا عنصر غالب ہے اور یہ ان کے اعلیٰ ادبی ذوق کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ کتاب خودنوشت سوانح عمریوں میں ایک اہم اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔

''سفر جاری ہے'' ملک مقبول احمد نے بچپن سے لے کر تا حال زندگی کے تمام تر احوال و سرگذشت کا ذکر بڑے فنکارانہ انداز میں اور سادہ لوحی سے کیا ہے۔ ''ملک مقبول احمد کی زندگی کے پہلو دیہات کے ایک معمولی گاؤں سے شروع ہوتے ہیں''۔ ابتدائی احوال میں بچپن، جوانی اور عملی زندگی کے پہلو کافی سبق آموز ہیں۔ ملک مقبول احمد نے اپنی خودنوشت کو معتبر اور ادبی پذیرائی کے لئے وقت کے معروف قلم کاروں صفدر محمود، ڈاکٹر طارق عزیز، ڈاکٹر انور سدید، علی سفیان آفاقی اور اے حمید کی آراء اور تاثرات سے بھی زینت بخشی ہے۔ یہ کتاب اُردو ادب کے قاری کو اپنا گرویدہ بنا دے گی۔

ماہنامہ ادبی شاخیں

اندور (بھارت)

Marfat.com

طارق شاہد

سفر جاری ہے

''سفر جاری ہے'' ایک ایسی آپ بیتی ہے، جو ایک دادا نے اپنے پوتے کے کہنے پر تحریر کی ہے اور یہ شاید واحد آپ بیتی ہے جو کسی پبلشر نے تحریر کی ہے۔ یہ ناشر مُلک کے ایک بڑے ادارے مقبول اکیڈمی کے روحِ رواں ہیں۔ اپنے پیش لفظ میں ملک مقبول احمد نے کتاب لکھنے کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے اپنے پوتے کے سوالوں کا ذکر کیا ہے۔ انہی سوالوں کا جواب ان کی اس آپ بیتی میں موجود ہے۔

پیش لفظ میں انہوں نے ذکر کیا ہے: ''مجھے جو مراحل پیش آئے اور ان مراحل میں میرے ساتھ جو سلوک میرے کاروباری دوستوں، رشتہ داروں، دوستوں اور متعلقہ افسروں نے کیا، ان کا ذکر میں نے ''خیالِ خاطرِ احباب'' کے تحت نہیں کیا، میں نے آبگینوں کو حتی المقدور ٹھیس نہیں لگنے دی اور میر انیس کا یہ شعر پیش نظر رکھا:

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

ان ادیبوں کا ذکر کرتے ہوئے جن کی کتابیں انہوں نے شائع کی ہیں، بڑی خوبصورتی سے تعارف کراتے ہوئے آگے نکل گئے ہیں۔ بہت سے مسائل ان

Marfat.com

اہل قلم کے ساتھ ہوتے ہیں، جن کی کتاب شائع ہو رہی ہو، ان کا ذکر اس طرح سے آپ بیتی میں موجود نہیں ہے۔ ''وکھری ٹائپ'' کے باب میں انہوں نے چند ایک واقعات کا ذکر کیا ہے لیکن اپنے مزاج کے مطابق نہایت احتیاط برتتے ہوئے ناموں کا ذکر نہیں کیا۔

''سفر جاری ہے'' ملک مقبول احمد کی زندگی کے سفر میں جدوجہد کی وہ کہانی ہے، جس میں انہوں نے زندگی کا ابتدائی سفر جو دیہات میں گزرا اور پھر محنت، لگن کے ساتھ انہوں نے کس طرح بطور پبلشر اپنے آپ کو منوایا کا ذکر موجود ہے۔

ان کی تحریر میں شائستگی اور دھیما پن ہے۔ آپ بیتی میں ان کا کاروباری رنگ نمایاں ہے۔ جہاں تک ابتدائی زندگی کے بارے میں باب کا تعلق ہے، اس میں بہت مہارت نظر آتی ہے۔ ''سفر سعادت'' اور ''دربارِ نبی ﷺ میں حاضری'' اہم باب ہیں اس میں ان کا بیان خاص طرزِ احساس لیے ہوئے ہے۔

کتاب میں ڈاکٹر صفدر محمود، علی سفیان آفاقی، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر طارق عزیز، اے حمید، شعیب بن عزیز، طارق اسمٰعیل ساگر، سید واجد رضوی، ابوالامتیاز ع س مسلم، قاضی ذوالفقار احمد، قمر نقوی اور ڈاکٹر اللہ بخش ملک کی آراء شامل ہیں۔

اس کتاب میں ''چند مُصنّفین کا تذکرہ''، ''خواتین قلمی معاونین'' وکھری ٹائپ کے لوگ''، ناشرین اور الزامات'' اور ''ذکر کچھ افسران کا'' کے ابواب میں اہل قلم اور کاروبار میں جن لوگوں سے ان کا واسطہ رہا، ان کے تذکرے موجود ہیں۔ کتاب میں مقبول احمد کے دو انٹرویو، ادیبوں کے خطوط، کتابوں پر مشاہیر و حُکّام کے خطوط بھی شامل کیے گئے ہیں۔ آخری باب میں مقبول اکیڈمی کی مطبوعہ کتب پر تبصرے اور کالم شامل ہیں۔ کتاب کو رنگین تصاویر سے آراستہ کیا گیا ہے، جن میں

Marfat.com

سے کچھ تصاویر ان کے اہل خانہ کی ہیں اور کچھ تصاویر ''چند مصنّفین کا تذکرہ'' اور ''چند خواتین قلمی معاونین کے باب'' میں شامل ہیں۔

ملک مقبول احمد نے زیبِ داستاں کے لیے واقعات کو بڑھا چڑھا کے بیان کرنے کی بجائے بڑے سادہ الفاظ میں بیان کیا ہے۔ یہ ایک سیلف میڈ آدمی کی ایک خوبصورت آپ بیتی ہے۔

یہ کتاب نئے ناشران کے لیے رہنمائی کا ذریعہ بھی ہے کہ وہ لکھنے والے جس حسّاس طبقے سے کاروبار کر رہے ہیں، ان کے آبگینوں کو ٹھیس نہ لگنے دی جائے۔

(روزنامہ ''جناح''۔ لاہور 27 فروری 2007ء)

Marfat.com

جناب ڈاکٹر طارق عزیز

ادیبوں کی بھری مجلس میں طارق عزیز دور سے پہچانے جاتے ہیں۔ وہ اپنی ''وہیل چیئر'' (Wheel Chair) پر بیٹھے رہتے ہیں، ان کو سلام کرنے والے ان کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ دونوں طرف سے مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوتا ہے تو عقیدت اور محبت یوں ہم آغوش ہو جاتے ہیں جیسے نیلم اور جہلم کا پانی ملتا ہے۔

ڈاکٹر طارق عزیز اوائل عمری میں پولیو کا شکار ہو گئے تھے۔ ان کا آزادانہ چلنا پھرنا موقوف ہو گیا لیکن انہوں نے ''حرکت میں برکت'' کا سبق سیکھا ہوا تھا۔ اس لیے جسمانی کمی ان کی راہ کی رکاوٹ نہیں بنی بلکہ ٹانگوں کی معذوری نے ان کی بائیلوجی کی متعدد خصوصیات اجاگر کر دیں۔ ان کی فعالیت کا نتیجہ یہ ہے کہ آج وہ گورنمنٹ کالج آف سائنس لاہور میں ''ڈیپارٹمنٹ آف اورینٹل لرننگ'' کے چیئر مین ہیں۔

جناب طارق عزیز 10 جنوری 1954ء کو پیدا ہوئے۔ ایم اے اردو اورینٹل کالج لاہور سے کیا اور پی ایچ ڈی کی ڈگری 1986ء میں ''اردو رسم الخط اور ٹائپ'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پنجاب یونیورسٹی لاہور سے حاصل کی۔ آپ شاعر ہیں نثر نگار ہیں۔ ڈرامہ نویس ہیں اور دستاویزی اور سماجی فلموں کے ڈائریکٹر بھی ہیں۔ غرض آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہرفن مولا ہیں۔ ٹی وی کے متعدد سیریل ڈرامے لکھ چکے ہیں۔ اور کئی ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں لیکن ان کی بنیادی حیثیت ایک معلم اور ادیب کی ہے۔ ان کی تصانیف میں اردو رسم الخط اور ٹائپ (تحقیق) جلاوطن (شاعری) سکڑتا ہوا آدمی (ڈرامے)، بسیرا (اردو ڈرامہ) تلخیص خطباتِ اقبال (تدوین)۔ اقبال شناس اور فولیو (مرتب) وغیرہ شامل ہیں۔

طارق عزیز مقبول اکیڈمی کے معزز ترین مصنفین میں شمار ہوتے ہیں اور مجھے ہمیشہ اچھے مشورے دیتے ہیں۔ اس کا ثبوت ''سفر جاری ہے'' پر ان کا مضمون ہے۔۔ جس کا عنوان ''سادگی و پرکاری'' ہے۔ اس کتاب کا نام بھی انہوں نے ہی تجویز کیا تھا کہ اس نام میں زندگی اور تحرک کا عنصر موجود ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر طارق عزیز

سادگی و پُرکاری

عظیم شعراء کا کمال یہ ہے کہ اُن کے اشعار اپنی پہلو داری کی بنا پر متنوّع صورتِ احوال، روّیوں، نفسیات اور شخصیات پر منطبق ہوتے ہیں۔ اِسی طرح بڑے ادیب کی نشانی یہ ہے کہ اُس کی تحریریں اپنے موضوعات یا فلسفۂ حیات کے اعتبار سے بڑے شعراء سے لگا کھاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ملک مقبول احمد کی زیرِ نظر کتاب ''سفر جاری ہے'' ہی کو لے لیجئے اِحوالِ ذاتی کا بیان اتنا سادہ اور موثر ہے کہ بے اختیار غالب کا یہ مصرع یاد آجاتا ہے۔

سادگی و پُرکاری، بے خودی و ہشیاری

''سفر جاری ہے'' ملک مقبول احمد کی آپ بیتی ہے۔ وِیوازڈکشنری آف لٹریری ٹرمز میں آپ بیتی کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

" An account of all or part of a person's life written by that person usually with publication in mind. Typically, an autobiography takes the form of a continuous NARRATIVE of significant envents, in which memory and introspection and even IMAGINATION are blended.

Although often unrealiable as a record of facts, an autobiography offers unique insight into its author's personality, attitudes and impressions.

Marfat.com

اس پیمانے پر جانچیں تو ''سفر جاری ہے'' آپ بیتی کی مسلّمہ تعریف پر پورا اُترتی ہے۔ ''سفر جاری ہے'' ملک مقبول احمد کے بچپن سے لے کر موجودہ عمر (اللہ تعالیٰ انہیں صحت و تندرستی کے ساتھ طویل عمر عطا کرے، آمین) تک کی زندگی کے احوال، یادآفریں واقعات اور تلخ و شیریں تجربات کے بیان پر مشتمل ہے۔ کتاب کا اہم ترین حصہ اُس عرصے پر محیط ہے جس کا تعلق ملک صاحب کے بچپن، جوانی اور عملی زندگی کے آغاز پر مشتمل ہے۔ یہ عرصۂ حیات اُن کے گاؤں ''دیو وال'' سے جڑا ہوا ہے، جس کے بیان میں ملک مقبول احمد نے دیہی زندگی کی منظرکشی اس مہارت سے کی ہے کہ پریم چند اور سدرشن کے افسانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ کتاب کا یہ حصہ مصنف ہی کو نہیں، قاری کو بھی اُس کے بچپن کی طرف لوٹا دیتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے گاؤں کی پگڈنڈیوں پر چھوٹنے والی وہ معصومیت جو شہر کی سڑکوں پر آ کر کھو گئی تھی، ہمیں پھر سے بچپن کی طرف بُلا رہی ہے۔ ملک مقبول احمد نے تمام رُوداد کو چھوٹے چھوٹے واقعات میں تسبیح کے دانوں کی طرح پرو دیا ہے لیکن جس طرح تسبیح کے دانے پرونے کے لیے ایک مضبوط دھاگہ درکار ہوتا ہے، اِسی طرح اِن واقعات کو ''بے جی'' کی مضبوط شخصیت نے اپنی ذات کے حصار میں پرو لیا ہے۔ مُصنّف کی اپنی والدہ سے محبت، عشق کا درجہ اختیار کر گئی ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ والدین سے محبت قربِ الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے۔

واقعات کا یہ بیان رفتہ رفتہ آپ بیتی کے قریب ہوتا جاتا ہے لیکن اس میں اُس وقت اچانک ''جگ بیتی'' کی چاشنی پیدا ہو جاتی ہے جب ملک مقبول احمد بعض دوستوں اور بعض ''وکھری ٹائپ'' کے لوگوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ہم اُن کے باطن میں آباد بعض دیگر لوگوں کے ''احوال'' سے بھی واقف ہو جاتے ہیں۔ لیکن ملک مقبول احمد چونکہ طبعاً شریف اور وضع دار شخصیت کے حامل ہیں لہٰذا یہ باب اُن

Marfat.com

کی وضعداری کی نذر ہو گیا ہے۔ جن احباب سے اُن کا تعلقِ خاطر ہے، اُن کا ذکر تو اُنہوں نے نام لے کر بانگِ دُہل کیا ہے لیکن جن سے معاملہ شکر رنجی اور ملال کا ہے وہاں صرف گزند کا ذکر کیا ہے، گزند پہنچانے والے کا نام نہیں لیا۔ سچ ہے ؎

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

ملک صاحبؒ نے تین مرتبہ حج اور کئی عمرے ادا کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ''سفر جاری ہے'' کا ایک اہم باب انہی لمحات کی روداد پر مشتمل ہے۔ حج کا سفر دراصل محبت کا سفر ہوتا ہے۔ وفورِ شوق کے بغیر یہ سفر شروع ہی نہیں ہو سکتا۔ حج کا سفر اختیار کرنے والا مناظر اور مناسکِ حج کو چشمِ شوق سے دیکھتا ہے اور انہیں اپنے قلب میں اتار لیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر زائرِ حج جن مقامات و مناسک کا ذکر کرتا ہے، وہ سب کے دیکھے یا سُنے ہوئے ہوتے ہیں لیکن چونکہ ہر زائر کی وارداتِ قلبی اور مشاہداتِ باطن جدا ہوتے ہیں لہٰذا اُس کا بیانِ شوق بھی جداگانہ کیفیات لیے ہوتا ہے۔ ملک مقبول احمد کے ہاں بھی اسفارِ حج کا بیان ایک نئے تجربے کا انکشاف بن گیا ہے اس تجربے کے نقوش اُن کے باطن پر ثبت ہو کر اُن کی زندگی کا ایک ایسا حصہ بن گئے ہیں، جسے سرمایۂ حیات قرار دیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک اس آپ بیتی کی ادبی قدر و قیمت کا تعلق ہے، اس کا تعین کرنے سے پہلے اُردو کی اہم آپ بیتیوں کو حافظے میں لانا چاہیے۔

سید ہمایوں مرزا کی کتاب ''میری کہانی میری زبانی''، سر رضا علی کا ''اعمال نامہ''، دیوان سنگھ مفتون کی ''ناقابلِ فراموش''، عبدالمجید سالک کی ''سرگزشت''، مولانا حسین احمد مدنی کی ''نقشِ حیات''، تقی محمد خاں کی ''عمرِ رفتہ'' جوش ملیح آبادی کی ''یادوں کی برات''، احسان دانش کی ''جہانِ دانش''، اور

Marfat.com

مرزا ادیب کی ''مٹی کا دیا'' اُردو کی نمایاں آپ بیتیوں میں شمار ہوتی ہیں۔ اور اب اسلوبِ بیان کی بے ساختگی، واقعات کی صداقت اور جدوجہدِ حیات کے حوالے سے ملک مقبول احمد کی ''سفر جاری ہے'' کو اُردو کی متذکرہ بالا آپ بیتیوں میں ایک اہم اور وقیع اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر طارق عزیز

سائباں
(ملک مقبول احمد کے لیے ایک نظم)

مقبولِ خاص آپ ہیں ، مقبولِ عام بھی
اور آسمانِ علم پہ ہیں نیک نام بھی
صبح ضیا بکھیرتی ہے آپ کے لیے
اور روشنی کشید کرے میری شام بھی

اشعار کا دیوان ہے مُسکان آپ کی
اہلِ ادب سے عشق ہے پہچان آپ کی

''جاری سفر'' میں پیار کی دیکھی ہے داستاں
وہ نامہ و پیام ، وہ آہیں ، وہ مہ و شاں
کہنے کو میں فرشتہ کہوں آپ کو مگر
انسانیت کا شرف ہے بے حدو بیکراں

اور عشق کھیل تو نہیں اہلِ حیات کا
یہ سب سے بڑا راز ہے اس کائنات کا

Marfat.com

تہذیبِ فکر ، عظمتِ افکار آپ ہیں
ہر زاویے سے پیار کا اظہار آپ ہیں
صحرائے غم میں ابر کی صورت ہیں سائباں
ہم دھوپ میں ہیں ، سایۂ دیوار آپ ہیں

ہیں آپ کے نیاز ، محبت دراز ، راز
سب زندگی کے ساز ، محبت دراز ، راز

چارہ گرانِ دہر کے ہیں چارہ ساز آپ
ہر بے نوائے شہر کے خاطر نواز آپ
دستِ دُعا دراز ہے ہر ایک کے لیے
ہر مُنتہائے شب میں سحر کی نماز آپ

گم کردۂ نشان کی منزل بھی آپ ہیں
تنہائیوں کے شہر میں محفل بھی آپ ہیں

مغرور ہُوں کہ آپ سے نسبت مجھے بھی ہے
مسرور ہوں کہ آپ کی چاہت مجھے بھی ہے
معمور ہوں کہ مٹی کو سونا بنا دیا
مخمور ہوں کہ نشۂ راحت مجھے بھی ہے

جانچا کِیا خواص کو ، پرکھے عوام بھی
مقبولِ خاص آپ ہیں ، مقبولِ عام بھی

Marfat.com

جناب طالب ہاشمی

طالب ہاشمی اردو زبان کے وہ جلیل القدر ادیب ہیں جنہوں نے اپنا قلم اور وقت دین فطرت اسلام اور اکابر اسلام کی فضیلت بیان کرنے کے لیے مختص کر رکھا ہے۔

ان کا اصل نام محمد یونس ہے۔26 دسمبر 1924 کو ڈسکہ کے ایک علم دوست قریشی خاندان مین پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم دیہات کے سکولوں میں حاصل کی اور میٹرک کا امتحان 1940ء میں حسن ابدال سے پاس کیا۔بی اے کی ڈگری پرائیویٹ طالب علم کی حیثیت میں حاصل کی۔1944ء میں پوسٹ ماسٹر جنرل لاہور کے دفتر سے عملی زندگی کا آغاز ملازمت سے کیا۔ترقی پا کر گزیٹڈ افسر بن گئے اور 1983ء میں ریٹائر ہو گئے۔

طالب ہاشمی صاحب نے 20 سال کی عمر میں مضمون نگاری شروع کر دی تھی۔ مطالعے کا اتنا شوق تھا کہ چھپا ہوا ہر کاغذ غور سے پڑھتے تھے۔ادارت کا شوق پیدا ہوا تو اپنے دوستوں کو قلمی رسالہ مرتب کر کے بھیجتے۔پھر دین کی طرف آ گئے۔انہوں نے 1961ء میں تاریخ اسلام کو اپنا مخصوص موضوع بنایا اور دینی موضوعات پر تصنیف و تالیف کا آغاز کر دیا۔طالب ہاشمی یہ خدمت آج تک خلوص سے بجا لا رہے ہیں۔ان کی کتابوں کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے۔ ان میں ''معجزاتِ سرورِ کونین'' ۔''سفر نامہ آخرت''، حسنت جمیع خصالہ، اخلاق پیغمبری، خیر البشر کے چالیس جان نثار، آسمان ہدایت کے ستر ستارے۔تیس پروانے شمع رسالت کے۔ سیرۃ حضرت سعد بن ابی وقاص، سیرۃ حضرت عبداللہ بن زبیر، سلطان نور الدین محمود زنگی وغیرہ کو شہرت عام اور قبول عوام حاصل ہے۔طالب ہاشمی صدارتی ایوارڈ یافتہ مصنف ہیں۔

طالب ہاشمی اصولِ املا سامنے رکھ کر مقالہ لکھتے ہیں اور اصول زبان پر دسترس رکھتے ہیں۔اظہارِ صداقت میں وہ مومن ہیں اور اردو اخبارات میں زبان کی غلطیاں نشان زد کرنے سے کبھی گریز نہیں کرتے۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا تنقیدی تبصرہ ''بیدار ڈائجسٹ'' میں شائع ہوا تھا۔

Marfat.com

طالب الہاشمی

سفر جاری ہے

مقبول اکیڈمی لاہور کتابوں کی اشاعت کا ایک مشہور و معروف ادارہ ہے۔ گزشتہ نصف صدی میں یہ اعلیٰ پائے کی کثیر التعداد علمی، ادبی، دینی اور تاریخی کتابیں چھاپ چکا ہے۔ زیرِ نظر ضخیم کتاب اسی ادارے کے بانی و مالک جناب ملک مقبول احمد کی خودنوشت ''آپ بیتی'' ہے جو انہوں نے بڑی سادگی اور بے تکلفی سے ایسے دلچسپ انداز میں بیان کی ہے کہ قاری کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔ کتاب کو لوازمے (مواد) کے اعتبار سے سات حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ 50 صفحات پر محیط ہے، اس میں فہرستِ مضامین، مصنّف کے پیش لفظ اور تعارفِ کتاب کے علاوہ چند نامور اُدبا کی ''تعریفی'' تحریریں (مقبول اکیڈمی، زیرِ نظر کتاب اور خود مصنّف کی شخصیت کے بارے میں) شامل ہیں۔

دوسرا حصہ 123 صفحات پر مشتمل ہے اور یہی حصہ حقیقی معنوں میں کتاب کی جان ہے۔ اس میں الحاج ملک مقبول احمد صاحب نے اپنی جدوجہد سے بھرپور زندگی کے لمحہ بہ لمحہ حالات قلم بند کیے ہیں۔ ان میں ملک صاحب نے اپنے خاندان، لڑکپن، تعلیمی پس منظر، نامساعد حالات اور ان کا عزم و ہمت کے ساتھ مقابلہ، سکول ٹیچری سے ایک کامیاب ناشرِ کتب بننے تک کی روداد بے ساختگی سے بیان کر دی ہے اور اپنی تحریر پر ''پدرم سلطان بود'' کا سایہ تک نہیں پڑنے دیا۔ یہ اُن کی عظمتِ کردار

Marfat.com

کی دلیل ہے۔

کتاب کا تیسرا حصہ چند مُصنّفین کے تذکار اور ان کی عکسی تصاویر پر مشتمل ہے۔ یہ حصہ 65 صفحات پر محیط ہے۔ فاضل مُصنّف نے ذکور و اناث تمام مُصنّفین کی نہایت اختصار کے ساتھ مناسب الفاظ میں تعریف و تحسین کی ہے۔

چوتھا حصہ بعنوان انٹرویو 11 صفحات پر محیط ہے۔ اس میں ہفت روزہ فیملی اور روزنامہ دن کے نمائندوں سے ملک صاحب کے انٹرویو! کی روداد ہے۔

. پانچواں حصہ 12 صفحات پر محیط ہے۔ اس میں مقبول اکیڈمی کی شائع کردہ کتاب ''آزادیٔ ہند'' پر بعض مشاہیر کے خطوط اور دوسری کتاب ''رن کچھ سے چونڈہ تک'' اعلیٰ حُکّام کے خطوط شامل ہیں۔

چھٹا حصہ 90 صفحات پر محیط ہے۔ یہ حصہ ملک صاحب کے نام مُلک کے چند نامور ادیبوں کے خطوط پر مشتمل ہے۔ ساتواں حصہ 88 صفحات پر محیط ہے۔ یہ حصہ مقبول اکیڈمی کی مطبوعہ متعدد کتابوں پر تبصروں اور کالموں پر مشتمل ہے۔ ہمارے خیال میں ایسے تبصروں اور کالموں وغیرہ پر ایک الگ کتاب مرتب کی جاتی تو زیادہ مناسب تھا۔ کتاب پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مُصنّف ایک دین دار اور منکسر المزاج انسان ہیں اور ملک صاحب کو عمدہ کتابیں چھاپنے کا وسیع تجربہ حاصل ہے اور مُلک کے بے شمار نامور ادیبوں کا تعاون بھی، لیکن اس خوبصورت کتاب میں زبان اور کمپوزنگ کی غلطیاں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ یہ سطور تنقیدی نقطۂ نگاہ سے نہیں بلکہ خیر خواہانہ جذبے کے تحت لکھی جا رہی ہیں کہ کتاب چھاپنے سے پہلے اگر اس کا مسودہ، زبان کی نزاکتوں سے آگاہ کسی اچھے ادیب کو دکھا لیا جاتا اور اس کی پروف ریڈنگ پر خاص توجہ دی جاتی تو اس کی افادیت میں کئی گُنا اضافہ ہو جاتا۔ مُشتے نمونہ از خروارے اغلاط کی نوعیت ملاحظہ ہو:۔ نہ کے مابعد ہی کا استعمال غلط

Marfat.com

ہے۔ کتاب میں جگہ جگہ ''نہ ہی'' دیکھنے میں آتا ہے: حامی بھرنا غلط ہے ہامی بھرنا صحیح، پرواہ غلط پروا صحیح، جی کرتا غلط جی چاہتا صحیح، قمیض غلط قمیص صحیح، معیادی غلط میعادی صحیح، ناراضگی غلط ناراضی صحیح، کاروائی غلط کارروائی صحیح، گھبرا غلط گھبرا صحیح، چوہدری غلط العوام چودھری صحیح، کبھی بھی غلط کبھی صحیح، ابتدا میں ہی غلط ابتدا ہی میں صحیح، مسبب الاسباب غلط مسبب الاسباب صحیح، ''کتابوں کا ہی'' غلط ''کتابوں ہی کا'' صحیح، ''طلبا کے ہی'' غلط ''طلبا ہی کے'' صحیح، ''خوبیوں کا ہی نتیجہ'' غلط ''خوبیوں ہی کا نتیجہ'' صحیح وغیرہ وغیرہ۔ ایسی کثیر التعداد غلطیاں کتاب کے مختلف صفحات پر بکھری پڑی ہیں۔ اس میں ملک صاحب کا کوئی قصور نہیں کیونکہ ان کو نہ ادیب ہونے کا دعویٰ ہے اور نہ لکھنے کا شوق (بقولِ خود) بحیثیت مجموعی یہ ایک عمدہ لائق مطالعہ کتاب ہے اور اس کو بے ساختگی سے لکھنا ہی ملک صاحب کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

(بیدار ڈائجسٹ لاہور۔ اپریل 2007ء)

Marfat.com

جناب ظفر علی راجا

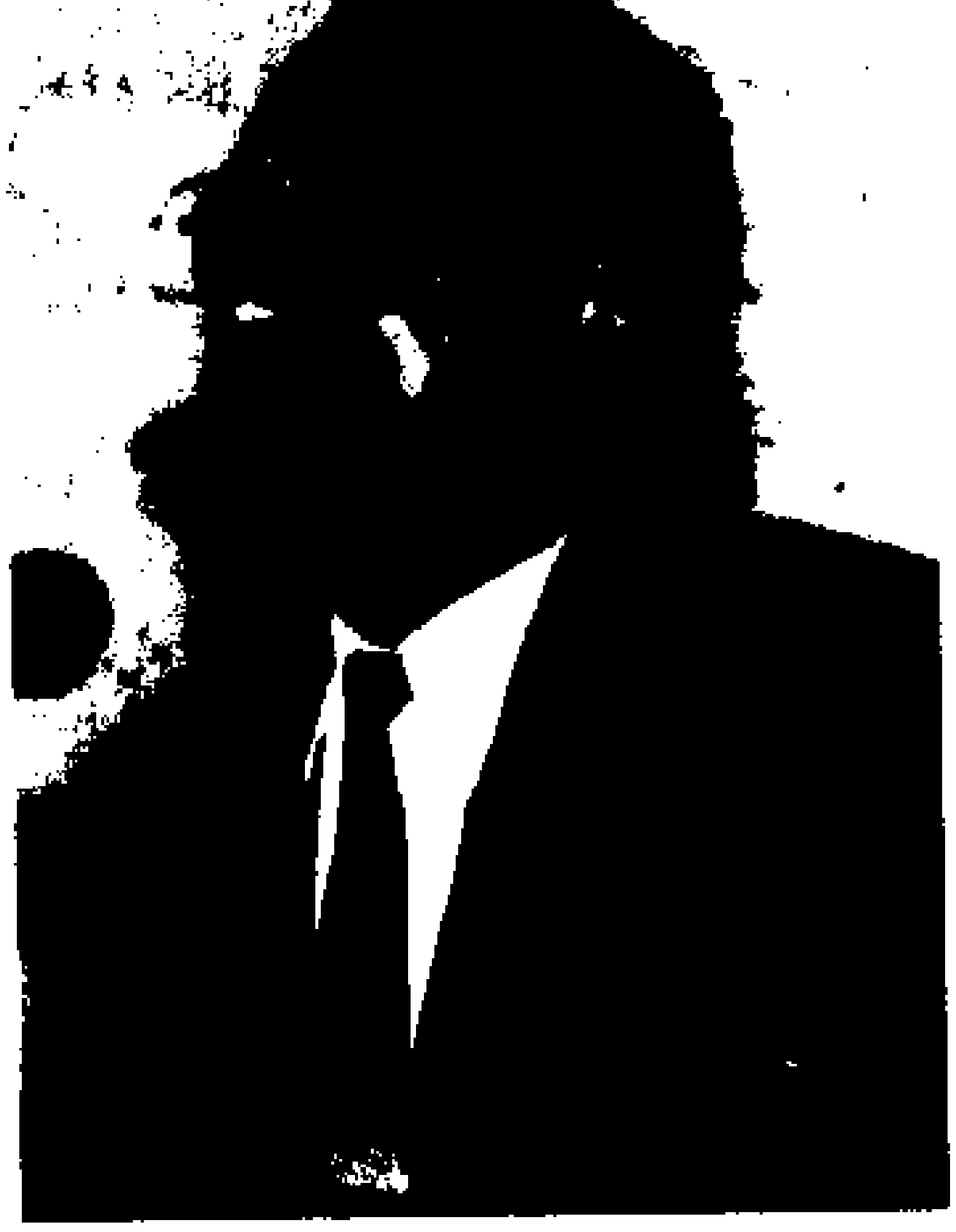

ظفر علی راجا ایک فرد نہیں بلکہ ایک انجمن ہیں، ادیبوں میں ادیب، شاعروں میں شاعر، کالم نگاروں میں کالم نگار، وکیلوں میں وکیل بلکہ وہ ''ون ان ٹین'' (One in Ten) کی واحد مثال ہیں۔

انہوں نے بی اے کی ڈگری شعبہ حیوانات میں ''اینیمل ہسبنڈری'' کالج لاہور سے لی لیکن سرکاری ملازمت کرنے کی بجائے آزاد زندگی کو ترجیح دی اور ایم اے، ایل ایل بی کر کے وکالت کرنے لگے۔ شاعری کا شوق فطری تھا۔ نثر کا اسلوب اپنی مشق سے تراشا۔ ان کی شاعری کی کتابوں میں ''عریاں مکان''۔ ''رقص تمنا۔ اور'' قطعہ کاریاں'' شامل ہیں۔۔ نثر کی کتابوں میں سے ''قائد اعظم اور خواتین''۔۔ ''پسند کی شادی اسلام اور قانون''۔۔ ''ججوں اور وکیلوں کے لطیفے'' اور ''اندازِ پذیرائی'' کو بہت شہرت ملی۔ روزنامہ ''مشرق'' میں ''زاویہ ظفر'' اور ''ظفر موج'' کے نام سے آٹھ سال کالم لکھتے رہے۔ ان دنوں روزنامہ ''نوائے وقت'' میں ہر روز ایک قطعہ لکھتے ہیں اور ہر ہفتے ایک ''زرعی صفحہ'' مرتب کرتے ہیں۔ اس پر مستزاد ان کی قانونی شعبے کی سرگرمیاں ہیں۔ وہ گھر میں ہوں یا دفتر میں۔۔ ان سے قانونی مشورے حاصل کرنے والوں کا ہجوم ہر جگہ موجود نظر آتا ہے۔ ظفر علی راجا ادیبوں اور شاعروں کو مشورے مفت دیتے ہیں۔ انہوں نے ادیبوں کی رائلٹی کے معاملات نمٹانے میں بھی خصوصی خدمات انجام دیں۔ یوم حمید نظامی پر انہیں خاص طور کمپیر نگ کے لیے مدعو کیا جاتا ہے۔ ان کی اس اعلیٰ صلاحیت سے ریڈیو اور ٹیلی ویژن میڈیا بھی استفادہ کرتا ہے۔ ان کے ایوارڈوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ شمار نہیں ہوتی۔

''سفر جاری ہے'' پر انہوں نے ایک نظر افروز طویل مضمون لکھا جو روزنامہ ''راہ تلاش'' اور ''سیارہ ڈائجسٹ'' میں شائع ہوا۔ اللہ انہیں صحت اور عمر خضر عطا کرے۔ وہ پاکستان کے فعال ترین شخص کی مثال ہیں۔

Marfat.com

ظفر علی راجا

شکریہ، بابر مقبول

جموں کشمیر کی سرحد سے چند فرلانگ ادھر تحصیل پسرور کے ایک شمالی گاؤں میں پکی اینٹوں اور کچے صحن والی ایک حویلی اپنی صفات میں سب سے الگ تھی۔ شیشم کے گھنے درخت پر چڑھی ہوئی دیسی توریوں کی بیل، بیریوں پر لگے ہوئے سرخ بیر اور ان کے پہلو میں ٹھنڈے میٹھے پانی کا حامل چھوٹا سا کنواں، یہ سب سہولیات ہمہ وقت آب و دانہ کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے پرندوں کے لئے جنت نگاہ ثابت ہوتی تھیں۔ اس طرح بے شمار مانوس اور اجنبی پنچھی ''رضا کارانہ'' طور پر اس گھر کے باشندے بن چکے تھے۔ ایک طرف تو چہچہاہٹوں اور پھڑ پھڑاہٹوں کی یہ دنیا آباد تھی اور دوسری طرف اس حویلی کے کچے اور سایہ دار صحن کی وسعتوں میں کہیں چرخے اپنی مدھر تانیں اُڑاتے تھے۔۔۔۔ وہی داستانی چرخے۔۔۔ جن کی آواز پر جوگی اپنی تپسیا تج کر پہاڑوں سے اتر آیا کرتے ہیں۔۔۔۔ تو کہیں دہکتا ہوا تندور گندم کی تازہ خوشبو میں مہکتی ہوئی گرم گرم روٹیاں اتارا کرتا تھا۔ کہیں گاؤں کی جوان مٹیاریں سرکنڈے اور کھجور کے پتوں سے رنگ برنگے چھابے، مونڈھے، ٹوکریاں اور چنگیریں بنایا کرتی تھیں اور کہیں جوانی اور بڑھاپے کی سرحدوں پر کھڑی خواتین گاؤں کی سریلی عورتوں سے سوانح نامہ وارث شاہ اور حضرت میاں محمد کے عارفانہ کلام، قلب و روح میں گداز کی صورت یوں جذب کیا کرتی تھیں کہ اس کا عکس ان کی

Marfat.com

خاموش آنکھوں میں آنسو بن کر بولنے لگتا تھا۔ اسی بھاگوں بھری حویلی کے رچاؤ اور سجاؤ میں جنم لینے والا ایک بچہ سب سے الگ تھا۔ عالمی سطح کے پنجابی صوفی شعراء کی تہذیبی خوشبو کو مشامِ جاں میں بسانے والا، ماچھی کی بھٹی سے گڑ ملے گندم، چنے باجرے اور مکئی کے دانے بھنا کر خود کھانے اور ہم جولی بچوں میں تقسیم کرنے والا اور اپنے مزاج میں محبتوں کا والہانہ پن محسوس کرنے والا یہ بچہ جب تنہا ہوتا تو اپنی حویلی کے چوبارے پر آن بیٹھتا تھا۔ جہاں شمالی جانب دنیا کے سب سے اونچے اور سربلند پہاڑ ہمالیہ کی برف پوش چوٹیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ موسمِ گرما کی صبحوں میں صدیوں سے جمی ہوئی ہمالیاتی برف پر سورج کی کنواری کرنیں نہ جانے کیا جادو جگاتی تھیں کہ ان کے "یخ بستہ" سینے سے نکل کر نیلگوں دھاریاں، فضا کی چاندی میں قوسِ قزح کے رنگ بھرنے لگتی تھیں۔

پھر کہیں سے سفید بگلوں کی قطاریں منظر میں نمودار ہوتیں اور چوٹیوں کے عقب میں ریشمی سیاہ زلفوں کی طرح پھیلی ہوئی گھٹائیں ایک پُر امید اور آگے بڑھنے والی زندگی سے بھر جاتیں۔ شاید یہی وہ منظر تھا۔ جس نے اس بچے کی معصوم آنکھوں کو اپنی زندگی میں آگے بڑھنے اور بڑھتے ہی چلے جانے کا خواب عطا کیا۔ اس بچے کا خمیر جس گاؤں کی مٹی سے اٹھا۔ اس گاؤں کا نام دیو وال تھا بلکہ ہے۔ ماں کے ہاتھوں کے پکے ہوئے چاولوں پر چینی اور دہی ڈال کر کھانے اور چھلیاں چبانے والے دیو وال کے اس بچے کے بارے میں کسی کو خبر نہ تھی کہ یہ بچہ بڑا ہو کر دیو وال کی حویلی میں لگے ہوئے گھنے شیشم کی طرح شاخ در شاخ پھیلنے والا پبلشنگ ہاؤس "مقبول اکیڈمی" قائم کرے گا۔ گاؤں کے بچوں میں بھنے ہوئے چنے بانٹنے والا یہ مقبول بچہ پاکستان بھر کی اہل قلم برادری سے احترام اور مقبولیت کی سند حاصل کرے گا اور کتابی دنیا میں ملک مقبول احمد کے نام سے جانا پہچانا جائے گا۔

Marfat.com

ملک مقبول احمد اور میری آشنائی نصف صدی کا قصہ تو نہیں ہے لیکن یہ دو چار برس کی بات بھی نہیں ہے۔ میری قلم زندگی میں 1980ء کی دہائی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ یہ وہ عشرہ ہے۔ جس میں زاویۂ ظفر اور ظفر موج کے عنوان سے میرے کالم پاکستان کے دوسرے اور پنجاب کے سب سے بڑے اخبار ''مشرق'' میں تسلسل کے ساتھ جگہ پاتے تھے۔ اس دوران میں نے مشرق میگزین میں کتابوں کے تعارف کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ جس میں میگزین کا ایک پورا صفحہ کسی ایک قابل ذکر کتاب کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ ایک روز مجھے بنڈل بند دو کتب موصول ہوئیں۔ ایک کتاب کا نام تھا ''تمدِن عرب'' اور دوسری کا عنوان تھا ''تمدِن ہند''۔۔۔ یہ تحقیقی کتب برِصغیر کے نامور قلم کار اور دانشور سید علی بلگرامی نے انگریزی سے ترجمہ کی تھیں اور انہیں ملک مقبول احمد نے زیورِطبع سے آراستہ کیا تھا۔ میں نے دونوں کتب کے لیے میگزین کا پورا ایک ایک صفحہ الگ الگ ترتیب دیا۔ کتب کا تعارف شائع ہونے کے اگلے ہی روز مجھے ایک ٹیلی فون موصول ہوا۔ دوسری طرف ایک دل پذیر آواز نرم اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں مجھے شاباش دے رہی تھی۔ اپنی تعریف کسے اچھی نہیں لگتی۔ یہ تعریف اور اس کا انداز دل کو بہت بھایا۔

؎ فون پر آہستگی سے بولنا اچھا لگا
دھیرے دھیرے کان میں رس گھولنا اچھا لگا

کانوں میں رس گھولتی ہوئی یہ پیار بھری آواز ملک مقبول کی آواز تھی۔ یہ ہماری شناسائی کی ابتدا تھی اور اللہ کے کرم سے آج تک یہ سفر جاری ہے۔

یادش بخیر! جس زمانے میں روز نامہ ''مشرق'' سے میرا قلمی تعلق استوار ہوا۔ مشرق میگزین کی ادارت نامور صحافی خالد محمود کے ذمہ تھی۔ جدید اردو صحافت میں فیچر رائٹنگ کی ابتداء جن معدودے چند صحافیوں نے کی، خالد محمود کا نام ان میں

Marfat.com

شامل تھا۔ انہوں نے انکشافات اور تحقیق پر مبنی فیچر سپرد قلم کر کے روایت کو مضبوط کیا۔ بعدازاں ریاض بٹالوی نے تہلکہ خیز فیچر لکھ کر اس فن اور روزنامہ ''مشرق'' کو بامِ عروج پر پہنچانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ خالد محمود نے 1965ء کی پاک بھارت جنگ اور حضرت علی ہجویری پر تحقیقی کتب تحریر کیں۔ جنہیں ملک مقبول احمد نے خوبصورت انداز میں شائع کیا۔ خالد محمود صحافی اور ادیب تو تھے ہی، ۔۔۔۔۔ موسمی پھولوں اور آرائشی پودوں کی نشوونما کے بھی ماہر تھے۔ اس حوالے سے انہوں نے ایک کتاب ترتیب دی۔ جس کا نام ہم نے '' آنگن پودے'' تجویز کیا۔ جس روز اس کتاب کا مسوّدہ لے کر خالد محمود ملک مقبول احمد سے ملنے اردو بازار گئے۔ مجھے بھی ساتھ لیتے گئے۔ ملک مقبول احمد سے میری یہ پہلی بالمشافہ ملاقات تھی۔ وہ دن اور آج کا دن ۔۔۔۔ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ اگرچہ ان ملاقاتوں میں تواتر اور تسلسل برقرار نہیں رہا لیکن جب بھی ملاقات یا بات ہوتی ہے، روابط میں وقفوں کا اثر ایک لمحے میں زائل ہو جاتا ہے اور بے لوث تعلق داری کا اثر اور بھی نکھر کر سامنے آجاتا ہے شاید ہم دونوں کو

ع یہ بے ترتیب یارانے حسیں معلوم ہوتے ہیں

ملک مقبول احمد کے خمیر میں صوفیہ کی تہذیبی رواداری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ صبر، تحمل، برداشت، محبت اور حسبِ توفیق تعاون ان کی شخصیت کے اساسی عناصر ہیں۔ کتابوں کا کاروبار کرنے والے دوستوں کو قانونی حقوق دلوانے کے لیے ملک صاحب مجھے گاہے بگاہے فون پر ہدایت دیتے رہتے ہیں۔ ہمارے ایک مشترکہ دوست کی کتاب کا مسودہ کہیں گم ہوگیا۔ میں اس کے ساتھ ملک صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ملک صاحب نے خصوصی ہدایات جاری کیں اور اس وقت تک اپنے عملے کو چین سے نہ بیٹھنے دیا، جب تک مسوّدہ دستیاب نہیں ہوگیا۔ برِصغیر

Marfat.com

پاک و ہند کے نامور افسانہ نگار میرزا ادیب کی متعدد کتب مقبول اکیڈمی سے شائع ہوئی ہیں۔ میرزا ادیب کی 75 ویں سالگرہ پر ایک دوسرے پبلشر نے ان کی کتب نئے سرے سے شائع کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ کسی پبلشر سے اس کی شائع کردہ کتب کے کتابت شدہ مسوّدہ جات واپس لینا شیر کے منہ سے نوالہ چھیننے کے مترادف ہوتا ہے۔ میرزا ادیب کمک کے طور پر مجھے شیر کے سامنے لے گئے۔ شیر نے میرزا ادیب کی عمر اور میری مسکینی صورت پر رحم کھایا اور کتابت شدہ مسوّدات میرزا صاحب کے حوالے کر دیئے۔ ظاہر ہے کہ مقبول اکیڈمی کا یہ شیر، ملک مقبول کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔۔۔ ملک صاحب دوستوں کو مطیع کرنے کے علاوہ اور بھی بہت سے نسخوں کو اپنی زنبیل محبت میں جمع کر رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں گاہے بگاہے وہ اپنی طبی معلومات کو بھی کام میں لاتے ہیں۔ سبزیوں، پھلوں اور پانی کے شفائی اثرات کا مطالعہ ان کا دل پسند مشغلہ ہے۔ ان موضوعات پر انہوں نے بطور خاص کتب مرتب کروا کر زیورِ طبع سے آراستہ کی ہیں۔ پاکستان کے معروف مصور اور ڈیزائنر برادرم انیس یعقوب ایک مرتبہ ایسے علیل ہوئے کہ سپیشلسٹ ڈاکٹر بھی عاجز آ گئے۔ ملک صاحب، انیس یعقوب کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے تو مریض کو دوائیاں ترک کرنے اور آبی علاج شروع کرنے کا نہ صرف مشورہ دیا بلکہ علاج کی ترکیب تیار کروا کر دیگر ادویات بند کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ دوائیوں کی کثرت سے تنگ آئے ہوئے مریض نے آبی علاج کا نسخہ آزمایا۔

سپیشلسٹ معالجین سے شکست نہ کھانے والی بیماری ملک صاحب کے آبی علاج کے سامنے آب آب ہو گئی۔ نتیجہ یہ کہ مریض پُراسرار بیماری کے چنگل سے آزاد ہو گیا لیکن عمر بھر کے لیے ملک صاحب کا اسیر ہو گیا۔

اشاعتی دنیا کی گاڑی عموماً تین پہیوں پر چلتی ہے۔۔۔ یعنی ناشر، قلم کار اور

Marfat.com

قاری ۔۔۔تینوں پہیوں میں ناشر ''شاہ پہیے'' کی حیثیت رکھتا ہے۔قلم کار قلم چلانے کی بُری عادت میں مبتلا ہوتا ہے۔ناشر اس کی اس بُری عادت اور اقتصادی بدحالی کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ناشر اور قلم کار کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔اتنی قریبی صحبت کے باوجود ناشر قلم کار کی اس بُری عادت کو اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیتا اور ہاتھ میں کبھی قلم نہیں پکڑتا۔ ملک مقبول احمد کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔انہوں نے ناشر ہونے کے باوجود قلم کاروں کی ''صحبتِ بد'' میں اتنا زیادہ وقت گزارا ہے اور ان کی صحبت کا اتنا اثر لیا ہے کہ خود بھی قلم کار بن گئے ہیں۔اب یہ قلمی سفر جاری ہوا ہے تو ان کے عزائم سے لگتا ہے کہ ان کا قلم قدم بہ قدم آگے بڑھتا رہے گا۔

ملک مقبول احمد کی اوّلین تخلیق ''سفر جاری ہے'' در اصل ان کی داستان حیات ہے۔ جو غریب و سادہ بھی ہے اور رنگین بھی ۔۔۔ان کے اُسلوبِ نگارش میں رومان کا رنگ بھی ہے اور تلخیِ حیات کا انگ بھی ۔۔۔۔دیہات کی سی سادہ کاری بھی ہے اور شہر کی سی پُرکاری بھی ۔۔۔۔سنگلاخ حقائق کا بیان بھی ہے اور نازک آبگینوں کو ٹھیس نہ لگنے کا دھیان بھی ۔۔۔بچپن کی شوخی بھی ہے اور بڑھاپے کی سنجیدگی بھی ۔۔۔۔بھاری وضع داری بھی ہے اور ہلکی پھلکی طنز نگاری بھی ۔۔۔۔انہوں نے سچ اور صرف سچ لکھا ہے اور خوب لکھا ہے۔کتاب کا مطالعہ قاری کو نت نئی حیرتوں میں مبتلا کرتا اور اس گمان کو یقین میں بدلتا چلا جاتا ہے کہ ملک مقبول احمد کی ذات میں ایک دیدہ ور ادیب ایک عمر سے خیمہ زن تھا۔لیکن خیمے کے دروازے پر ایک سخت گیر ناشر کا قبضہ تھا۔اب اس ناشر نے خیمے کی نگہبانی اپنی اگلی نسل کے سپرد کی ہے تو اس خیمۂ ذات میں مقیّد ادیب بھی حبسِ بے جا سے آزاد ہو گیا ہے۔ادیب اور سوانح نگار ملک مقبول احمد کی آپ بیتی اس بات کی گواہ ہے کہ وہ حروف سے تصویریں بنانے اور پھر حقیقت نگاری کے جادو سے ان تصویروں

Marfat.com

میں جان ڈالنے کا ہنر جانتے ہیں۔ انہوں نے اپنے بچپن کی 70 سال پرانی یادوں کو اس مہارت سے قلم بند کیا ہے کہ بظاہر سادہ سی دکھائی دینے والی یہ تحریریں گزرے ہوئے ایک پورے دور کو قاری کے پردۂ بصارت پر دوبارہ زندہ اور متحرک کر دیتی ہیں اور ماضی کی دھول میں دبا ہوا ایک ایک منظر دوبارہ سانس لیتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے اور کہیں کہیں بے لوث جذبوں کا سمندر، آنکھوں کی جھیل میں آنسوؤں کی صورت میں سمٹ آتا ہے۔

سیالکوٹ کے ایک نواحی گاؤں میں پھوڑے پھنسیوں پر جونکیں لگا کر علاج کرنے والے جوگیوں، دیہاتی ناٹک میں سوانگ رچانے والے راس دھاریوں، ڈُگڈگی بجا کر تماشا دکھانے والے مداریوں، قلا بازی کے کرتب دکھانے والے شعبدہ بازوں اور تنے ہوئے رسے پر توازن برقرار رکھ کر چلنے والے بازیگروں کو دیکھنے اور خوش ہونے والے بچے مقبول احمد کو کیا خبر تھی کہ جب وہ زندگی کے سفر میں معاشی منزل تک پہنچنے کے لیے عروس البلاد لاہور شہر میں اپنی جدوجہد کا آغاز کرے گا تو یہی کھیل تماشے وہ کسی اور رنگ میں دیکھے گا۔ سکول ماسٹر مقبول احمد سے پاکستان کے ممتاز ناشر ملک مقبول احمد بننے تک اسے قدم قدم پر ایسے بہت سے لوگوں سے واسطہ پڑا۔ علاج کے بہانے خون چوسنے والی جونکوں، ہمدردوں کے روپ میں سوانگ بھرنے والے راس دھاریوں، ڈگڈگی بجا کر تماشا جمانے والے رہنماؤں، الٹی قلابازیاں لگانے والے بہت سے مہربانوں کی تمام مہربانیوں کے باوجود ملک مقبول احمد نے زندگی کے بانسوں کے درمیان تنے ہوئے حالات کے رسے پر توازن برقرار رکھا اور کامیابی کی منزل تک پہنچنے میں کامیاب رہے۔ ملک مقبول احمد کی سوانح عمری اسی کامیاب سفر کی منفرد کہانی ہے۔ ملک مقبول احمد کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کے منفی کرداروں کو مروّت کے پردے میں گمنام اور مثبت

Marfat.com

کرداروں کو باتصویر اجاگر کرنے کی روش اپنائی ہے۔ اس طرح وہ ان بہت سے سوانح نگاروں سے الگ کھڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، جو سابقہ دوستوں کی بشری کمزوریوں اور منافقتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور ان کی کردار کشی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے صفحۂ قرطاس پر ثبت کر دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے ''سفر جاری ہے'' ملک مقبول احمد کی ایک ایسی آپ بیتی ہے، جس میں وہ اعلیٰ انسانی اقدار کی پاسداری کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بعض مراحل پر گمان گزرنے لگتا ہے کہ ملک مقبول احمد صاحب کتاب بھی ہیں اور خود ایک کھلی کتاب بھی۔۔۔۔ایک مقام پر ملک صاحب نے مندرجہ ذیل الفاظ تحریر کیے ہیں، جو میرے گماں کو یقین میں بدلنے کے لیے کافی ہیں۔

> ''مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی شرم، جھجک اور کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ میں تعلیمی سرٹیفکیٹوں، ڈگریوں اور دستاویزی حوالوں سے انتہائی کم علم ہوں لیکن پھولوں کے درمیان رہ کر خوشبودار ہو جانے والی مٹی کی طرح میں بھی اُدباء، شعراء، مُصنّفین، مترجمین، معلمین، محققین اور عالی ظرف انسانوں اور کتابوں کے واقعی جمال سے فیض یاب ہوا اور میں خود بھی ایک کتاب بن کر رہ گیا۔''

بچپن میں اپنی بھینسوں کے لیے گھاس کھود کر لانے اور کھیت کنارے بیٹھ کر سیف الملوک کے بول الاپنے والے ملک مقبول احمد نے دنیائے علم و ادب کے جن پھولوں کا تذکرہ کیا ہے، ان میں رئیس احمد جعفری، احسان دانش، احسان الحق سلیمانی، حمید کاشمیری، ایم اسلم، ساغر صدیقی، مولانا محمد بخش مسلم، سید عابد علی عابد، عبادت بریلوی، شاہد احمد دہلوی، میرزا ادیب، اے حمید، مولانا حامد علی خان اور سید قاسم محمود

Marfat.com

جیسے نابغہ روزگار لوگ شامل ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس مٹی میں اوّلین چنبے کی بوٹی ان کے والد حاجی لال دین کی شفقت نے لگائی تھی اور ان کی والدہ، ''بے جی'' کی نظرِعنایت نے اس بوٹی میں وہ لازوال مشک مچائی کہ جس نے ملک مقبول احمد کو دنیائے آگہی کے خوشبودار پھولوں میں ایک الگ پہچان دی۔ ملک مقبول احمد کی سوانح عمری اس بات کی گواہ ہے کہ وہ اپنی مٹی میں گُندھی ہوئی اس خوشبو کو بلاشرکتِ غیرے صرف اپنے لیے مخصوص نہیں سمجھتے بلکہ ایک امانت خیال کرتے ہیں اور اسے اگلی نسلوں کو منتقل کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ بھوتوں اور پریوں کے بجائے پوتوں، پوتیوں اور نواسیوں کو شب خوابی سے قبل اپنی داستانِ حیات سناتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ رات کے گہرے سناٹوں میں ان کی نواسی ماریہ کے سوالات، ان کی یادداشت پر گزرے ہوئے ماضی کی چاپ کو زندہ کرتے ہیں اور ان کے پوتے بابر مقبول کا مسلسل اصرار، انہیں اپنی سوانحِ حیات کو کتاب کی صورت دینے پر اُکساتا ہے۔ جب میں سوچتا ہوں کہ اگر بابر مقبول اپنے دادا کو ناشر سے ادیب بننے پر مجبور نہ کرتا تو سکول سے بھاگ کر بٹیرے پکڑنے اور راستہ روکنے والی بلاؤں سے خوف زدہ رہنے والے مقبول احمد کی سچی کہانی سے ہم محروم رہ جاتے اور اس جدوجہد سے آشنا نہ ہو پاتے، جس کے نتیجے میں ایک چھوٹے سے گاؤں کا یہ چھوٹا بچہ بڑے شہر کا ایک بڑا آدمی بن کر سامنے آیا۔ ''سفر جاری ہے'' کا مطالعہ ختم کرتے ہوئے میرا دل ملک مقبول احمد کے لیے تحسین اور بابر مقبول کے لئے شکر گزاری کے جذبات سے لبالب ہوگیا اور دل سے نکل کر بے اختیار دو جملے ہونٹوں تک آ گئے۔

مبارک۔۔۔۔ملک مقبول احمد

شکریہ۔۔۔۔بابر مقبول

روزنامہ ''راہ تلاش'' لاہور

سیارہ ڈائجسٹ لاہور

Marfat.com

جناب محمد عامر ہاشم خاکوانی

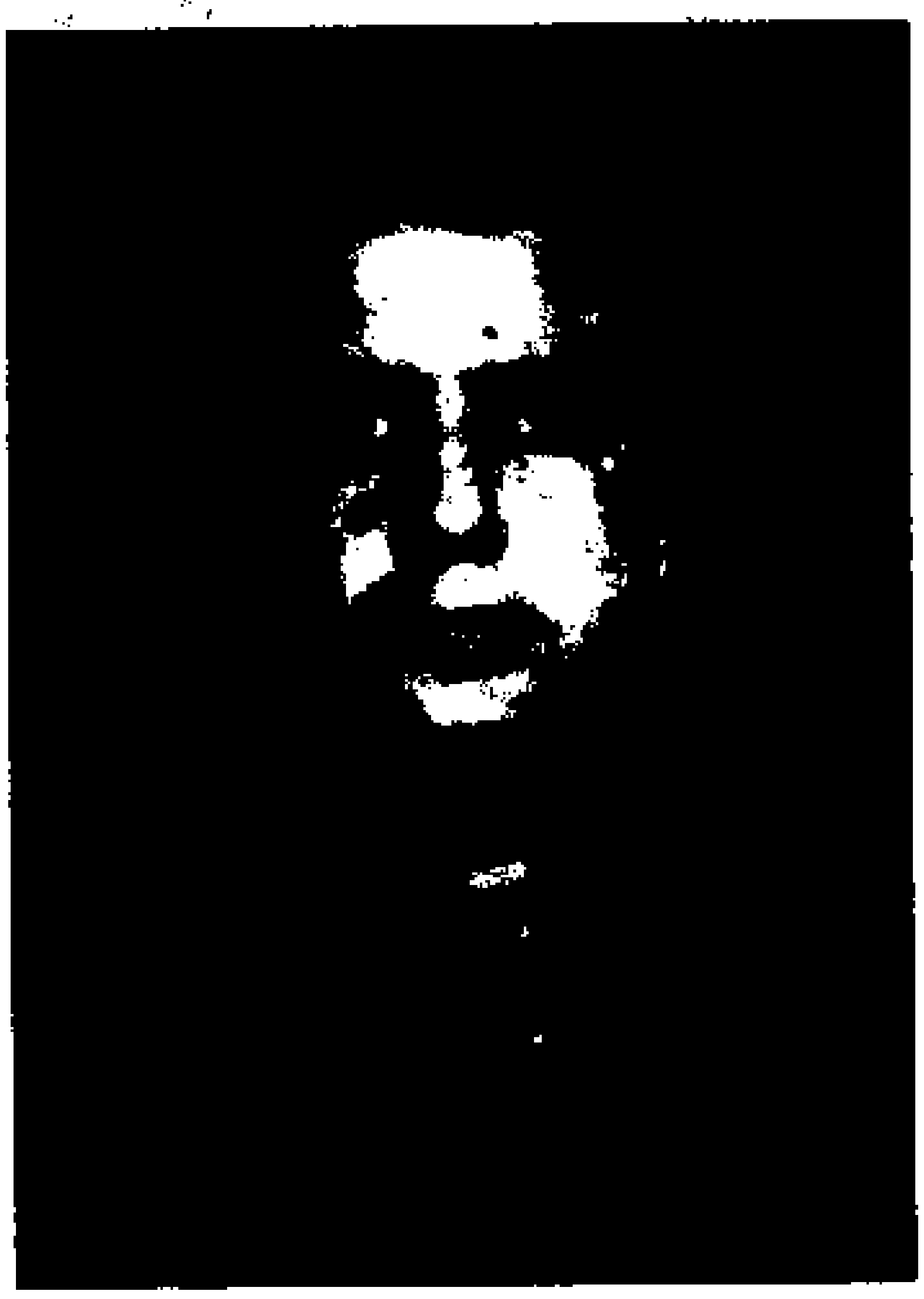

اردو صحافت سے جن نوجوانوں نے حال ہی میں اپنے فن اور قابلیت کا لوہا اپنی محنت اور کارکردگی سے منوایا ہے ان میں محمد عامر ہاشم خاکوانی بھی شامل ہیں۔ اہم بات یہ کہ انہوں نے شعبہ صحافت اپنی پسند سے اختیار کیا اور پھر اپنی کامیابی نئی راہوں سے تراشی۔

عامر خاکوانی 1971ء میں جنوبی پنجاب کے ایک علم دوست گھرانے میں پیدا ہوئے۔ طالب علمی کے زمانے میں ان کے اساتذہ انہیں اچھے طلبا میں شمار کرتے تھے۔ انہوں نے قانون کی تعلیم حاصل کی لیکن وکالت کو پیشہ نہیں بنایا بلکہ اپنے ذوق کی راہنمائی میں صحافت کی طرف آ گئے۔ 1995ء میں ''اردو ڈائجسٹ'' سے وابستہ ہوئے اور ''فیچر نگاری'' میں خصوصیت حاصل کی۔ ان کی اگلی منزل روزنامہ ''جنگ'' لاہور تھی جہاں انہوں نے تین سال تک اعلیٰ خدمات انجام دیں۔ لاہور سے ''ایکسپریس'' جاری ہوا تو وہ اس اخبار کے ساتھ وابستہ ہو گئے اور اب تک ''وفاداری بشرط استواری'' کی مثال ہیں۔

عامر خاکوانی صاحب کا مطالعہ وسیع ہے۔ تجزیہ نگاری ان کا خصوصی میدان ہے۔ ایکسپریس میں ''نگار'' کے عنوان سے کالم لکھتے ہیں۔ سنڈے میگزین میں تفصیلی انٹرویوز لیتے اور شخصی پروفائلز تیار کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں انہوں نے ڈاکٹر وزیر آغا کا جو انٹرویو لیا تھا اس نے تنازعہ پیدا کیے بغیر بڑی شہرت حاصل کی۔

''سفر جاری ہے'' پر انہوں نے ''سنڈے ایکسپریس'' میں تبصرہ لکھا تھا۔

Marfat.com

ع خاکوانی

سفر جاری ہے

ملک مقبول احمد لاہور کے معروف ناشر ہیں ، ان کا اشاعتی ادارہ مقبول اکیڈمی پچھلے دو تین عشروں سے دیدہ زیب کتابیں شائع کر کے اردو کے قارئین کو محظوظ کر رہا ہے۔ ملک مقبول احمد ایک سیلف میڈ انسان ہیں ، انہوں نے بڑی محنت اور جدو جہد سے اس مسابقت سے بھرپور اشاعتی دنیا میں ایک خاص مقام حاصل کیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب ان کی خودنوشت ہے، جس میں انہوں نے بڑے سادہ اور دلچسپ انداز میں اپنے سفرِ حیات کو بیان کیا ہے۔ اس کتاب کو چار حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ تقریباً 170 صفحات میں انہوں نے اپنے سفرِ زیست پر نظر ڈالی ہے۔ پچاس ساٹھ صفحات میں ان مُصنّفین کا تذکرہ ہے، جن سے بطور ناشر ان کا تعلق رہا جبکہ تقریباً نوے صفحات پر مشتمل ادیبوں کے وہ کاروباری نوعیت کے خطوط ہیں، جو انہوں نے ملک مقبول احمد کے نام لکھے، باقی صفحات میں ان اخباری تبصروں کی تفصیل ہے، جو مقبول اکیڈمی کی کتابوں پر کیے گئے۔ معروف نقاد ڈاکٹر انور سدید نے اس کتاب کے فلیپ پر لکھا ہے، ''یہ اُردو کے کسی ناشر کی پہلی ادبی آپ بیتی ہے۔ ملک مقبول احمد نے اپنی زندگی کو انکسار اور صداقت سے پیش کر دیا ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں زیب داستان سے کام نہیں لیا گیا، انہوں نے اپنے

Marfat.com

ابتدائی حالات کو سچائی سے پیش کیا ہے۔'' معروف مؤلف و مصنّف ڈاکٹر صفدر محمود نے لکھا ہے، '' ملک مقبول کا اُسلوب نہایت دلچسپ ہے، ان کے زبان و بیان اور طرزِ تحریر پر ادبی رنگ غالب ہے۔ یہ کتاب گوناگوں تجربات و حوادث اور مشاہدات سے سجی ہوئی ہے۔ اس حوالے سے یہ کتاب سوانح عمریوں میں ایک اہم اضافہ ہے۔''

(روزنامہ سنڈے ایکسپریس۔ یکم اپریل 2007ء)

Marfat.com

جناب عباس خان

جناب عباس خان اردو ادب کی ان شخصیات میں شمار ہوتے ہیں جو اہلِ تصوف کی طرح اپنے نام سے بھی پردہ کرتے ہیں ۔ اردو کے لوگ شاید اس حقیقت سے آشنا نہ ہوں کہ عباس خان کے اصلی نام سے ناول اور افسانے لکھنے والا ادیب ہائی کورٹ لاہور سے جج کے عہدے سے ریٹائر ہوا ہے اور اب کل وقتی ادیب کی خدمات انجام دے رہے ہیں اور نمود و نمائش سے بے نیاز رہنے کی کوشش کو اپنا اسلوب حیات بنا رکھا ہے

عباس خان 5 دسمبر 1943ء ضلع بھکر کی بستی گجر میں پیدا ہوئے لیکن اب مستقل طور پر ملتان میں قیام پذیر ہیں ۔ انہوں نے ایم اے ایل ایل بی تک کی تعلیم پنجاب یونیورسٹی سے مکمل کی ۔ مقابلے کا امتحان پاس کر کے عدلیہ میں شامل ہوئے اور سول جج سے ترقی کرتے کرتے عدالت ہائے احتساب کے جج کے عہدے تک پہنچے ۔ اس محکمہ میں ان کی دیانت اور امانت ضرب المثل کی طرح مشہور تھی ان کا ادب کا شوق فطری تھا ۔ انہوں نے اپنے اظہار کے لیے افسانہ اور ناول کی صنف منتخب کی اور عوام سے گفتگو کا خیال آیا تو روز نامہ ''نوائے وقت'' میں کالم لکھنے لگے ۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ادب سے ان کا ناتہ قائم ہے ۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے آبائی پیشہ کاشتکاری کی بھی تجدید کی ہے ۔

ان کے ناول ''زخم گواہ ہیں'' ۔ ''تو اور تو'' ۔ ''میں اور امراؤ جان ادا'' چھپ چکے ہیں کالموں کے پانچ مجموعے اس کے علاوہ ہیں ۔ کالموں کا مجموعہ ''دن میں چراغ'' کے نام سے چھپا اور اس کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے ۔

''سفر جاری ہے'' پر انہوں نے جو مقالہ عنایت فرمایا ہے ۔ اس کا عنوان ہے

''سلطنت دل و جاں''

Marfat.com

عباس خان

سلطنتِ دل و جاں

خود آگہی ایک ایسی منزل ہے، جہاں پر صرف وہ ہستیاں پہنچ پائیں، جو ہمّت و استقلال کا پیکر تھیں۔ اس منزل پر پہنچنے والی ان ہستیوں میں مقبول اکیڈمی جیسے ایک گراں بہا ادارے کے بانی ملک مقبول احمد شامل ہیں۔

خود کو خود سے علیحدہ کر کے احتساب کے لیے اپنے سامنے کھڑا کرنا اس منزل کی طرف لے جانے والا واحد راستہ ہے، جو اس راستے سے گزر کر اس منزل پر پہنچے، وہ تاریخ و جغرافیہ کو اپنے تابع کر گئے۔ رُوسو، سوئیکارنو، مہاتما گاندھی، ڈاکٹر طٰہٰ حسین، سارتر اور نیلسن منڈیلا کی سوانح عمریاں وقت کی عدالت میں اس دعوے کا ناقابلِ تردید ثبوت ہیں۔

مجھے سوئیکارنو کی سوانح عمری نے بہت متاثر کیا ہے۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ سوئیکارنو کی زندگی نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو افسانے سے بڑھ کر دلچسپ ہے۔ اس جہانِ آہ و فغاں میں یہ ایک رومان پرور مرغزار ہے۔ ملک مقبول احمد کی خودنوشت سوانح عمری مجھے بذریعہ ڈاک ملی۔ مجھے لگا کہ ہمچو ما دیگرے نیست ثابت کرنے کی یہ ایک اور کوشش ہے۔ میں نے چنانچہ اس کو ایک طرف رکھ دیا۔ ایک روز جب میرے مطالعے کے لیے میرے پاس کچھ

Marfat.com

نہ تھا تو میں نے نیم دلی سے اس کو اٹھا کر پڑھنا شروع کیا۔ میں نے بہت جلد محسوس کیا کہ یہ میرے ہاتھوں میں نہیں بلکہ میں اس کے ہاتھوں میں ہوں۔ میں جب اس کو پڑھ چکا تو میں میدانِ اشاعتِ علم و ادب میں حیاتِ سویکارنو کی مانند اس کی آہنی گرفت میں تھا۔

فلسفۂ قانون میں یہ سوال اُٹھا کہ انسان کیا ہے۔ جواب آیا کہ انسان وہ کچھ ہے جو دوسرے اُس کو سمجھتے ہیں۔ دوسروں نے اُن کو جو سمجھا ہے وہ ہر آدمی کی آرزو ہے۔ سوانح عمری کے آغاز میں اہل دانش کی اُن کے بارے میں آراء اُن کی زندگی کے تمام منور گوشے سامنے لاتی چلی گئی ہیں۔ ان آراء کے بعد وہ اپنی روح کی دریافت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ برٹرینڈ رسل کا کہنا ہے کہ ہر اہم بات سادہ ہوتی ہے۔ اُن کی زندگی ایک سیدھی سادی حقیقت ہے لہٰذا وہ اہمیت حاصل کر گئی ہے، جو خود بینی، خدا بینی اور جہاں بینی کے یکجا ہونے سے بنتی ہے۔ کتاب کا ایک حصّہ اُن شخصیات کے متعلق ہے، جنہیں اُن کا قُرب حاصل رہا یا حاصل ہے۔ جمالِ ہم نشینی کی اپنی ایک تاثیر ہے۔ اُن کی تعمیر میں اس تاثیر کا ایک بڑا حصّہ ہے۔

اُنہوں نے خود کو لکھے گئے بہت سارے خطوط بھی شائع کیے ہیں۔ خط لکھنے والے کے دِل کے نہاں خانوں کی الٹرا ساؤنڈ رپورٹ ہوتی ہے۔ اس سے لکھنے والے اور وہ جس کو یہ لکھے گئے ہیں کی شخصیات واضح طور پر سامنے آجاتی ہیں۔ ان خطوط نے لکھنے والوں اور ملک مقبول احمد کو اُس سطح پر دکھایا ہے، جس پر اُنہیں ہونا چاہیے۔ ذرا غلام جیلانی برق کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمایئے۔ ''آپ کا شمار یقیناً اُن لوگوں میں ہوتا ہے، جو اسلامی تہذیب و ثقافت اور علوم و فنون پہ کتابیں شائع کر کے اسلام کی حیاتِ ثانیہ کو قریب سے قریب تر لا رہے ہیں۔'' میرزا ادیب لکھتے ہیں، ''میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے ایک ایسے

Marfat.com

شخص سے ملایا ہے جو ناشر کم اور انسان زیادہ ہے' اے۔حمید کے نزدیک، ''آپ ہماری دوستی اور ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔'' مشفق خواجہ کے قلم سے یہ الفاظ نہایت اہم ہیں۔'' آپ اُردو زبان وادب کی جو خدمت کر رہے ہیں، اس کے لیے وہ تمام لوگ آپ کے شکر گزار ہیں، جنہیں اُردو زبان وادب سے دلچسپی ہے۔'' ڈاکٹر انور سدید کی رائے میں، ''دُنیا میں انسان کی سب سے اچھی دولت یہ ہے کہ اُسے چند اچھے دوست مل جائیں۔ مجھے اپنی خوش قسمتی کا اس زاویے سے پورا احساس ہے۔''

آخر میں مقبول اکیڈمی کی مطبوعہ کتابوں پر کچھ تبصرے اور کالم ہیں۔ جن اخبارات و رسائل میں یہ تبصرے شائع ہوئے ہیں، اُن کے حصار میں داخل ہونا جنگ ٹرائے کے مترادف ہے۔ اُن کی کتابوں نے یہ جنگ عظیم الشان طریقے سے جیتی ہے۔

اس سوانح عمری کی محض ترتیب ہی اس سچ کا پتا دیتی ہے کہ مرتب ایک بہت بڑا ذہین، منظم اور صاحبِ ذوق ہے۔ اُس کو اپنے نصب العین سے عشق ہے۔ اس بات سے کس کو انکار ہے۔

ہرگز نمیرد آں کہ دِلش زندہ شُد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

Marfat.com

جناب علامہ عبدالستار عاصم

علامہ عبدالستار عاصم کا اوڑھنا بچھونا صحافت ہے۔ان کا قلم الفاظ کے گل ہائے شگفتہ بکھیرنے میں شہرت رکھتا ہے۔ ان کی تاریخ پیدائش 14 اگست 1970ء اور مولد شیخوپورہ ہے۔ ایم اے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے صحافت کے میدان میں قدم رکھ دیا۔ اور کالم نگاری کے علاوہ فیچر نویسی کرنے لگے۔ ان کے مضامین ملک کے تمام ادبی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی رسائل میں چھپنے لگے اور ان کا معیار اتنا بلند تھا کہ انہیں ''علامہ'' تسلیم کرلیا گیا۔اس دوران انہوں نے ''القلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل'' کی بنیاد رکھی۔ شرق پور شریف گئے تو صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب کی مجلس میں بیٹھنے اور ان کی باتیں سننے کا شرف حاصل ہوا تو علامہ عبدالستار عاصم کی زندگی کا رخ بھی بدل گیا۔ان کی سوچ پہلے افقی تھی اب عمودی ہوگئی اور تصنیف و تالیف کی طرف آ گئے۔ ''انوارِ جمیل'' کے نام سے حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری کے حالات حیات قلم بند کیے۔ مولانا عبدالکریم ابدالوی کا تذکرہ تالیف کیا۔ ''ذرہ سے آفتاب'' کے عنوان سے مشہور صنعت کار میاں محمد شریف پر ایک کتاب ان کی وفات کے بعد مرتب کی، جناب ندیم اُپل کی گرانقدر تالیف ''خبر قبیلہ'' اپنے ادارے سے شائع کی۔ علامہ عبدالستار عاصم کا جنون کبھی فارغ نہیں بیٹھا۔اب وہ ''تاریخ پٹیالہ''۔ ''تاریخ پنجاب'۔ ''کلیات گیلانی'' اور ''صحافت شہر لاہور'' پر کام کر رہے ہیں۔ان دنوں روزنامہ ''نوائے وقت''۔ روزنامہ ''اساس'' اور روزنامہ ''خبریں'' کے علاوہ کئی اخبارات میں کالم لکھتے ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا تبصرہ ان کی کشادہ نظری کا مظہر ہے۔ انہوں نے یہ تبصرہ لاہور کے بے شمار اخبارات میں چھپوایا ہے۔اور کتاب کی رونمائی کی تقریب بھی منعقد کی۔

علامہ صاحب! آپ کا شکریہ

Marfat.com

عبدالستار عاصم

''بڑے لوگ'' قد سے نہیں اپنے کارناموں سے پہچانے جاتے ہیں

زندہ قوموں کے اکابرین اپنی عملی زندگی کے تجربات آنے والی نسلوں کو منتقل کر کے اپنا ''فرض'' تاریخ کے سپرد کر کے روشن مثالیں قائم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ''بڑے لوگ'' قد سے نہیں بلکہ اپنے کارناموں سے بڑے ہوتے ہیں۔ ان عظیم لوگوں میں سے ایک نام ملک مقبول احمد ایم ڈی مقبول اکیڈمی کا بھی ہے جنہوں نے جہد مسلسل سے اپنی دنیا آپ پیدا کی ہے۔ انہوں نے اپنی نصف صدی کی کاوشوں کی خوبصورت کہانی کو ''سفر جاری ہے'' کے نام سے خودنوشت لکھ کر تاریخی ادبی کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ ایسے عظیم نابغہ روزگار شخصیات صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں۔ ان خیالات کا اظہار ممتاز ادیب کالم نگار علامہ عبدالستار عاصم چیئرمین قلم فاؤنڈیشن نے مزنگ چونگی آفس میں ملک مقبول احمد کی سوانح عمری ''سفر جاری ہے'' کے اعزاز میں ایک پروقار تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ ''سفر جاری ہے'' ملک صاحب کی زندگی کے تمام تجربات کا مثبت نچوڑ ہے بلکہ یہ ان کا ذاتی انسائیکلو پیڈیا یہ نئی نسل خصوصاً وہ نوجوان جو اپنی دنیا آپ پیدا کرنا چاہتے ہیں ان کیلئے مشعل راہ اور ''درس گاہ'' کی حیثیت رکھتی ہے انہوں نے جہد مسلسل سے دنیا کو ثابت کیا ہے کہ

Marfat.com

اگر انسان خلوص نیت سے اپنی زندگی کی شاہراہ پر ''سفر جاری'' رکھے تو ایک دن کامیابی و کامرانی خود ان کے قدم چوم لیتی ہے۔ اگرچہ وطن عزیز میں سوانح عمریاں لکھنے کی روایات بہت کم ہے مگر ترقی یافتہ ممالک میں بڑے اور کامیاب لوگ اپنی سوانح حیات ضرور لکھتے ہیں۔ اور ان معاشروں میں دانشور کمیونٹی کا بے حد احترام کیا جاتا ہے۔ البتہ وطن عزیز میں ادیبوں، شاعروں، دانشوروں کی وہ عزت اور احترام نہیں جو یورپی معاشرے میں انہیں حاصل ہے۔

روزنامہ ''نوائے وقت'' ، روزنامہ ''آواز''
روزنامہ ''نیا اخبار'' ، روزنامہ ''پاکستان''
13 ستمبر 2007ء
رونامہ ''جرات'' لاہور
14 ستمبر 2007ء

Marfat.com

جناب پروفیسر عبدالعلیم صدیقی

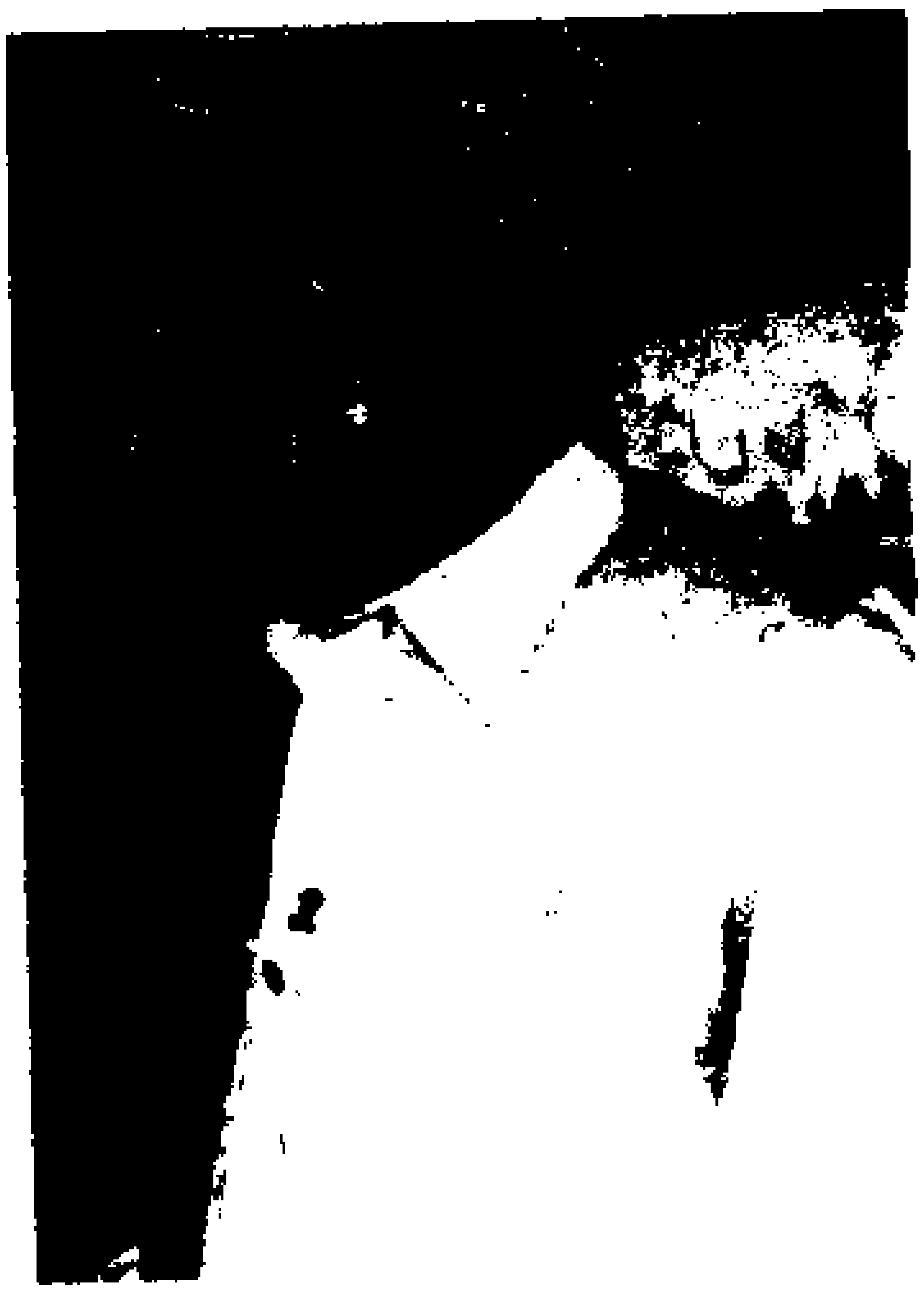

پروفیسر عبدالعلیم صدیقی کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے علامہ اقبال کے فارسی کلام کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے اور فروغِ فکر اقبال میں ان کی یہ خدمات پوری اردو دنیا میں سراہی گئی ہیں۔اس کتاب پر آپ نے صدارتی ایوارڈ حاصل کیا۔

عبدالعلیم صدیقی صوبہ یوپی (بھارت) کے مشرقی ضلع سلطان پور میں 1925ء میں ایک تعلیم یافتہ زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم سلطان پور اور فیض آباد میں حاصل کرنے کے بعد الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ تاریخ اور فارسی ان کے اختصاصی مضامین تھے۔ان کا ابتدائی رجحان صحافت کی طرف تھا۔ چنانچہ کالج کے زمانے میں ہی روزنامہ ''شفق'' کے معاون مدیر بن گئے۔ جون 1947ء میں اس اخبار کے ایڈیٹر مقرر کر دیئے گئے۔ ہجرت کر کے پاکستان آئے تو گورنمنٹ انٹر کالج راولاکوٹ میں درس و تدریس کرنے لگے۔1956ء میں پنجاب یونیورسٹی سے اردو میں ایم اے کیا اور لیکچرار کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ انہوں نے آزاد کشمیر میں باغ اور پلندری کے کالجوں میں پرنسپل کی خدمات انجام دیں اور 1985ء میں ریٹائر ہو گئے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اقبالیات کے لیے وقف کر دیا۔اور شاعری کے ذوق کو منظوم تراجم میں استعمال کرنے لگے۔کلام اقبال کے ان کے منظوم تراجم ''سیر افلاک''۔''نوائے شرق''۔''نغمہ سروش''۔''جہانِ خودی''،''جہانِ بے خودی''۔۔ ''ارمغانِ مشرق'' مقبول اکیڈمی سے شائع ہو چکے ہیں۔

یہ منظوم تراجم کلیات اقبال (فارسی) کے نام سے بھی شائع کی گئی ہے۔

عبدالعلیم صدیقی صاحب نے ''سفر جاری ہے'' پر اپنا تبصرہ دعائیہ کلمات پر ختم کیا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرمائے۔

Marfat.com

پروفیسر عبدالعلیم صدیقی

سفر جاری ہے

''سفر جاری ہے'' ملک مقبول احمد کی زندگی کی خودنوشت روداد ہے جسے پڑھ کر دل سے دعا نکلی کہ خدا کرے یہ سفر تادیر جاری رہے اور وہ علم وادب کی خدمت میں اسی طرح فعال وسرگرم رہیں۔ یہ ایک ایسے انسان کی سرگزشت ہے، جو اپنی خداداد صلاحیتوں، غیر رسمی مطالعہ ومشاہدہ اور پیہم کوشش، محنت اور لگن سے ''اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے'' کی عملی تفسیر اور نوجوانوں کے لئے مشعلِ راہ بن گیا۔ اِس وقت ان کا شمار مُلک کے معروف وممتاز ناشرین میں ہوتا ہے۔

انہوں نے اس دوران پیش آنے والی مشکلات اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی داستان کو صداقت کے ساتھ بلاکم وکاست بیان کر دیا ہے۔ نہ کہیں مبالغہ سے کام لیا ہے نہ کوئی بات چھپانے کی کوشش کی ہے۔

یہ آپ بیتی بلاشبہ اُردو کی سوانح عمریوں میں ایک گراں قدر اضافہ ہے اور انہوں نے اتنا بڑا کام اس قدر خاموشی سے انجام دیا کہ ان سے برسوں کی دوستی کے باوجود میں اِس بات سے بے خبر رہا کہ ان کے باطن میں ایک لکھاری موجود ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نام ونمود پسند نہیں کرتے۔ ''سفر جاری ہے'' کی زبان سادہ، سلیس اور بامحاورہ ہے۔ ادبی چاشنی ودلآویزی سے عاری نہیں۔ یہ ان کے وسیع مطالعہ کی غماز ہے۔ ایک ناشر ہونے کے ناتے انہیں اس دور کے بہت سے مشہور

Marfat.com

ادیبوں اور شاعروں سے ملنے اور ان کی کتابیں شائع کرنے کا اتفاق ہوا جن کا ذکر انہوں نے کتاب میں ''چند مُصنّفین کا تذکرہ'' کے عنوان سے کیا ہے، ان کے بعض خطوط اور اپنے ادارہ مقبول اکیڈمی کی مطبوعہ کئی کتابوں سے متعلق تبصرے بھی چھاپ دیے ہیں۔ اس طرح بقول ڈاکٹر صفدر محمود ''سفر جاری ہے'' کو ایک غیر معمولی ادبی دستاویز کی شکل دے دی ہے''۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مزید کامرانیاں عطا فرمائے۔ آمین!

Marfat.com

جناب پروفیسر عثمان علی

پروفیسر عثمان علی شمالی علاقہ جات کی پسماندگی کو علم کی روشنی سے دور کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ انہیں اس علاقے کا سرسید کہا جاتا ہے۔ محلّہ کشروٹ ضلع گلگت 4 جون 1934 کو جناب محمد یوسف کے ہاں جو فرزند پیدا ہوا وہ نوجوان ہو کر ارجمند نکلا۔ ان کا نام عثمان علی رکھا گیا۔ انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم علاقائی مدرسوں میں حاصل کی۔ پشاور یونیورسٹی سے طلائی تمغے کے ساتھ بی ایڈ کیا۔ بعد میں ایم اے پنجاب یونیورسٹی سے کیا اور شمالی علاقہ جات میں تعلیم کے شعبہ سے منسلک ہو گئے۔ اس دوران انہوں نے سعودی عرب، عوامی جمہوریہ چین اور امریکہ کے تعلیمی دورے بھی کئے اور ان ترقی یافتہ ممالک کے تعلیمی تجربات کو اپنے علاقے میں استعمال کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ پروفیسر عثمان علی 1994ء میں ریٹائر ہو گئے۔ لیکن تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کی مطبوعہ کتب کی تعداد 20 سے زیادہ ہے۔ ان کی خدمات عالیہ کا تذکرہ بہت سے مصنفین نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ جمشید خان دکھی نے کتاب ''قراقرم کے قبائل'' میں ان کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔

پروفیسر عثمان علی کی سماجی، تہذیبی اور ادبی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ انہوں نے کئی فلاحی اداروں کی بنیاد رکھی اور نوجوانوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے میں معاونت کی۔ ان کے امتیازی کام پر مختلف اداروں نے اعزاز پیش کئے ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کے تاثرات نے میری بہت حوصلہ افزائی کی ہے۔

Marfat.com

پروفیسر عثمان علی

تاثرات

خودنوشت سوانح عمریوں کا رواج اردو ادب میں نیا ہے۔ اس صنف ادب میں لکھنے والے معدودے چند ہیں۔ اس میں ابتدا کرنے کا سہرا بیگم بھوپال نواب سلطان جہاں بیگم کے سر ہے۔ ان کے بعد اس راہ چلنے والوں میں میر لائق علی وزیراعظم حیدرآباد دکن، چوہدری خلیق الزمان، عبدالمجید سالک، مولانا حسین احمد مدنی، سر رضا علی، حمیدہ اختر حسین، مولانا ابوالکلام آزاد، جوش ملیح آبادی، احسان دانش، مرزا ادیب اور دیگر کئی نامورانِ علم وادب و سیاسیات شامل ہیں۔ میں نے کئی ایک آپ بیتیاں پڑھ لی ہیں اور ان سے لطف اٹھایا ہے۔

آپ بیتی بے مقصد لکھی نہیں جاتی۔ اس کا مقصد ہوتا ہے کہ قارئین لکھنے والے کی جدوجہدِ زندگی کی کامیابیوں و ناکامیوں، نظریات و احساسات سے آشنا ہوں کہ جن کے طفیل زندگی جانب منزل رواں دواں ہوئی۔ قارئین کے لیے اس آپ بیتی میں سیکھنے کے لیے بہت کچھ ہوتا ہے۔ احسان دانش مزدوری کرتے کرتے اور پتھر پھوڑتے پھوڑتے کن علمی بلندیوں کو پہنچے، ''جہانِ دانش'' اُس جہدِ مسلسل اور عزم صمیم کی کہانی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''میری بوریے پر آنکھیں کھلی ہیں اور قالین پر دم نکلے گا۔'' احسان دانش کی اس زندگی سے بہت کچھ سبق ملتا ہے کہ اُنھوں نے غربت، افلاس اور تنگ دستی کے دن کیسے گزارے اور کس طرح ہمت و استقلال

Marfat.com

سے اِن پر قابو پایا۔

میرے نزدیک انہوں نے دولت کی قالین نہیں بلکہ علم و ادب و تفکر کا قالین بچھا کر لوگوں کی خوب خاطر داری کی ہے۔ اُن کی فکر سے لوگ محفوظ ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ وہ غربت اور افلاس کا مُداوا چاہتے ہیں۔ وہ محنت کشوں، فصلوں اور مزدوروں کے حالات سے سمت نالاں ہیں۔ کبھی اللہ کی طرف نظریں اٹھاتے ہیں اور کبھی اصلاح پسندوں سے مخاطب ہوتے ہیں اور دکھ کا درماں طلب کرتے ہیں۔

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

''سفر جاری ہے'' ملک مقبول احمد صاحب کی آپ بیتی ہے۔ یہ کسی ناشر کی اولین آپ بیتی ہے جس میں اُن تمام مشکلات کا احاطہ کیا گیا ہے کہ جو ایک اچھے پبلشر کو پیش آسکتی ہیں۔ پیسہ کمانے کے کئی ذرائع ہو سکتے ہیں لیکن ایک باوقار اور معتبر ادارہ بنانے کے لیے کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ آپ خود فرماتے ہیں: مقبول اکیڈمی کا قیام کسی جلد بازی کا نتیجہ نہیں تھا۔ اس کے پیچھے میرا عزم اور اس کاروبار کا گہرا مشاہدہ تھا۔ میں نے ملک میں موجود اشاعتی اداروں کا بغور جائزہ لیا تھا، ان کے طریقِ کار کو سمجھا اور بڑے غور و فکر کے بعد ایک اشاعتی ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا تو اسے کتابوں کی دنیا میں ایک معتبر اور قابلِ رشک ادارہ بنانے کے لیے کمر بست باندھ لی''۔ ملک صاحب کا یہ عزم اور ہمت قابل داد ہے کہ آپ نے اپنی فکر کے مطابق ایک اعلیٰ اکیڈمی بنائی جس میں آرٹ، لٹریچر اور سائنس کے جواہر جڑتے اور تخلیق ہوتے ہیں۔ سیرت النبیؐ، ترجمان القرآن، کشف المحجوب، حجۃ اللہ البالغہ، حیاۃ الصحابہؓ یا اسلامی، ملکی تاریخ پر مرتب کتابیں اسی اکیڈمی سے مُرصع ہو کر نکلی ہیں تو اس ادارے کو محترم و

Marfat.com

معلم ہوتا تھا۔ کتابوں کی ایک ایمپائر کو وجود میں لانا اور اسے وسعت دینا ایک کارنامہ ہی کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر صفدر محمود کا یہ کہنا بجا ہے کہ کتابیں اُن کے اندر بھی بستی ہیں کتابوں کی طباعت اور اشاعت ایک اعلیٰ فن ہے۔ کتاب کا مواد کیسا بھی ہو، ناشر کی محنت سے سجی کتاب لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہے۔ لوگ کتاب کا ٹائٹل، کور تیج اور ترتیب و تنفلم دیکھ کر کتاب کا لٹو ہو جاتے ہیں۔ ناشر کا سب سے بڑا کام چھپائی کے لیے مسودہ کا انتخاب ہوتا ہے۔ ایک عالم بصیر اور عوامی شعور رکھنے والا ناشر ہی چھان پھٹک کر یہ دیکھتا ہے کہ مطالعاتی مواد علم و دانش و فکر کی کن مدارج کو چھوتا ہے۔ عوام میں اس کی پذیرائی کیسی ہوگی، فکر و نظر معاشرہ کے لیے کتنا کارآمد یا حضرت رساں ہو سکتا ہے۔ پھر وہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس کام کا لنگر اٹھائے یا نہیں۔ ملک مقبول احمد صاحب کی ڈگریاں نہ سہی لیکن ایک زمانہ مسوّدات کی چھان ٹھیک کرتے کرتے، کتابوں کو پڑھتے پڑھتے، مصنفین، معلمین اور محققین کے ساتھ ساتھ رہتے رہتے وہ خود ایک کتاب بن کر رہ گئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں ''مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی شرم، کوئی جھجک اور کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ میں تعلیمی سرٹیفکیٹوں، ڈگریوں اور دستاویزی حوالوں سے انتہائی کم علم ہوں لیکن پھولوں کے درمیان رہ کر خوشبودار ہو جانے والی مٹی کی طرح میں بھی ادبا، شعرا، مصنفین، مترجمین، معلمین، محققین اور عالی ظرف انسانوں اور کتابوں کے داخلی جمال اور فیض یاب ہوا اور میں خود ایک کتاب بن کر رہ گیا۔ ''سفر جاری ہے'' میں اُن سب مصنفین کی خوشبو رچی بسی ہے جن کے ساتھ ملک مقبول احمد کا میل معاملات رہے ہیں۔ میرے نزدیک ''سفر جاری ہے'' ایک اعلیٰ پائے کی آپ بیتی ہے۔ اس میں رومان بھی ہے، مثالیت بھی ہے اور سچی زندگی کی عکاسی بھی۔ ان وجوہات کی وجہ سے یہ آپ بیتی دل میں اترتی ہے اور پڑھنے والے کو ساتھ لیے

Marfat.com

چلتی ہے۔ ملک صاحب نے کوئی چیز چھپا نہیں رکھی اور سچ سچ فن وعن واقعات قلمبند کیے ہیں۔ ژاں ژاک روسو نے کہا'' کہ میں نے اپنی آپ بیتی میں ہر بات سچائی سے بیان کی ہے۔ نہ میں نے کوئی جرم چھپایا ہے اور نہ ہی اپنے آپ میں کسی خوبی کا اضافہ کیا ہے۔ میں جیسا تھا خود کو دوسروں پر ایسا ہی ظاہر کیا۔'' ''سفر جاری ہے'' آپ بیتی میں کوئی بات پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ بابا خیرو کی لڑکی ہو، شہناز ہو یا شمشاد ہو ملک مقبول احمد ہر اچھی صورت کو دل دے بیٹھتے ہیں۔ خود کہتے ہیں: یہ اعتراف کرنا کوئی غیر معمولی بات نہ ہوگی کہ میرا مزاج لڑکپن سے ہی عاشقانہ تھا۔ گستاخ رام پوری کا ایک شعر ہے ؎

یہ مرض گستاخ کیسا تجھ کو پیدا ہوگیا
جن کی صورت اچھی دیکھی اس پہ فِدا ہوگیا

یہ مرض سب کو لاحق ہوتا ہے لیکن بعض حالات ایسے ہوتے ہیں کہ اس کا اظہار ممکن نہیں ہوتا یا لوگوں میں اظہار کی جرأت نہیں ہوتی۔ حسن ومحبت کا یہ بھی ایک انداز ہے ؎

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
نجالِ ہندوش بخشم سمر قند و بخارا را

بہرحال ملک مقبول احمد کی آپ بیتی ادبی دنیا میں ایک قابل قدر اضافہ ہے اور ادبی بقائے دوام کے دربار میں اسے ایک جاہ ملے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ میں ملک مقبول احمد صاحب کو اُن کی اس ادبی کاوش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کے ادبی، علمی سفر میں معاونت فرمائے۔ آمین

Marfat.com

محترمہ عذرا اصغر

آزادی کے بعد اردو افسانے اور ناول کو جن خواتین نے گیسوئے تابدار کی طرح آبدار کیا ہے۔ ان میں عذرا اصغر کا نام شامل ہے۔ان کی منفرد خوبی یہ بھی ہے کہ انہوں نے ترقی پسند نقادوں اور حلقہ اربابِ ذوق کے تنقید نگاروں دونوں سے تحسین حاصل کی اور ادب کی بلند سند پر انہیں فائز کر دیا۔

عذرا اصغر کا پیدائشی نام مبارک شاہی بیگم ہے لیکن شاعر اصغر مہدی کے ساتھ شادی ہوئی اور وہ ادب میں سنجیدہ شرکت کرنے لگیں تو اپنا قلمی نام عذرا اصغر رکھ لیا۔

وہ 22 دسمبر 1940ء کو محلہ حوض قاضی (دہلی) میں پیدا ہوئیں۔تعلیم بی اے تک حاصل کی اور رجحان ادب کی طرف رکھا۔افسانہ اور ناول ان کے اظہار کی بنیادی اصناف ہیں۔ ریڈیو ڈرامہ لکھ کر 1996ء میں اول انعام حاصل کیا۔ان کے ایک افسانے ''ہیڈ کوارٹر'' کی ڈرامائی تشکیل ٹی وی سے نشر کی جا چکی ہے۔

عذرا اصغر نے اردو کے جلیل القدر رسالہ ''تخلیق'' میں اظہر جاوید کے ساتھ ادارت میں معاونت کی،اس سے قبل وہ ماہنامہ ''نورونار'' کی ایڈیٹر تھیں۔ان کے شوہر اصغر مہدی اسلام آباد میں تبدیل ہو کر گئے تو انہوں نے اپنا رسالہ ''تجدید نو'' نکالا۔جس کی ادارت میں ان کی شاعرہ بیٹی شبہ طراز بھی شامل ہے۔یہ رسالہ اب لاہور سے نکلتا ہے۔

عذرا اصغر کی تخلیقات میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی کے علاوہ افسانوں کے چار مجموعے (پت جھڑ کا آخری پتہ ---بیسویں صدی کی لڑکی ---تنہا برگد کا دکھ اور گدلا سمندر) اور ایک ناول (مسافتوں کی تھکن) شامل ہیں۔انہوں نے بچوں کی کہانیوں کے علاوہ تراجم،مضامین، تبصرے بھی رقم کئے ہیں اور خاکہ نگاری میں نام پیدا کیا ہے۔

محترمہ عذرا اصغر نے ''سفر جاری ہے'' پر اپنے رسالہ ''تجدید نو'' میں تبصرہ کیا ہے۔

Marfat.com

عذرا اصغر

سفر جاری ہے

پبلشرز اور مُصنفین کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یعنی مُصنّف کے لیے پبلشر اور پبلشر کے لئے مُصنّف لازم وملزوم ہیں۔ وارث شاہ نے جو کہا ہے'' رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے ای رانجھا ہوئی'' سچ کہا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بعض پبلشرز دوسروں کی کتابیں چھاپتے چھاپتے خود مُصنّف، ادیب اور ایڈیٹر بن گئے۔ اس کی سب سے بڑی اردو ادب میں شاید پہلی مثال ماہنامہ'' نقوش'' کے محمد طفیل صاحب مرحوم کی ہے۔ چلیے ایڈیٹر بن جانا تو کہہ سکتے ہیں کہ چنداں مشکل کام نہیں مگر کتابیں چھاپتے چھاپتے خود مُصنّف بن جانا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ اس لئے یہ عمل قابل ستائش بھی ہے اور لائق حیرت بھی۔ یوں اگر دیکھا جائے تو یہ امر اتنا حیرت انگیز بھی نہیں ہونا چاہئے کیونکہ مسلسل کتاب گھر میں رہتے ہوئے، تواتر کے ساتھ لفظ و معنی سے رشتہ و ہم آہنگی بہر طور شخصیت پر اپنے اثرات تو مرتب کریگی نا؟ اور جبکہ شخص مذکور میں ابتداء سے ہی ادبی رجحانات موجود ہوں اور میلان طبع موزوں ہو۔

قریباً ایک برس پہلے عزیز بک پبلشر کے مالک سید عزیز شاہ بخاری مرحوم کے ہونہار صاحبزادے سید زاہد عزیز بخاری اپنے مہربان، انسان دوست، دیانت دار اور محنتی والد کی زندگی پر ایک شان دار کتاب لکھ کر داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ اب معروف اشاعتی ادارے'' مقبول اکیڈمی'' کے بانی و مالک جناب ملک مقبول احمد نے اپنی زندگی کے حالات قلم بند کر کے قارئین کو ورطہ حیرت میں

Marfat.com

ڈال دیا ہے۔ ''سفر جاری ہے'' سوانحی ادب میں ایک خوش گوار اضافہ ہے۔ ملک مقبول احمد نے بلاکم و کاست اپنے حالات سے پردہ اٹھایا ہے۔ اپنی چھوٹی بڑی خواہشات، بچپن کی بے ضرر شرارتیں، نوجوانی کے لا اُبالی دنوں کے تذکرے، کاروبار میں پیش آمدہ دقتیں، زندگی بھر کے مشاہدات، تلخ و شیریں تجربات، احباب کی منافقتیں، دوستوں کی محبتیں، مُصنّفین کے منفی و مثبت رویے سبھی کو نہایت خوش سلیقگی، چابکدستی، تصنیفی صلاحیت اور ادبی دیانت داری کے ساتھ کتابی شکل میں یکجا کر دیا ہے۔

''سفر جاری ہے'' میں ناول کی چاشنی موجود ہے لفظوں کی بندش اور جملوں کی ترتیب و ساخت نے کتاب کو اتنا دلچسپ بنا دیا ہے کہ شروع کرنے کے بعد مکمل پڑھے بغیر چھوڑنا ممکن نہیں رہتا۔ یہ یقیناً ملک مقبول صاحب کے قلم کا اعجاز ہے۔ کتاب پڑھتے ہوئے بار بار مجھے یہ خوش کُن احساس رہا کہ یہ شخص جو برسوں سے لکھے لفظ چھاپتا رہا، خود اپنے اندر ایک درد مند، گداز اور شاعرانہ دل بھی رکھتا ہے؟

دوسری اہم بات یہ بھی ہے کہ ملک صاحب کے بچوں نے ان کے قائم کردہ ادارے کے نظم و نسق کو سنبھال کر یہ یقین دہانی کرا دی ہے کہ ''مقبول اکیڈمی'' مستقبل میں ''فیروزسنز'' جیسا ادارہ بن کر اُبھرے گا۔ مگر ملک صاحب کے بچوں نے یہ فیصلہ پاکستان کی تین میڈیکل سیٹیں ضائع کرنے کے بعد کیا۔

تاہم ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک مقبول احمد کو صحت و زندگی دے کہ وہ اپنے لگائے ہوئے اس درخت کی چھاؤں سے فیضیاب ہوتے رہیں۔ (آمین)

ایک آخری بات اور ____ ''سفر جاری ہے'' معمولی قیمت پر حاصل کی جا سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کتاب سے ادارے نے کوئی مالی منافع حاصل نہیں کیا۔ یہ ایک اہم اور قابل قدر بات ہے۔ سرِ ورق نہایت سادہ پُرکشش ہے۔ لکھائی، چھپائی

Marfat.com

اور کاغذ ادارے کے سابقہ معیار کے مطابق ہے، جو اپنے خالق کے مزاج کی سادگی ،اور متانت کی مظہر ہے۔

''سفر جاری ہے'' میں 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے حوالے سے ایک دلدوز واقعہ بھی بہت دردانگیز ہے۔ جب ان کا گاؤں بھارت کے قبضے میں چلا جاتا ہے اور ملک صاحب کی ضعیف بیمار پھوپھی بھارتی فوجیوں کی بربریت کا نشانہ بن کر اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتی ہیں۔ یوں یہ تاریخی حقیقت ایک کہانی سناتی ہے__!

ماہنامہ ''تجدیدِ نو'' لاہور

Marfat.com

جناب پروفیسر علی احمد فاطمی

پروفیسر علی احمد فاطمی بھارت میں ادب کی ترقی پسند تحریک کے سرگرم رکن ہیں، ان کا مطالعہ بے حد وسیع ہے جسے وہ اپنے تنقیدی مضامین میں خوبی اور خوبصورتی سے استعمال کرتے ہیں۔ پروفیسر احتشام حسین اور ڈاکٹر محمد عقیل کے بعد انہیں اہم ترین ترقی پسند نقاد تسلیم کیا جاتا ہے۔

جناب علی احمد فاطمی 1954ء میں پیدا ہوئے۔ الہ آباد یونیورسٹی 1979ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد انہوں نے سینٹ جان کالج آگرہ میں لیکچرار کی حیثیت میں عملی زندگی شروع کی۔ 1983ء میں وہ الہ آباد یونیورسٹی میں آگئے اور ترقی کے مدارج طے کر کے اب 2003ء سے پروفیسر کے عہدے پر فائز ہیں۔

فاطمی صاحب بیس سے زیادہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں ''تاریخی ناول''۔ نظیر اکبر آبادی، عبدالحلیم شرر، فراق گورکھ پوری، سفر ہے شرط، سات سمندر پار، بیس نئی کہانیاں، سوزِ وطن، تین ترقی پسند شاعر، جوش نئے تناظر میں۔ ترقی پسند تحریک سفر در سفر۔ سجاد ظہیر، کلیات سردار جعفری، اور پریم چند شامل ہیں۔ ان کے متنوع موضوعات اردو ادب میں ان کی گہری دلچسپی کو ظاہر کرتے ہیں۔

علی احمد فاطمی متعدد عالمی کانفرنسوں میں شرکت کر چکے ہیں۔ ان میں ترقی پسند مصنفین کی انٹرنیشنل گولڈن جوبلی کانفرنس اور انٹرنیشنل اردو کانفرنس ٹورانٹو میں ان کی شرکت خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ انڈین کلچر سنٹر کے تحت انہوں نے 1999ء میں تاشقند میں مرزا غالب پر لیکچر دیا

پروفیسر علی احمد فاطمی ترقی پسند مصنفین (ہند) کے سیکرٹری جنرل ہیں۔ وہ جوش اور فراق لٹریری سوسائٹی کے جنرل سیکرٹری اور اقبال اکیڈمی کے صدر ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا مقالہ ان کی کشادہ نظری اور مقبول نوازی کی زریں مثال ہے۔ میں اسے ہندوستان سے ان کی محبت کا تحفہ سمجھتا ہوں۔

Marfat.com

پروفیسر علی احمد فاطمی

سفر جاری ہے

ملک مقبول احمد صاحب کی آپ بیتی ''سفر جاری ہے'' کا مطالعہ میرے لیے حیرت واستعجاب مسرت بھرے خواب کی طرح محسوس ہوا۔ آپ بیتی کا مطالعہ یوں بھی حیرت انگیز انکشاف، شوق وعمل کا انتخاب ہوا کرتا ہے۔ لوگ عام طور پر آپ بیتی کو آسان شے سمجھتے ہیں لیکن مشاہدہ ومطالعہ بتاتا ہے کہ یہ ایک نہایت دشوار گزار، نازک اور پیچیدہ عمل ہے۔ سفرِ حیات میں نجانے کتنے گھاؤ اور پڑاؤ آتے ہیں۔ حقیقت اور معرفت کے نجانے کتنے موڑ سب کے سب آپ بیتی کا حصّہ بن جائیں۔ یہ ضروری نہیں یہ انتخابی عمل ''تخلیق عمل'' سے زیادہ نازک اور حسّاس ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمہ وقت یہ خطرہ بنا رہتا ہے کہ دوسرے اس میں اتنے ہی جذبے اور شوق سے شریک ہوسکیں۔ یہ بھی ضروری نہیں، کبھی کبھی ادعائیت، انائیت اور خود پرستی بھی دیوار بن جاتی ہے، کمزور واقعات کو پوشیدہ رکھنے کا خیال اور مضبوط واقعات میں مبالغہ کا ساتھ لاشعوری طور پر آپ بیتی کو ناہموار اور بے ترتیب بنا دیتا ہے۔۔۔ کوئی دوسرا آپ کی زندگی کے بارے میں کیوں جانے اور آپ کے اندرون میں وہ کیوں داخل ہو، اسے کیا دلچسپی؟ ایسی صورت میں سوانح نویس کو وہی سب کچھ لکھنا پڑتا ہے، جس میں دوسرے شریک ہو سکیں۔ بہ الفاظ دیگر آپ بیتی جگ بیتی بن جائے۔۔۔ غرض کہ آپ بیتی یا خودنوشت

Marfat.com

سوانح نویسی کوئی معمولی عمل نہیں۔ ماضی کو ازسرِ نو تازہ کرنا۔ حافظہ کو دھاردار بنانا اور حقیقت و معروضیت کا راستہ اپنانا بہر حال ایک دشوار گزار عمل ہوتا ہے، جس پر سب کا چل پانا ممکن نہیں۔ اس راہ پر پرتو اکثر بڑے بڑے ادیب بھی لڑکھڑا گئے ہیں۔ کوئی ضروری نہیں کہ جو چوٹی کا ادیب ہو وہ بہت اچھا سوانح نگار بھی ہو اور یہ بھی ہوا ہے کہ جو پروفیشنل ادیب یا رائٹر نہیں ہے، بڑی سادگی کے ساتھ بول چال کی زبان میں نہایت دلچسپ اور بامعنی سوانح لکھ دے۔ جیسے حمیدہ اختر حسین رائے پوری کی آپ بیتی ''ہم سفر''۔ شوکت کیفی اعظمی کی ''یاد کی رہگزر'' اور اب میرے سامنے ہے ملک مقبول احمد صاحب کی آپ بیتی یا خودنوشت ''سفر جاری ہے''۔ ملک مقبول احمد بنیادی طور پر ناشر ہیں، تاجر ہیں اور بقول خود کم پڑھے لکھے انسان ہیں (ڈگریوں کے اعتبار سے) عمر کا بڑا حصہ دیہات اور قصبات میں گزرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس آپ بیتی میں بچپن کا دیہات اور قصباتی ماحول بڑے سادہ لیکن دلکش پیرائے میں ملتا ہے۔ اعزہ و اقرباء اور بالخصوص والدہ سے بے پناہ پیار میں جو عقیدت، معصومیت اور جذباتیت جھلکتی دکھائی دیتی ہے، وہ بیحد متاثر کرتی ہے۔ یہی سادگی اور معصومیت اُن کے اُسلوب میں در آئی ہے جو کتاب کا جان دار حصہ بن گئی ہے۔ ناشر ہونے کی وجہ سے وہ لاتعداد کتابوں کی اشاعت اور قرأت سے گزرے ہیں۔ اس لیے وہ کتاب کی ہر منزل پر محتاط اور چوکنے دکھائی دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب میں غیر ضروری حصہ یا ٹکڑا کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ اکثر پروفیشنل یا عادی قسم کے ادیب خود اعتمادی میں رواداری کی صورت اختیار کر لیتے ہیں یا شاطر ہو جاتے ہیں۔ مقبول احمد صاحب کی یہی سادگی ہر کامیابی کا روپ اختیار کر لیتی ہے کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کے سارے واقعات کے اظہار میں جو حقیقت اور شرافت دکھائی ہے، وہ دامنِ دل کھینچتی ہے۔ پھر ایک مقام وہ آتا ہے، جب وہ ادب اور ادیبوں کے درمیان گم ہو جاتے ہیں۔ گمشدگی کا یہ عمل بھی بے حد سچا

Marfat.com

اور سلجھا ہوا ہے۔ وہ اپنے دوستوں اور ادیبوں کا ذکر بڑی محبت سے کرتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اس مقام پر آپ بیتی یادداشتیں بنتی نظر آتی ہے تاہم مجھ جیسے دور افتادہ قاری کے لیے ان سب کا تعارف بھی دلچسپ اور معلومات افزا ہے۔ میں ڈاکٹر انور سدید کے اس جملہ سے صدفی صد اتفاق کرتا ہوں کہ ''اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں زیب داستان سے کام نہیں لیا گیا ہے۔''

یہی عدمِ زیبائش کتاب کی زینت بن جاتی ہے۔ اَدب کو بالخصوص اُردو اَدب اور بالخصوص اُردو شاعری اکثر زیبائش و آرائش کا متبادل بن گئی ہے۔ لکھنوَ اسکول ہو یا داغ اسکول۔۔۔سب کے سب تشبیہ استعارے اور علامتوں کے بھنور میں گھرے نظر آتے ہیں۔ وہ یہ بھول گئے کہ خیال میں اگر دم نہیں تو زیبائش بھی بے دَم اور کمزور ہوتی ہے اور خیال اگر دَم دار ہے تو بغیر زیبائش کے قلب و جگر میں جذب و پیوست ہو جاتا ہے۔ ذیل کے جملے ملاحظہ کیجیے۔

''کتاب بظاہر ایک خاموش شے ہے لیکن اس کے اندر گویائی کا سمندر موجزن ہے۔''

اس کے بعد یہ جملے بھی ملاحظہ کیجیے۔

''مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی شرم کوئی جھجک اور کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ میں تعلیمی سرٹیفکیٹوں، ڈگریوں اور دستاویزی حوالوں سے انتہائی کم علم ہوں لیکن پھولوں کے درمیان رہ کر خوشبودار ہو جانے والی مٹی کی طرح میں بھی ادباء شعراء، مُصنّفین، مترجمین، معلمین، محققین اور عالی ظرف انسانوں اور کتابوں کے داخلی جمال سے فیضیاب ہوا اور میں خود بھی ایک کتاب بن کر رہ گیا۔۔۔''

سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس دور میں جہاں حرف و لفظ بے وقعت ہو رہے ہوں،

Marfat.com

کتابوں سے رشتے ٹوٹ رہے ہوں۔ ایسے میں کتاب کی اہمیت، قدر و قیمت کے گُن گانا اور اپنے آپ کو ہی کتاب کہہ دینا غیر معمولی بات ہے۔ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے، کم ہے۔ یہ کتاب صرف زندگی کے واقعات نہیں پیش کرتی یا محض حادثات کی کھتونی نہیں ہے۔ اس کے پس پردہ تجربات، نیک و بد، خیر و شر، محنت و عمل کی ایسی لطیف داستان پوشیدہ ہے کہ قاری لاشعوری طور پر معرفت کی دنیا میں گم ہوتا چلا جاتا ہے۔ شاعروں، دانشوروں اور کتابوں کا تعارف تحریر و تقریر تصویر سب کچھ پیش کرتی ہے۔ نیرنگئ خیال اور رنگارنگ جلال و جمال کی حسین پیکر بن گئی ہے۔ کیوں نہ ہو کہ یہ ایک ناشر کی خودنوشت ہے، جو صرف تاجر نہیں بلکہ طاہر بھی ہے اور اس نے اسی طہارت و سادگی کے ساتھ اپنی زندگی کی تمام جدوجہد، تگ و دو کو دنیا کے سامنے رکھ دیا۔ وہ بھی اپنے پوتے کے اصرار پر —— ایک معصوم سا سوال جس کا اتنا ہی معصوم جواب۔

سچ تو یہ ہے کہ آپ بیتی کی جو بھی تعریف کی جائے، جس زاویہ سے دیکھا اور سمجھا جائے، یہ کتاب اس پر کھری اُترے گی۔ ڈاکٹر انور سدید کی سفارش پر یہ کتاب مجھ تک پہنچی اور مجھے اس کی قرأت کی سعادت نصیب ہوئی، میں اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا ہوں۔ چلتے چلتے یہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کتابیں تو روز پڑھتا ہوں کیونکہ یہی شوق اور پیشہ ٹھہرا لیکن زندگی میں جن چند کتابوں نے دل و دماغ میں جگہ بنائی ہے، اس میں یہ کتاب بھی شامل ہے۔ میں اس کے لیے ملک صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور انہیں دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

Marfat.com

جناب علی سفیان آفاقی

جناب علی سفیان آفاقی کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں کہ اعلیٰ درجے کے صحافی ہیں، ادیب ہیں، سفرنامہ نگار ہیں یا فلمساز ہیں۔ ان کی شخصیت میں یہ تینوں شعبے درجہ کمال میں پہنچ گئے ہیں۔ اور ان کی زندگی کی کہانی ایک ممتاز ماہنامے میں داستاں در داستاں چھپ رہی ہے اور یہ پاکستان کا مقبول ترین سلسلہ ہے۔

آفاقی صاحب ریاست بھوپال کے شہر سیہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم میرٹھ اور بھوپال میں حاصل کی اور بی اے آنرز لاہور میں کیا۔ انہوں نے اپنی زندگی خود بنائی ہے۔ اور وہ مسلسل محنت کی زندہ مثال ہیں۔ 1951ء میں صحافت کا آغاز روزنامہ ''تسنیم'' سے کیا جو جماعت اسلامی کا اخبار تھا۔ بعد میں ہفت روزہ ''چٹان'' روزنامہ ''نوائے وقت''۔ اور روزنامہ ''آفاق'' میں اعلیٰ صحافتی خدمات انجام دیں۔ ''آفاق'' میں فلمی صفحے کا آغاز آفاقی صاحب نے ہی کیا تھا۔ 1958ء میں مارشل لا لگ گیا تو وہ فلمی دنیا سے وابستہ ہو گئے۔ پہلے فلموں کی کہانیاں اور منظر نامے لکھے پھر ہدایت کار بن گئے۔ ''سزا''، ''کنیز'' اور ''آس'' ان کی مشہور فلمیں ہیں۔ 1985ء میں لاہور سے رسالہ ''ہوشربا'' نکالا جو ایک سال کے بعد بند ہو گیا۔ آفاقی صاحب نے فلمی یونٹوں کے ساتھ اور سیر و سیاحت کے شوق میں کئی بیرونی ممالک کا سفر کیا اور متعدد سفر نامے لکھے۔ ان کے مضامین ملک کے تمام اچھے اخبارات و رسائل میں چھپتے رہتے ہیں۔

1990ء میں ادارہ ''نوائے وقت'' نے اپنی نوعیت کا پہلا مصور ہفتہ وار رسالہ ''فیملی میگزین'' جاری کیا تو آفاقی صاحب کے سپرد اس کی ادارت کی۔ ان کے تجدد پسند ذہن نے اس رسالے کو چار چاند لگا دیئے۔ اس کے ساتھ ہی ان کا تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری ہے اور اب تک 25 سے زیادہ کتابیں شائع کر چکے ہیں۔

''سفر جاری ہے'' کا پیش لفظ بھی آفاقی صاحب نے لکھا ہے۔

Marfat.com

علی سفیان آفاقی

ایک دلچسپ خودنوشت

ملک مقبول احمد کو ہم ایک بہت اچھے ناشر کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ اپنی خودنوشت تحریر کر کے انہوں نے ہمیں اپنی زندگی کے دلچسپ اور معلومات آفرین واقعات سے روشناس کرایا ہے۔ ایک اچھا ناشر وہی کہلاتا ہے جس کا مطالعہ اور مشاہدہ بہت گہرا ہو اور وہ انسانی نفسیات پر بھی عبور رکھتا ہو۔ ایک اچھی کتاب مُصنف کی مرہونِ منت ہوتی ہے، جسے قاری تک پہنچانے میں دیگر افراد بھی حصہ لیتے ہیں لیکن ان کا سرخیل پبلشر ہوتا ہے۔ وہی کتاب کے موضوع اور مُصنف کا انتخاب کرتا ہے، اس کے کاروباری پہلوؤں کا جائزہ لیتا ہے اور پھر اپنی بساط کے مطابق اسے بہترین انداز میں قاری تک پہنچاتا ہے۔

ملک مقبول احمد مُلک کے ایک ممتاز اور معروف ناشر ہیں۔ ان کا ادارہ ''مقبول اکیڈمی'' اپنی کُتب کے حوالے سے سارے ملک میں شہرت رکھتا ہے۔ اس کامیابی اور مقبولیت کے پیچھے صرف ایک شخصیت کا ہاتھ ہے اور وہ ہے ملک مقبول احمد۔ انہوں نے اپنے پیش لفظ میں بھی اور کتاب میں بھی جا بجا یہ اعتراف کیا ہے کہ نامساعد حالات کے باعث وہ اعلیٰ نصابی تعلیم سے محروم رہے لیکن کتاب کے مطالعے کے بعد ان کا یہ عُذر محض انکسار ہی معلوم ہوتا ہے۔ ان کی تحریر سلجھی ہوئی، شستہ اور

Marfat.com

رواں ہے۔ جا بجا ان کے گہرے مطالعے اور مشاہدے کے ثبوت نظر آتے ہیں۔ انہوں نے نصابی تعلیم کی کمی کو اپنی راہ میں حائل نہیں ہونے دیا۔ اس شعبے اور پیشے میں کامیابی اور شہرت حاصل کی، جس کا تعلق علم وادب سے ہے۔ دنیا بھر میں اور خود اُردو کے ادیبوں اور شاعروں میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ ایک باقاعدہ تعلیم حاصل نہ کرنے والا شخص اپنی خداداد صلاحیت، محنت، شوق اور مطالعے کی وجہ سے نامور ادیب یا شاعر ٹھہرا اور اُردو ادب کی تاریخ میں اپنا نام درج کر کے دنیا سے رخصت ہوا۔ جناب احسان دانش کی مثال اس بارے میں ہمارے سامنے ہے۔ ایک گمنام مقام پر غربت و افلاس میں پیدا ہونے والے اس شخص کی رسائی سکول اور کالج تک نہ ہو سکی لیکن اس کے شوقِ مطالعہ اور لگن نے اسے راتوں کو سڑکوں پر نصب بجلی کے کھمبے کے نیچے بیٹھ کر مطالعہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ دن میں محنت مزدوری کرتے لیکن فارغ وقت مطالعے کی نذر کر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ شخص، جس نے پنجاب یونیورسٹی کی عمارت میں اینٹیں ڈھونے کی مزدوری کی تھی، ایک وقت ایک دانشور اور معروف ممتاز شاعر کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ جس یونیورسٹی کی عمارت کی تعمیر کے لئے وہ اینٹیں ڈھونے کی مزدوری کرتا رہا تھا، آج اسی یونیورسٹی میں اس کی تحریر کردہ تصانیف اعلیٰ درجوں کے نصاب میں شامل ہیں۔ احسان دانش نے کبھی ''پدرم سلطان بود'' کا نعرہ نہیں بلند کیا اور نہ ہی اپنی زندگی کے ناخوش گوار پیریڈ کی پردہ پوشی کی۔ وہ بہت فخر کے ساتھ اپنی غربت، مجبوری اور تعلیم سے محرومی کا ذکر کرتے رہے اور یہ ہے بھی باعث فخر بات۔

ملک مقبول احمد صاحب اور مرحوم احسان دانش میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں۔ ملک صاحب نے محنت مزدوری تو نہیں کی لیکن ابتدائی زندگی میں بہت کٹھن مراحل سے گذرے۔ باقاعدہ تعلیم سے محروم رہے لیکن ان کے اندر کا تخلیق

Marfat.com

کار انہیں ہر مرحلے پر سہارا دیتا رہا۔ اپنی زندگی کی جدوجہد اور کشمکش کی روداد انہوں نے بلاکم وکاست بڑے دھڑلے سے بیان کی ہے۔ کسی جگہ بھی انہیں احساس کمتری نہ ہوا، نہ ہی کوئی رکاوٹ ان کی راہ میں حائل ہوئی۔ وہ زندگی کے سفر میں اپنی خدا داد صلاحیتوں کی بدولت قدم بقدم آگے بڑھتے رہے۔ اس دوران میں پیش آنے والی ذاتی مشکلات اور ان سے عہدہ براء ہونے کی داستان بھی انہوں نے بہت دلچسپ انداز میں بیان کی ہے۔ یہ ایک شخص کے پتھر سے ہیرا بننے کی کہانی ہے جو خدا کی مہربانی کا ہر سانس کے ساتھ شکر ادا کرتا ہے اور آج ایک کامیاب مطمئن اور خوش باش انسان کی طرح زندگی بسر کر رہا ہے۔ نئے نئے تجربات کرنے کا جذبہ آج بھی اس شدّت کے ساتھ موجود ہے اور وہ اللہ کے بھروسے پر نئے نئے منصوبے بنانے میں مصروف ہے۔

اس خودنوشت کا ہر صفحہ ملک صاحب کے شوق، جستجو، محنت ولگن اور سادگی کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ انہوں نے اپنی شخصیت کا کوئی بھی پہلو چھپا کر نہیں رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ خودنوشت کے خاتمے پر قاری اپنے تجربے اور مشاہدے میں بہت کچھ اضافہ کر کے کتاب بند کرتا ہے۔ انہوں نے زندگی کے اہم واقعات اور زندگی میں داخل ہونے والی شخصیات کا تفصیلی خاکہ پیش کر دیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ایک محنتی، ان تھک، خدا ترس اور انسان دوست شخص کی تصویر اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ جا بجا انہوں نے اپنی تحریر کو برمحل اُردو اور فارسی اشعار سے سجایا ہے، جو اس کے لطف میں مزید اضافہ کرنے کا باعث ہے۔ اپنی زندگی میں پیش آنے والے چھوٹے بڑے تمام واقعات انہوں نے سادگی سے بیان کر دیئے ہیں۔ انہوں نے جن مُصنّفین کے ساتھ کام کیا، ان کی جملہ خوبیوں اور کمزوریوں کو بھی بلا جھجک بیان کر دیا ہے۔ مختلف نامور شخصیات کے بارے میں ان کے مشاہدات اور تاثرات دلچسپ

Marfat.com

اور معلومات آفرین ہیں ۔ خودنوشت کا ہر صفحہ ان کے کثرت مطالعہ و مشاہدہ کا آئینہ دار ہے ۔ کوئی اہم اور قابل ذکر واقعہ، وہ خوش گوار ہو یا ناخوش گوار، انہوں نے پوشیدہ نہیں رکھا اور یہی اس خودنوشت کا حُسن ہے ۔ انہوں نے اپنی کم علمی اور محرومیوں کا آغاز ہی میں تذکرہ کر دیا ہے لیکن قاری کو ان صفحات میں ایک صاحب علم و مشاہدہ شخص جلوہ گر نظر آتا ہے ۔

ملک صاحب ایک منکسر المزاج، سادہ دل، خداترس اور محبت کرنے والے انسان ہیں ۔ انہوں نے اپنی والدہ محترمہ، بچوں، نواسیوں، پوتے پوتیوں، رشتے داروں اور واقف کاروں سے ٹوٹ کر محبت کی ہے، جس کا اظہار انہوں نے بلاتکلف کر دیا ہے ۔ یہ سادگی پُرکاری ہی اس خودنوشت کی خوبی ہے ۔

انہوں نے اپنے تجربات کے ساتھ ساتھ کاروباری گُر بھی بیان کیے ہیں ۔ اپنی زندگی کے تمام واقعات کو بیان کرنا ضروری سمجھا ہے ۔ یہاں تک کہ صحت و تندرستی کے بارے میں بھی اپنے ذاتی تجربات کا حوالہ دیا ہے ۔ ایک زمانے میں ان کا جسم فربہ تھا، بیسیوں بیماریوں کا شکار تھے لیکن پھر انہوں نے اپنی بیماریوں کا علاج خود ہی پانی کے ذریعے کیا، نتیجہ یہ ہے کہ سالہا سال گزر جانے کے بعد آج بھی وہ دبلے پتلے، مستعد اور چاق و چوبند انسان ہیں، جنہیں سالہا سال سے نزلہ زکام جیسی معمولی اور عام بیماری بھی نہیں ہوئی ۔ اپنے دیگر تجربات کے علاوہ اپنے دوستوں اور ملاقاتیوں کو بلا تامّل اس علاج کا مشورہ دیتے ہیں لیکن اس سلسلے میں کئی سخت مقام بھی آتے ہیں جس کی وجہ سے لوگ ہمّت ہار دیتے ہیں ۔

چند ابتدائی ملاقاتوں کے بعد انہوں نے مجھے اور میری بیگم کو بھی اس طریقۂ علاج کو اپنانے کا مشورہ دیا لیکن اس کے لئے جس باقاعدگی، پابندی اور تحمل و برداشت کی ضرورت ہے، اس سے محروم ہونے کی وجہ سے ہم استفادہ نہ کر

Marfat.com

سکے اور نہ ہی بیماریوں سے نجات حاصل کر سکے۔

ملک صاحب نے اپنے گاؤں کی سادہ اور بے فکر زندگی، بچپن اور لڑکپن کی دلچسپیوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جس سے اس دور کی ایک رنگین تصویر قاری کے سامنے آجاتی ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ واقعات اس کی زندگی میں کیوں پیش نہیں آئے؟ یہ ملک صاحب کے قلم اور اندازِ تحریر کا اعجاز ہے۔

ملک صاحب کو اپنی والدہ سے نہایت محبت اور عقیدت ہے۔ بچوں اور ان کے بچوں سے بھی ان کی وابستگی پوشیدہ نہیں رہتی۔ دراصل یہ خودنوشت انہوں نے اپنے پوتے، پوتیوں اور نواسیوں کی فرمائش بلکہ ''پُرزور اصرار'' پر ہی سپردِ قلم کی ہے، جن کی فرمائش تھی کہ وہ اپنی زندگی کی داستان لکھیں اور وہ مسلسل تقاضے کرتے رہتے تھے کہ ''کیا ابھی تک آپ کی سٹوری مکمل نہیں ہوئی؟''

اس دلچسپ اور معلومات انگیز خودنوشت کے لئے قارئین کو ان کے پوتے پوتیوں اور نواسیوں کا شکرگزار ہونا چاہیے۔ ورنہ شاید ملک صاحب پرانے زمانے کے حکماء کی طرح اس داستان کو بھی ایک راز کی طرح اپنے ساتھ ہی لے جاتے اور ہم اس دلچسپ خودنوشت کے مطالعے سے محروم ہی رہ جاتے۔

ماہنامہ ادب لطیف لاہور

Marfat.com

جناب ڈاکٹر علی محمد خان

ڈاکٹر علی محمد خان معلم ہیں۔ مصنف ہیں، ماہر تعلیم ہیں اور سب سے اہم یہ کہ بہت اچھے انسان ہیں۔ ان کا مزاج اگلے زمانے کے لوگوں جیسا ہے۔

آپ 7 ستمبر 1941ء کو مولانا الطاف حسین حالی کے شہر پانی پت میں پیدا ہوئے۔ پھر اپنے خاندان کے ساتھ لاہور آ گئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے اردو اور تاریخ میں ایم اے کیا اور اسی یونیورسٹی سے ''لاہور کا دبستانِ شاعری'' کے عنوان سے مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ وہ گزشتہ 47 سے تعلیم کے شعبے سے وابستہ ہیں اور ریٹائرمنٹ کے بعد تدریس کے سلسلے کو جاری رکھا ہوا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ان کے شاگردوں کی تعداد اسی ہزار کے لگ بھگ ہے۔ جو ان کے عطا کئے ہوئے علم کو اگلی نسلوں میں پھیلا رہے ہیں۔

ڈاکٹر علی محمد خان درس و تدریس کی متعدد کتابوں کے مؤلف و مصنف ہیں۔ ان کی تالیف کردہ نصابی کتب، پنجاب کے کالجوں اور سکولوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان کی تحقیقی کتاب ''لاہور کا دبستانِ شاعری'' کو بہت شہرت حاصل ہوئی اور اب وہ حوالے کی کتاب بن چکی ہے۔ انہوں نے کیمبرج اور لندن یونیورسٹی کے ''اے لیول'' اردو کی کتابیں بھی تالیف کی ہیں۔ ان میں امراؤ جان ادا، مرأۃ العروس، غزلیات غالب، اردو کے چھ افسانے، اردو کے منتخب افسانے، نظمیں اور غزلیں وغیرہ شامل ہیں۔

''سفر جاری ہے'' کے بارے میں ان کا مکتوب ان کے خلوص کا آئینہ دار ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر علی محمد خان

واجب الاحترام ملک مقبول احمد صاحب!

سلام مسنون

مجھے آپ کی خود نوشت ''سفر جاری ہے'' بہت پسند آئی اور بلا تامل علامہ اقبال کا یہ مصرع ذہن میں آیا۔

انہی کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد

واقعی آپ عزم و ہمت کی قابلِ تقلید مثال ہیں۔ مصافِ زندگی میں ایسی عمدہ مثال بننا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد اپنے شاگردوں کو بڑے زعم میں آ کر بتایا کرتے تھے کہ ''I am a self made man'' یہی جملہ آپ پر بھی صادق آتا ہے۔ باری تعالیٰ آپ کا سایہ اولاد و متعلقین کے سروں پر تادیر سلامت رکھے! میں نے ''سفر جاری ہے'' لفظاً لفظاً پڑھی۔ طباعت اور گیٹ اپ بہت خوبصورت ہے البتہ کہیں کہیں پروف، املا و انشا اور مطابقت کی غلطیاں رہ گئی ہیں، جن کی میں نے اپنے طور پر نشاندہی کر دی ہے۔ اگر آپ اتفاق کریں تو دوسرے ایڈیشن میں انہیں دور کر دیجئے گا اور میری گزارش ہے کہ صفحہ 76 کی سطر نمبر 11 تا 16 بھی حذف کر دیں کیونکہ یہ سطریں کتاب کے مزاج کے خلاف ہیں۔

آپ نے اپنی سوانح میں ''نقوش کشمیر'' کا ذکر نہیں کیا۔ مولانا علم الدین سالک کی اس کتاب کا شمار، جسے میں نے مرتب کیا ہے، کشمیر کے موضوع پر لکھی

Marfat.com

جانے والی اہم کتابوں میں ہوتا ہے۔ دوسرے مجھے آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ ''لاہور کا دبستان شاعری'' کے تیسرے ایڈیشن کو کمپیوٹر پر کمپوز کر کے ازسرنو نئے ٹائٹل اور نئے خوبصورت گیٹ اپ کے ساتھ اپ ٹو ڈیٹ کر کے شائع کریں۔ اس کے آخر پروف میں خود پڑھوں گا۔ طلبہ و طالبات میں اور مقابلے کے امتحانوں کے امیدواروں میں اس کتاب کی بڑی مانگ ہے۔

نیازمند

علی محمد خان

Marfat.com

محترمہ عمرانہ مشتاق

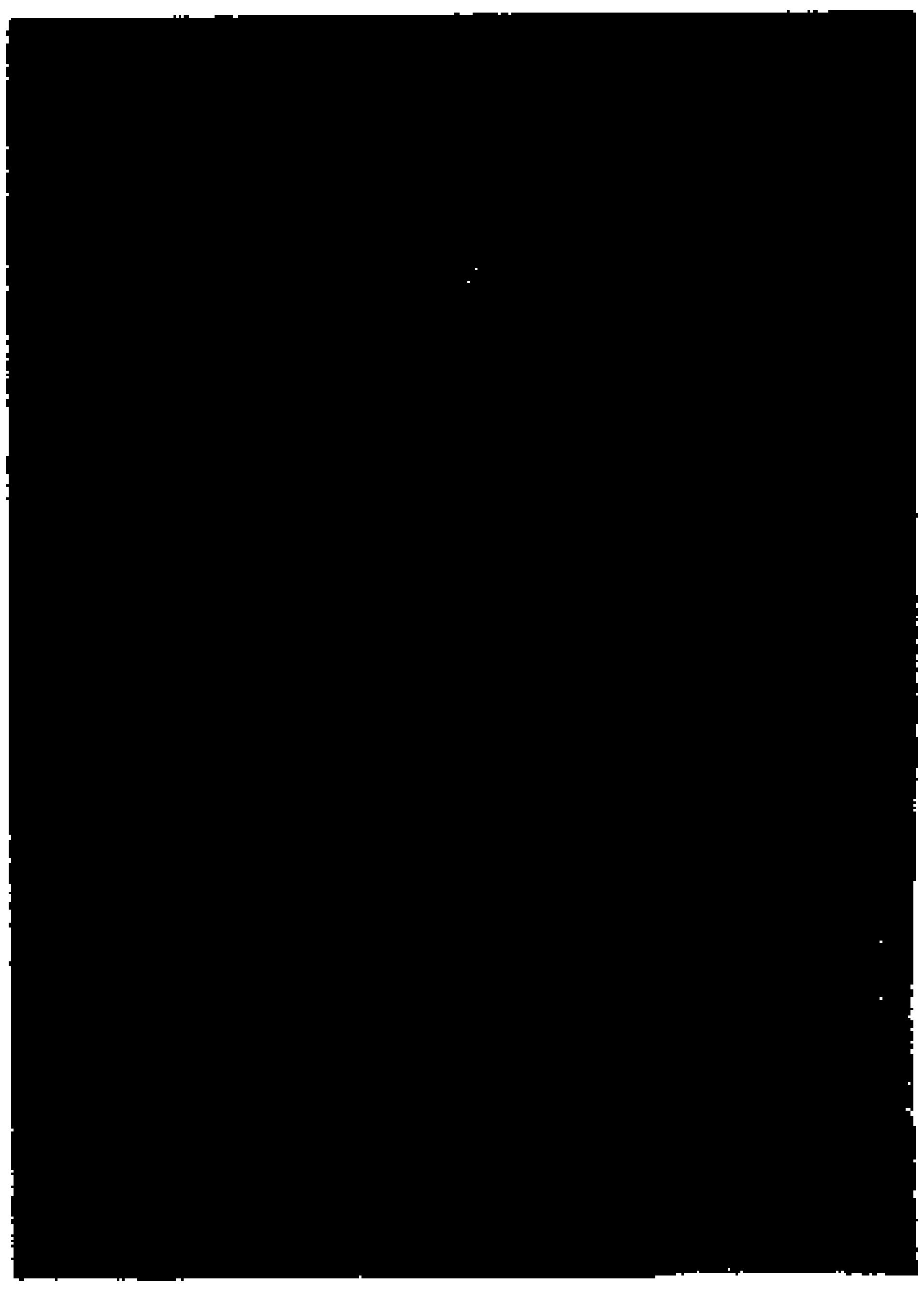

علم جغرافیہ کی تدریس عمرانہ مشتاق کا پیشہ ہے۔ ادب ان کا عشق ہے۔ شاعری میں انہوں نے نسوانی رنگ نکھارا ہے۔ جو پروین شاکر، کشور ناہید اور فہمیدہ ریاض سے مختلف ہے۔ ممتاز شاعر منیر نیازی ان سے حقیقی بیٹیوں جیسی شفقت برتتے تھے۔ عمرانہ مشتاق نے منیر نیازی کی زندگی کے آخری لمحات میں بیٹی جیسی تیمارداری کی اور ان پر پہلی کتاب لکھی۔

عمرانہ مشتاق 10 اکتوبر 1962ء کو سیالکوٹ کے ایک گاؤں خان پور سیداں میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد سید مشتاق حسین پولیس میں ڈی ایس پی تھے۔ پنجاب یونیورسٹی سے جغرافیہ کے مضمون میں ایم ایس سی کرنے کے بعد انہوں نے ایم فل کیا اور اب پی ایچ ڈی کر رہی ہیں۔ ان کے شوہر ڈاکٹر سید غلام احمد اناٹمی کے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ اور علامہ اقبال میڈیکل کالج کے وائس پرنسپل ہیں۔ اور خود لاہور کے ایک کالج میں جغرافیہ کی استاد ہیں۔

عمرانہ مشتاق ذہنی طور پر ایک اصلاح پسند خاتون ہیں اور اپنے خیالات کا اظہار کالم لکھ کر کرتی ہیں۔ ''اوصاف'' کے بعد ان دنوں روزنامہ ''نوائے وقت'' میں باقاعدگی سے کالم پیش کر رہی ہیں۔ عمرانہ مشتاق رسالہ ''اولمپک'' کی ایڈیٹر اور ''بدلتا عالم'' کی ایگزیکٹو ایڈیٹر ہیں۔ ان کی شاعری کے دو مجموعے ''ہجر کا عذاب'' اور ''اماوس'' چھپ چکے ہیں۔ '' اس شکل کو میں نے بھلایا نہیں'' منیر نیازی کے بارے میں ان کی یادداشتوں کا خوبصورت مجموعہ ہے جسے مقبول اکیڈمی نے شائع کیا ہے۔ عمرانہ مشتاق کو حج کی سعادت نصیب ہو چکی ہے اور وہ ان دنوں ''حج نامہ'' لکھ رہی ہیں۔

زندگی نامہ ''سفر جاری ہے'' کو انہوں نے ''پوراسچ / تخلیقی سفر'' کا عنوان دیا ہے۔
محترمہ عمرانہ مشتاق! آپ کا شکریہ

Marfat.com

عمرانہ مشتاق

پورا سچ / تخلیقی سفر

کسی نے کہا تھا، آپ بیتی سچ لکھنے کے لئے نہیں، سچ چھپانے کے لیے لکھی جاتی ہے۔ مگر کبھی کبھی یہ بات سچی نہیں لگتی۔ انہی دنوں میں نے ''سفر جاری ہے'' نام کی آپ بیتی پڑھی ہے۔ اس سے پہلے میں نہ اس مُصنّف کو جانتی تھی، نہ اُن کے پس منظر کو۔ سچی بات کہوں، مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ملک مقبول احمد، پاکستان کے مشہور ناشر ہیں اور اب تک بے شمار نامور لوگوں کی لاتعداد کتابیں شائع کر چکے ہیں۔

ایک تو میرا مضمون جغرافیہ ہے، جو میں پڑھاتی ہوں۔ پھر میں ادب اور صحافت کی دنیا میں ذرا دیر سے آئی ہوں۔ میرا پہلا مجموعہ کلام ''ہجر کا عذاب'' میری پہچان کا سبب بنا۔ پھر ادبی محفلیں اور ''نوائے وقت'' میں کالم نگاری کی وجہ سے میرا حلقہ وسیع ہونے لگا۔ معروف، مشہور اور مقبول لوگوں سے تعارف ہوتا گیا۔

ملک مقبول احمد واقعی اپنے نام کی طرح مقبول ہیں اور ساتھ ساتھ معصوم بھی۔ پہلے میں نے اُن کی تحریر پڑھی، تصویر دیکھی اور بعد میں اُن سے ملاقات ہوئی تو یوں لگا، تحریر اور تصویر سچ بول رہی ہیں۔ سادہ منش، مرنجاں مرنج اور وضع دار۔ اس گئے گزرے زمانے میں بھی کوئی شخص کسی خاتون سے آنکھیں جھکا کر بات کرے تو خوامخواہ اُس کا احترام کرنے کو جی چاہتا ہے۔

حیرت کی بات ہے۔ آج کل ملک مقبول اور اُن کا اشاعتی ادارہ ''مقبول اکیڈمی''

Marfat.com

بہت معتبر اور باوقار ہے۔ جن سفید پوشوں کو خوش حال کہا جا سکتا ہے، ان کا انہی میں نام آتا ہے۔ مگر اس سب کے باوجود اُنہوں نے آپ بیتی میں اپنی نہایت غربت، اپنی ناکامیوں اور کئی محرومیوں کا بہت صفائی سے ذکر کیا ہے۔ یہ اُن کی اعلیٰ ظرفی ہے۔ پھر اُنہوں نے اپنی ایک سابقہ بیوی سے علیحدگی کا تذکرہ کیا ہے، مگر مہذب انداز میں۔ میاں بیوی میں نہیں نبھ سکی تھی، تو کیا ہوا۔ ایک نہ دو، دس نہ سو، سینکڑوں ایسے واقعات ہوتے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں ایک معروف لکھنے والے کی سوانح عمری کی کتاب چھپی ہے، موصوف نے اپنی بیوی (سابقہ) کے بارے میں نہایت بُرے انداز میں اظہار کیا ہے۔ اس وقت جب وہ اُن کی بیوی تھی۔ مُصنّف نے اُس کی خرابیوں کا ذکر فخر سے کیا ہے۔ یہ افسوسناک بات ہے۔

ملک مقبول احمد کی یہی خوبی ہے، اُنہوں نے کسی بھی سابقہ شخص کا ذکر کیا ہے، تو بھرم رکھ کر۔ یہ مُصنّف کی روشن ضمیری کا ثبوت ہے۔ اُنہوں نے اپنے والدین، خصوصاً والدہ کا احوال بڑی عقیدت سے کیا ہے اور یہی اُن کے لئے برکت کا وسیلہ بنا ہے۔ اپنے بچوں اور بچوں کے بچوں کو بھی اپنی شفقت اور اُن کی محبت کے حوالے سے یاد کیا ہے۔

''سفر جاری ہے'' بالکل ایک نئے مُصنّف کی تحریر نہیں لگتی ہے۔ ملک مقبول نے لکھا ہے کہ انہوں نے ایک علمی، سماجی، اور ادبی رسالہ بھی جاری کیا تھا، یہ اُن کی تحریر سے وابستگی کا عکس ہے۔ ناشر کی حیثیت میں، اُنہیں جو رکاوٹیں ملیں، یا جن لکھنے والوں نے وعدہ خلافی کی اور غیر اخلاقی عمل کیا، اُنہوں نے یہ ذکر بھی تحمل اور بردباری سے کیا ہے۔ حیرانی ہوتی ہے، اُن کے حوصلے پر، ورنہ ایسے میں بندہ جھنجھلا تو ضرور جاتا ہے۔

''سفر جاری ہے'' اپنے نام کی مناسبت سے ملک مقبول احمد کے تخلیقی سفر کا بھی آغاز ہے۔ میری خواہش ہے وہ، اس سفر کو جاری رکھیں، تاکہ ہم جیسے قارئین کو سچ اور پورا سچ پڑھنے کو ملتا رہے۔

Marfat.com

جناب ڈاکٹر غفور شاہ قاسم

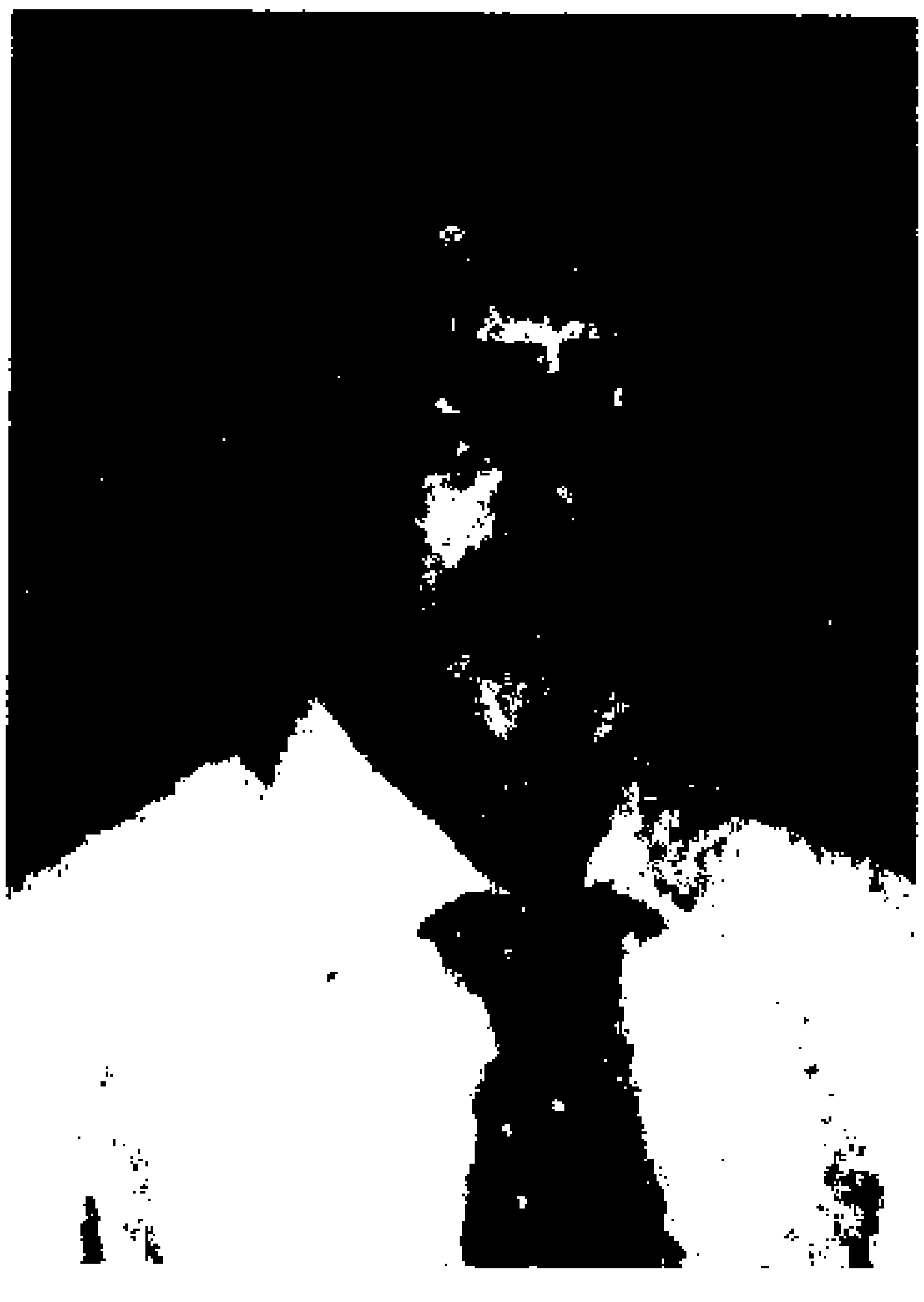

ڈاکٹر غفور شاہ قاسم کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ ''وہ آئے، انہوں نے دیکھا اور انہوں نے میدان فتح کر لیا۔'' میانوالی کے ایک دور افتادہ صحرائی قصبہ کندیاں میں بیٹھ کر انہوں نے وہ ادبی کارنامے انجام دیئے ہیں کہ بڑے شہروں کے بڑے ادیب ان کو رشک کی نظر سے دیکھنے لگے ہیں۔
غفور شاہ قاسم کندیاں (ضلع میانوالی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دیہات کے ٹاٹ سکولوں میں حاصل کی اور ایم اے تک پہنچ گئے۔ اس ڈگری کی اساس پر انہیں پی اے ایف کالج میانوالی میں شعبہ اردو میں ملازمت مل گئی۔ اس دوران انہوں نے ''پاکستانی ادب 1947ء تا حال''۔۔۔اور ''پاکستانی ادب، شناخت کی نصف صدی'' کے عنوان سے دو کتابیں لکھیں جن کی شہرت آسمان تک پہنچ گئی اور غفور شاہ قاسم کو مستند نقاد تسلیم کر لیا گیا۔ تصنیف و تالیف اور تحقیق و تنقید کے ساتھ انہوں نے اپنی تعلیم کی توسیع کا سلسلہ جاری رکھا اور ایم فل کے بعد پی ایچ ڈی بھی کر لیا۔ جس کا موضوع تھا۔۔۔ ''حجاب امتیاز علی تاج کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ''۔
ان کا تحقیقی مقالہ ''ملک منظور حسین۔۔۔احوال و آثار'' ڈاکٹر وحید قریشی کے ادارہ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی سے شائع ہوئی ہے۔ ایک اور کتاب ''پاکستانی ادب، مباحث و رجحانات'' زیر طبع ہے۔ ڈاکٹر غفور شاہ قاسم سادہ مزاج، سادہ دل اور سادہ طبع ہیں۔ ادب ان کی زندگی میں اہم ترین سرگرمی کا درجہ رکھتا ہے۔ ان دنوں ایف سی کالج یونیورسٹی لاہور سے منسلک ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا تبصرہ ان کے تجزیاتی مزاج کی عکاسی کرتا ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر غفور شاہ قاسم

شوق برہنہ پا چلتا تھا اور رستے پتھریلے تھے

ساری زندگی کتاب نوردی میں گزری، ناول، سفر نامہ اور خود نوشت کا مطالعہ بالخصوص پہلی ترجیح رہا۔ خودنوشتوں میں ادا جعفری کی ''رہی سو بے خبری رہی'' اور احسان دانش کی ''جہانِ دانش'' کا سحر ابھی تک ذہن پر طاری ہے۔ اسی دوران انتہائی قابلِ احترام ڈاکٹر انور سدید کے توسط سے ملک مقبول احمد کی خودنوشت سوانح ''سفر جاری ہے'' موصول ہوئی۔ اس کا مطالعہ شروع کیا تو تحریر کے طلسم نے ایسا اسیر کیا کہ ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ کسی بھی ادب پارے کا حُسن روح کو مَس کر جائے تو مدتوں سرشار رہتا ہوں۔ ملک مقبول احمد کی خودنوشت ''سفر جاری ہے'' اسی قبیل کی کتاب ہے، جس کی حلاوت مدتوں محسوس ہوتی رہے گی۔

انور سدید صاحب نے بجا طور پر اس کتاب کو انوکھی کتاب قرار دیا ہے۔ میرا احساس یہ ہے کہ صفحۂ قرطاس پر نوکِ قلم کے پہلے لمس کے ساتھ ہی ملک صاحب کی یادداشت کی لائبریری کھلتی چلی گئی ہے۔ ماضی کی راہداریوں میں سفر کرتے ہوئے بیتی زندگی کے بے شمار تلخ و شیریں واقعات کو وہ بے ساختہ فطری اُسلوب میں رقم کرتے چلے گئے ہیں۔ کوئی تصنع نہیں کوئی تکلف نہیں، کوئی بناوٹ نہیں۔

Marfat.com

رواں دواں دلآویز اُسلوبِ نگارش ۔ یہ خودنوشت تحریر کرتے ہوئے ملک صاحب نے اپنے اندر مستور قلم کار کو Explore کر لیا ہے اور میرے نزدیک یہ سب سے اہم بات ہے۔

لکھنے کا جواز یہ ہے کہ قلم کار لکھے اور اس پر اپنے نام، اپنی شخصیت اور اپنے منفرد اُسلوب کی مہر ثبت کر دے۔ ملک صاحب نے اپنے ہی اُسلوب میں لکھا ہے۔ صاحب اُسلوب کی پہچان یہی ہے کہ وہ کسی اور کی طرح نہیں، اپنی طرح لکھتا ہے۔ ملک مقبول احمد کے اندازِ تحریر میں نہ تو انشاء پردازی ہے نہ ہی افسانہ طرازی، نہ عبارت آرائی ہے اور نہ ہی مرصّع کاری۔ اُن کی تحریر بے رنگ، بے رس لفاظی کا انبار نہیں ہے۔ اُن کا اُسلوبِ تحریر ریشمی، طلسماتی، سادہ اور پُرکار ہے۔

خودنوشت کچھ بتانے اور کچھ چھپانے کچھ اِخفا اور کچھ افشا کا فن ہے مگر ملک صاحب نے اِخفائے حقائق پر افشائے حقائق کو فوقیت دی ہے۔ تحریر کی یہی سچائی اس کی توانائی اور رعنائی ہے۔ اُردو کی خودنوشتوں میں یہ اعزاز اور انفرادیت صرف ''جہانِ دانش'' کو حاصل ہے۔

ملک مقبول احمد کی عمرِ رفتہ کے رنگوں کی دھنک ''سفر جاری ہے'' اپنی کائنات خود تخلیق کرنے والے، کشادہ ظرف، صداقت شعار، اپنے متعین مقاصد میں یک سُو، یقینِ کامل کے حامل ایک شائستہ شستہ اور مستقل مزاج شخص کی عمل انگیز داستانِ حیات ہے۔

اُن کا تمام تر سفرِ حیات خارزاروں کی نامہربان مسافتوں اور ربِ کریم کی بے پایاں عنایتوں کا ماحصل ہے۔ 76 برس سے متجاوز جدو جہد کرنے والے اس شخص کی کہانی اختر عثمان کے اس شعر کے پیکر میں ڈھلتی چلی جارہی ہے۔

ہر نیا رنگ نیا روپ دکھاتی ہے مجھے
زندگی جیسے مکمل کیے جاتی ہے مجھے

Marfat.com

زندگی کے تمام موسموں کے ذائقہ آشنا، سرد و گرم چشیدہ ملک مقبول احمد کی روداد زیست دلکشا ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ اور سبق آموز بھی ہے۔ اپنی خودنوشت میں انہوں نے نہایت موزوں اور مختصر ذیلی عنوانات کے تحت اپنی زندگی کے متنوع تجربات کو مربوط انداز میں بیان کر دیا ہے۔ سراپا سپاس گزار انسان کا اعترافِ حقیقت ملاحظہ فرمایئے:

> ''مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی شرم، کوئی جھجک اور کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ میں تعلیمی سرٹیفکیٹوں، ڈگریوں اور دستاویزی حوالوں سے انتہائی کم علم ہوں لیکن پھولوں کے درمیان رہ کر خوشبودار ہو جانے والی مٹی کی طرح میں بھی ادبا، شعرا، مُصنّفین، مترجمین، معلمین، محققین اور عالی ظرف انسانوں اور کتابوں کے داخلی جمال سے فیض یاب ہوا اور خود بھی ایک کتاب بن کر رہ گیا۔ تقریباً پچاس سال سے میرا اٹھنا، بیٹھنا اور سونا کتابوں کے ساتھ ہے۔ پبلشرز، پرنٹرز اور بک سیلروں کی دوستی اور کتابوں کی ہمہ وقت رفاقت مجھے میسر ہے۔ میں نے ان سب کا رنگ قبول کیا ہے۔ میرے دوستوں اور میرے بچوں نے مجھے ذہنی طور پر اُکسایا اور میں اپنی یہ روداد لکھنے پر آمادہ ہو گیا۔ میں نے راتوں کے سناٹوں میں اپنے دل کی باتیں سُنیں اور اپنے ذہن پر سوچوں کا بوجھ ڈال کر یہ کہانی دیانت اور صداقت کے گہرے محسوسات کی روشنی میں لکھی ہے۔''

کتاب کی اشاعت و طباعت سے وابستہ ایسے شخص کی خودنوشت سوانح، قرطاس وقلم کی دنیا کا نیا تجربہ ہے۔

کتاب سے طویل رفاقت نے ایک مستند پبلشر کو اب ایک معتبر قلم کار بنا دیا ہے۔ یقیناً

Marfat.com

یہ کتاب دوستی کا اعجاز ہے۔

ایک معلّم سے لے کر ایک اعلیٰ پائے کے منتظم تک، نکاحِ اول کی نادانی سے نکاحِ ثانی کی شوقِ سامانی تک کہانی کے مختلف موڑ نہایت دلچسپ ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ موسمِ سرما کی چاندنی اور جدوجہد کے دن بیت جائیں تو ان کی یادیں خوش رنگ ہو جاتی ہیں اور آنے والے دنوں کا قیمتی سرمایہ بن جاتی ہیں۔

ملک مقبول احمد نہایت معصومیت سے اپنے لڑکپن کی محبتوں کا احوال اس طرح بیان کرتے چلے جاتے ہیں کہ ہر پڑھنے والے کو ان محبتوں میں اپنی محبتوں کی بازگشت سُنائی دینے لگتی ہے۔ کتاب کے یہ صفحات دورِ شباب کی محبتوں سے معطّر ہیں۔ صرف ایک اقتباس دیکھیے۔

> ''باباخیرو کی لڑکی شمی مجھے اچھی لگتی تھی۔ میرا دل چاہتا تھا کہ وہ میری آنکھوں کے سامنے رہے۔ آنے بہانے اُس کو دیکھنے کی خاطر اس کے گھر کے قریب سے گزرتا اور وہ مجھے نظر آ ہی جاتی۔ ایسے لگتا جیسے وہ بھی مجھے دیکھنا پسند کرتی ہے۔''
>
> ہمارے گھر کی کھوئی سے پانی لینے کے لیے آنے والی دو سگی بہنوں کے بارے میں بھی میرے احساسات کچھ اس قسم کے ہی تھے۔ وہ بھی مجھے بہت اچھی لگتی تھیں۔ ایک کا نام شہناز تھا۔ جو بہت خوبصورت تھی۔ دوسری بہن شمشاد اگرچہ اتنی خوبصورت نہ تھی لیکن اس میں ایک خاص نوعیت کی بڑے غضب کی کشش تھی۔
>
> یہ اعتراف کرنا کوئی غیر معمولی بات نہ ہوگی کہ میرا مزاج لڑکپن سے ہی عاشقانہ تھا۔ میں ہر خوبصورت لڑکی کو دل دے بیٹھتا۔''

ان سطور میں ایک جمال پسند حقیقت نگار قلم کار کی جھلک واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

محبت کی یہی لطیف کیفیات ہمیں جہانِ دانش میں بھی فطری انداز میں نظر آتی ہیں۔

مختلف ابواب میں برمحل اشعار کا استعمال ملک صاحب کے اعلیٰ ادبی ذوق کا آئینہ دار ہے۔ ماں اپنی اولاد کی رگوں، ریشوں اور بافتوں میں رچی بسی ہوتی ہے۔ ماں کا اپنی اولاد سے تعلق شریانوں میں بہنے والے خون کی طرح ہوتا ہے۔ جس کے بغیر زندگی کا تصور بھی محال ہے۔ ماں کا وجود اولاد کی نس نس میں مہکار دیتا ہے۔ صاحبِ تحریر کے وجود میں اپنی بے جی کی مہک کس قدر سرایت کیے ہوئے ہے۔ یہ سطور دیکھیے۔

''میری یہ مستقل عادت تھی کہ میں جب بھی گھر آتا تو سونے سے پہلے ماں کے پاؤں کو ضرور دباتا۔ ماں مجھے دعائیں دیتی رہتی۔''

ماں سے مستقل جدائی کو گداز میں گُندھے لفظوں میں انہوں نے اس طرح بیان کیا ہے۔

''مجھے یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ ماں مجھے اکیلا چھوڑ جائے گی لیکن وہ اپنے اکلوتے لاڈلے بیٹے کے ساتھ میری اکلوتی بہن مختار کو بھی چھوڑ کر سات فروری 1979ء کو اللہ کو پیاری ہوگئی۔ اُن کے چلے جانے کا صدمہ اس قدر شدید تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ کئی سال تک میں روتا رہا۔ بعد میں جب کبھی اُن کا ذکر ہوتا تو میں اپنے آنسو نہ روک سکتا۔''

یوں محبتوں شفقتوں اور دعاؤں کا بابِ فضیلت بند ہوگیا۔ جسم کو آسودگی بخش لمس بخشنے والے ہاتھ رزقِ خاک بن گئے مگر اپنے تابع فرمان بیٹے کے لیے ایسی مستجاب دعائیں دان کر گئے کہ آج ایک زمانہ اس کو سلام کرتا اور اُس کا احترام کرتا ہے۔

Marfat.com

آج ملک مقبول احمد جس وسیع روز افزوں، ترقی کرتی اشاعتی طباعتی ایمپائر کے تاجدار ہیں، یہ سب ماں کی دعاؤں کا انعام ہے۔

کتاب میں درج حیران کُن اور تجسس انگیز واقعات قاری کی توجہ کسی دوسری جانب نہیں ہونے دیتے۔ مثلاً دانا بابا کستوری، ہاکس بے کے نظارے، بغیر ٹکٹ سفر، حالات کی ستم ظریفی، ایسے ناقابل فراموش واقعات ہیں، جو قاری کے حافظے میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

فرائض منصبی اور خواہشِ قلبی کے مابین فرق وامتیاز باقی نہ رہے تو اسے خوش بختی کہتے ہیں۔

ملک مقبول احمد کا اپنی اشاعتی طباعتی زندگی میں جن قابل احترام قلم کاروں سے تعلقِ خاطر رہا، اُن میں چند ممتاز اُدبا کا ذکر بھی کتاب میں شامل ہے۔ میرے نزدیک یہ اُن کی عظمت کی دلیل ہے۔ ''وکھری ٹائپ کے لوگ'' کے زیرِ عنوان انہوں نے ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے، جنہیں آپ کم سے کم الفاظ میں ناپسندیدہ قرار دے سکتے ہیں۔ یہ اُن کی شرافتِ نفسی اور وضع داری ہے کہ اُنہوں نے ان حضرات کا تذکرہ صیغہ تعمیم میں کرتے ہوئے یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھا ہے کہ

''کچھ وکھری ٹائپ کے قلم کاروں کے کارنامے یاد کر کے مُجھے
دُکھ بھی ہوتا ہے۔ میں اللہ سے دُعا کرتا ہوں کہ ان کو ہدایت دے
میں اس قسم کے چند لوگوں کا ذکر ان کے نام لیے بغیر کر رہا ہوں
کیونکہ یہ میرے طباعتی تجربے کا حصہ ہے، اگرچہ افسوس ناک ہے۔''

ملک صاحب کی یہ ادا مُجھے ذاتی طور پر بہت لبھائی ہے۔ نیک نہاد اور شریف الطبع لوگوں کا رویّہ ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ ملک مقبول احمد کے دو انٹرویوز بھی کتاب کا حصہ ہیں۔ انہوں نے ان انٹرویوز میں ایک پبلشر کے ذاتی تجربات بیان کیے ہیں۔ یہ

Marfat.com

انٹرویوز نہایت معلومات افزا اور بصیرت افروز ہیں۔ اُن کے ادارے کی چھپی جن کُتب پر مشاہیر نے اپنے تاثراتی مکاتیب تحریر کیے ہیں۔ اُن کی عکسی نقول بھی اس خودنوشت میں شامل کی گئی ہیں۔ مقبول اکیڈمی کی مطبوعہ کتب پر چھپنے والے کالم اور چند تبصرے بھی قابل مطالعہ ہیں۔ اکیڈمی کے طباعتی معیار پر نہایت گراں قدر آراء ان کالموں اور تبصروں کا موضوع بنتا رہا ہے۔ ملک صاحب اپنے اشاعتی کام کے حوالے سے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''داخلی فرحت کے لیے مجھے خاص نوع کی سرشاری کی تمنا تھی۔ اشاعتی کاروبار میں میری شائع کردہ ہر کتاب میرے لیے سرشاری ہی کی کیفیت پیدا کرتی اور دنیا مجھے حسین خوبصورت اور پیاری نظر آتی۔۔۔ زندگی کے اس مقام پر میں خوشی محسوس کرتا ہوں کہ میں نے کتابیں شائع کیں، علم کو فروغ دیا اور جہالت کو دُور کرنے کی مقدور کے مطابق کوشش کی۔''

آپ ایک خوش قسمت انسان ہیں کہ آپ کا تعلق حرفِ مطبوعہ سے استوار ہے۔ یہی بات آپ کے لیے باعثِ افتخار ہے۔ اس خودنوشت کے مطالعے سے قاری کے ذہن میں ایک ایسے پبلشر کا تصوّر ابھرتا ہے، جو عمومی تصوّرات سے قطعی مختلف ہے۔ ہمارا کوئی پبلشر بھی بلاخوفِ تردید اس امر کا ادعا نہیں کر سکتا کہ

''میں نے جب سے کتابوں کا کاروبار شروع کیا ہے، تب سے لے کر آج تک کسی ادیب یا مُصنّف سے معاہدہ شکنی نہیں کی۔ بعض اوقات غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں لیکن اکثر ان کی بنیاد بغض اور کینہ پر ہوتی ہے یا کسی حاسد نے اس کی آبیاری کی ہوتی ہے۔''

اختتامی سطور میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ ملک مقبول احمد نے ذہن کے صحن میں بکھری

Marfat.com

طویل اور مختصر یادداشتیں ماضی کی کُہر آلود دنیا سے کشید کر کے نہایت صحت کے ساتھ صفحۂ قرطاس کو تفویض کر دی ہیں۔ خیال، حافظے اور قلم کی یہ سنگت ''سفر جاری ہے'' کی صورت متشکل ہو گئی ہے۔

زندگی صبح و شام کے پیمانے سے نہیں ماپی جاتی اور اس کا مرتبہ و مقام سانسوں کے طول و عرض سے بھی متعین نہیں ہوتا۔ کام اور کارگزاری ہی حاصل حیات ہوا کرتی ہے۔ کام اور کارگزاری ہی ملک مقبول احمد کا شخصی امتیاز اور اختصاص ہے۔

سیالکوٹ کے قصبہ دیووال سے لاہور میں منتقل ہو جانے اور مقبول اکیڈمی جیسے قابل فخر پبلشنگ ادارے کے قیام تک ایک خود ساز شخص کی یہ داستانِ حیات جدوجہد کرنے والے ہر فرد کو اپنی کہانی محسوس ہوتی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے جواں مرگ غلام محمد قاصر نے یہ شعر ملک مقبول احمد جیسے افراد کے بارے کہا تھا۔

ے شوق برہنہ پا چلتا تھا اور رستے پتھریلے تھے
گھستے گھستے گھس گئے آخر کنکر جو نوکیلے تھے

Marfat.com

جناب قاضی ذوالفقار احمد

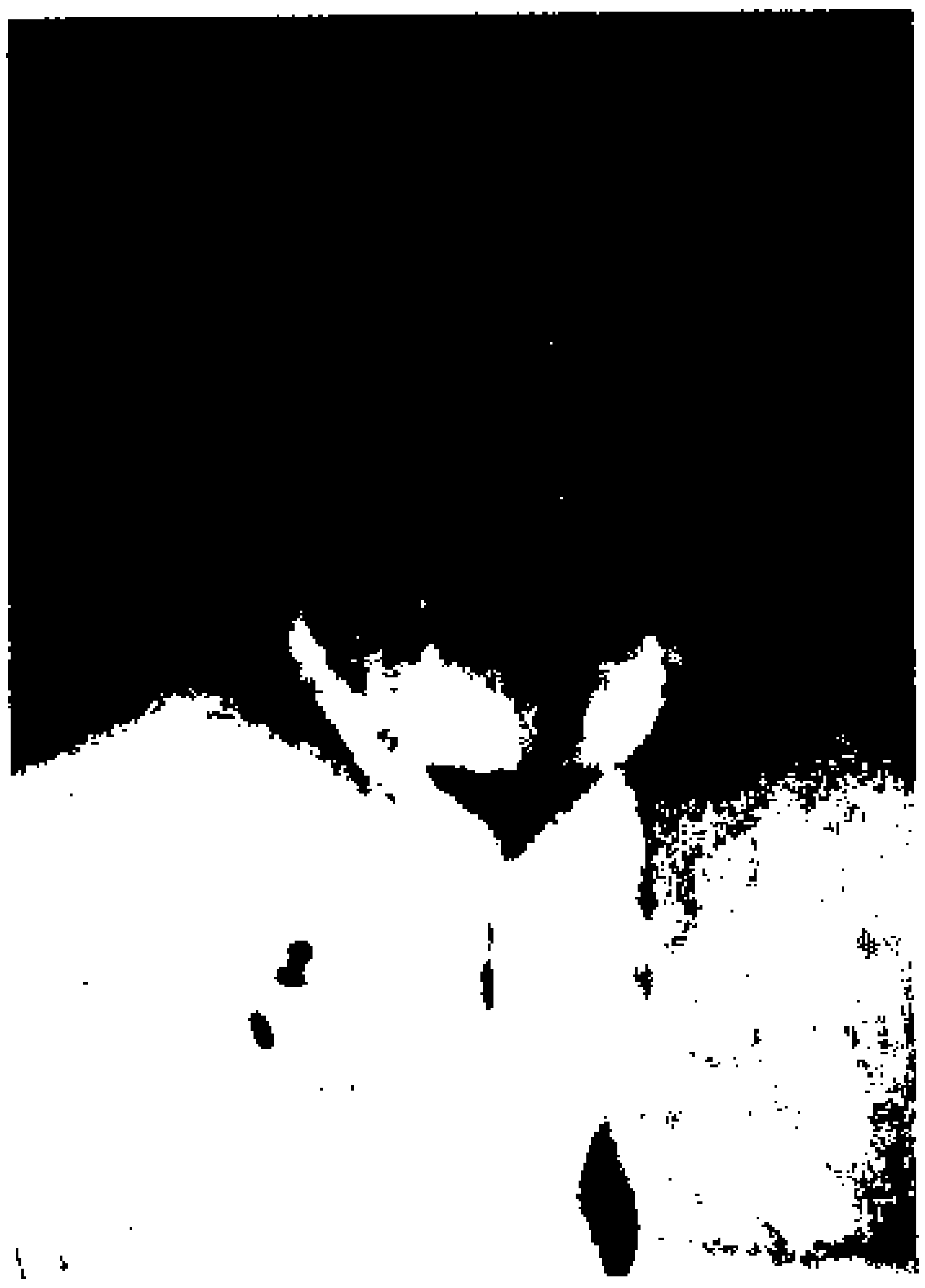

قاضی ذوالفقار احمد کا شمار ان ادیبوں میں ہوتا ہے جو پڑھتے بھی زیادہ ہیں اور لکھتے بھی زیادہ ہیں۔ ان کی آنکھ مطالعے میں ہے۔ ذہن نتائج اخذ کرنے میں اور ہاتھ لکھنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اس سب کا ثمر ان کی تصنیفات اور تراجم ہیں۔ جن کی پوری تعداد مجھے معلوم نہیں، نہ معلوم ہو سکتی ہے۔

قاضی ذوالفقار احمد یکم اکتوبر 1919ء کو بیگو والہ ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد غلام احمد عاکف پنجابی کے شاعر اور روزنامہ ''انقلاب'' کے ہیڈ کاتب تھے۔ قاضی صاحب کو یہیں سے پڑھنے، لکھنے اور چھپوانے کا شوق پیدا ہوا اور یہ عمل ریٹائرمنٹ کے بعد بھی جاری ہے۔ عملی زندگی میں وہ معلم تھے۔ آغاز ساڑھے بائیس روپے ماہانہ تنخواہ سے کیا۔ ایم اے اردو کرنے کے بعد ترقی کے دروازے کھل گئے۔ 1979ء میں ریٹائر ہوئے تو انیسویں گریڈ میں تھے اور تنخواہ ہزاروں میں تھی۔ اب ان کی پنشن بھی ہزاروں میں ہے۔

بیگو والہ ضلع سیالکوٹ کا یہ محنت کش ادیب 1957ء میں لاہور آ گیا۔ ابتداء افسانہ نگاری سے کی۔ ان کے افسانوں کا مجموعہ ''تلاش'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ پھر ناول کی طرف آ گئے اور تاریخی ناول ''قدم قدم پاکستان'' لکھا پھر ''مستان خان'' اور ''سنیڈرا'' تخلیق کئے اور شہرت کی بلندیوں پر پہنچ گئے۔ ''من کہ ایک مدرس'' ان کی خودنوشت سوانح عمری ہے جس کی صداقت بیانی نے بہت سے لوگوں کو متاثر کیا ہے۔ ان کی تصنیفات کی تعداد 100 سے زیادہ ہے

ریٹائرمنٹ کے بعد رسالہ ''اردو ڈائجسٹ'' میں چھپ کر مقبول ہوئے۔

''سفر جاری ہے'' کا ایک پیش لفظ قاضی ذوالفقار احمد نے لکھا ہے۔ کتاب چھپی تو اس کو نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھا اور اسے ''ایک انوکھی داستانِ حیات'' سے موسوم کیا۔

Marfat.com

قاضی ذوالفقار احمد

''سفر جاری ہے''۔۔۔ایک انوکھی داستانِ حیات

فطری بات ہے کہ میں نے آپ کی ''خودنوشت'' کے سرِ ورق کو اس قدر غور سے دیکھا کہ سورج کی روشنی اور بادلوں کے دھند لکے میں مجھے پہاڑوں کا وہ سلسلہ بھی نظر آیا، جن کا وجود تو ہے اور دھند لکے کے باوجود اپنے آپ کو تسلیم بھی کرا رہا ہے لیکن اس طرح واضح نہیں ہے، جیسے کہ پیش منظر کا پہاڑ ہے۔

سمندر تک ساکن ہے لیکن اُڑتی ہوئی کونجیں زندگی کی دلیل ہیں۔

''سفر جاری ہے'' کے الفاظ ایسے لگتے ہیں۔جیسے انہیں سونے سے ڈھال کر سمندر کی سطح پر رکھ دیا گیا ہے۔۔۔اور اس سارے منظر کا تخلیق کار سمٹ کر ایک کونے میں بیٹھ گیا ہے۔لیکن مقبول احمد کا نام سورج کی روشنی کا حصّہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

پُر معنی اور جاذبِ نظر سرِ ورق کے سحر سے آزاد ہوا تو ابتدائی صفحے پر نظر ڈالی۔وہ صفحہ ''ابتدا اور انتہا'' رکھنے والی ہستی کے بارے میں ہے، جو ہر قوت یہاں تک کہ ہماری زندگی کا بھی سرچشمہ ہے۔۔۔رہے نام اللہ کا۔

اس سے اگلا صفحہ بے جی اور ''ابا جی'' کا ہے۔ان کے بھاگ کہ ابتداء و انتہاء کے مالک نے ان کو آپ جیسا فرزند عطا کیا، جس نے اپنی ذاتی جدوجہد سے

Marfat.com

ایسے ادارے کی بنیاد رکھی کہ وہ نسلوں کو علم و ادب ، تاریخ و سیاست ، جذبات و احساسات اور انسانی تعلقات و اخلاقیات پر مبنی صاف ستھری اور تعمیری کتب مہیا کر رہا ہے۔

پیشتر ازیں کہ میں کتاب کے متن تک پہنچوں میں رو مو کو پڑھے بغیر آگے نہ بڑھ سکا۔ انسان سب ہی برابر ہوتے ہیں۔ فرق سوچ کا ہوتا ہے۔ آپ کا انتخاب اس امر کی دلیل ہے کہ آپ بھی وہی کرنے کے خواہش مند ہیں، جو روسو نے کیا۔

برتیب کا عنوان لیے جو صفحہ سامنے آیا ہے۔ اس پر نابغہ عصر لوگوں یعنی ڈاکٹر صفدر محمود، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر طارق عزیز، ڈاکٹر اللہ بخش ملک، علی سفیان آفاقی، اے حمید، شعیب بن عزیز، طارق اسمٰعیل ساگر، سید واجد رضوی، ابوالامتیاز ع س مسلم، قمر نقوی اور مجھ خاکسار کا نام ہے۔ ''سفر جاری ہے'' نامی آپ کی خودنوشت کو انہوں نے بھی ایک نام دیا ہے جیسے ڈاکٹر صفدر محمود نے اسے ایک ادبی دستاویز کہا ہے اور خاکسار نے اسے ادب کی شمع فروزاں کہا ہے۔ اتنی بڑی بڑی عظیم، جانی پہچانی اور جفاداری شخصیتوں کی صف میں اپنا نام دیکھ کر مجھے تھوڑا سا رکنا پڑا۔ ''سفر جاری ہے'' میرے لیے اعزاز بن رہی تھی۔

پیش لفظ پڑھ کر اس محاورے کو دوام ملتا ہے کہ مول سے بیاج پیارا ہوتا ہے۔ اولاد کی اولاد دیکھ کر ہی لائف سیٹ ہوتی ہے۔ گھر کے اندر کی ''لائف سیٹ'' نہ ہو تو باہر کی زندگی کے آبگینوں کو اگر ٹھیس نہ بھی لگے تو بھی ان کی چمک ماند پڑ جاتی ہے۔

الحمد لِلّٰہ کہ آپ کو ابتداء و انتہا والی ہستی نے اپنی مہربانیوں سے نوازا ہے۔ شکر کے سجدے ادا کرتے رہیے۔

''سفر جاری ہے'' کے مُصنّف کے بارے میں انور سدید کا یہ تجزیہ حقیقت

Marfat.com

پر مبنی ہے کہ وہ کاروباری تعلقات کو دوستی کے رنگ ڈھنگ میں ڈھال دیتے ہیں۔ یہ انسانیت کا ایک اعلیٰ رخ ہے۔ صفدر محمود صاحب نے آپ کی تصنیف کو کتابیں چھاپنے کے ساتھ ساتھ کتاب لکھنے کی نئی روایت قرار دیا ہے۔ علی سفیان آفاقی نے ملک مقبول احمد اور مرحوم احسان دانش کی زندگیوں میں بہت سی چیزوں کو مشترک قرار دیا ہے۔ ملک مقبول احمد کو گو احسان دانش جیسی محنت و مزدوری کی منازل سے نہیں گزرنا پڑا۔ تاہم انہوں نے کٹھن آزمائشوں میں اپنے اندر کے تخلیق کار کو زندہ رکھا اور اب اُن کی تخلیق آپ کے اور ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اپنے کاروباری تجربات اور گروں کو انہوں نے پُرکاری سے بیان کیا ہے۔

''سفر جاری ہے'' کے اُسلوبِ بیان کے متعلق ڈاکٹر طارق عزیز نے ملک صاحب کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے۔ ہمایوں مرزا کی کہانی ''میری کہانی میری زبانی، سر رضا علی کے ''اعمال نامہ'' دیوان سنگھ مفتون کی ''ناقابل فراموش'' مولانا عبدالمجید سالک کی ''سرگزشت'' مولانا حسین احمد مدنی کی ''نقش حیات'' تقی محمد خان کی ''عمرِ رفتہ'' جوش ملیح آبادی کی ''یادوں کی برات''۔ احسان دانش کی ''جہانِ دانش'' اور میرزا ادیب کی ''مٹی کا دیا'' جیسی آپ بیتیوں کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ اے حمید نے ملک مقبول احمد کو رومان پرور ادیب کہہ کر دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

آخر میں جب میں نے سرورق کا آخری صفحہ دیکھا تو مذکورہ پانچوں ادیبوں اور نقادوں کے ملک صاحب کے بارے میں تحریروں کے اقتباسات کو موجود پایا۔ سچ ہے قد آور شخصیت شعیب نامہ میں شعیب بن عزیز نے کیا خوب کہا ہے۔ ''میری رائے بھی ملک مقبول احمد کے بارے میں یہی ہے کہ وہ گرم دمِ جستجو اور نرم دم گفتگو کرنے والے انسان ہیں۔ وہ زندگی کے کانٹے پلکوں سے چن لیتے ہیں۔

Marfat.com

طارق اسمعیل ساگر اس قحط الرجال کے دور میں ملک مقبول احمد کو عزت و محبت سے نوازنے والا انسان سمجھتے ہیں۔

اپنی تقریظ میں ملک مقبول احمد کی کتاب کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے سید واجد رضوی نے دراصل ملک صاحب کی تحریر کی تعریف انوکھے انداز میں کی ہے کہ "سفر جاری ہے" کو پڑھتے پڑھتے جب آپ کے دل کی دھڑکن تیز ہو تو چند لمحوں کے لیے کتاب کو بند کر دیجیے۔ آخر ملک صاحب نے ان کی تین انگریزی اور تین اردو کتابیں اس ہستی کے متعلق شائع کی ہیں، جس کی خاطر خدائے ذوالجلال نے کائنات کی تخلیق کی۔

ابوالامتیاز ع س مسلم کو ان کے محترم دوست قمر نقوی المعروف نقش بندی نے حمد و نعت کے مجموعہ کلام کی اشاعت کے لیے شارجہ میں امریکہ سے لکھا اور جو لکھا ملک صاحب کو مسلم صاحب نے اس کے عین مطابق پایا۔ جب تعلقات مزید بڑھے تو انہوں نے ملک صاحب کو "مقبولِ بارگاہ" شخصیت قرار دیا۔ خدا اور رسول ﷺ کا نام لینے والے بھی مقبولِ بارگاہ ہوتے ہیں۔ ملک صاحب نے خدا اور رسول ﷺ پر کتب شائع کی ہیں۔ ان کا اخلاقی قد و قامت بڑھانے میں ان کتب کا ہاتھ زیادہ ہے۔ راقم نے تو ملک صاحب کو ادب کی شمع فروزاں ہی قرار دیا ہے۔ جبکہ نقش بند قمر نقوی صاحب انہیں خلوص کا روشن چراغ قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ انسانی صفات کے ساتھ ساتھ ان کی دین داری سونے پر سہاگے کے مترادف ہے۔ انہی خطوط پر ڈاکٹر اللہ بخش ملک مینجنگ ڈائریکٹر پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن نے ان کو شرافت و قناعت کا مرقع قرار دیا ہے اور اس کی وجہ ان کا اسلام سے لگاؤ اور عشق مصطفیٰ ﷺ قرار دیا ہے۔

ملک صاحب کے ہزاروں ملنے والوں، چاہنے والوں اور جاننے والوں

Marfat.com

میں مذکورہ صفحات پر پھیلے تاثرات ملک صاحب کے بارے میں ہیں۔ ملک صاحب کے ذاتی نہیں مگر ان کی ذات سے متعلق ہیں۔ اس سے آگے ملک صاحب کا اپنا قلم ہمیں ملک صاحب کے اپنے بارے میں اور ان کی جدو جہد زندگی کے بارے میں بتاتا ہے۔

کیا خوب اور کیا سچ فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں

''مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی شرم، کوئی جھجک، کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ میں تعلیمی سرٹیفکیٹوں، ڈگریوں اور دستاویزی حوالوں سے انتہائی کم علم ہوں لیکن پھولوں کے درمیان رہ کر خوشبودار ہو جانے والی مٹی کی طرح میں بھی اُدباء شعرا، مُصنّفین، مترجمین، محققین اور عالی ظرف انسانوں اور کتابوں کے داخلی جمال سے فیض یاب ہوا اور خود بھی ایک کتاب بن کر رہ گیا۔''

ازاں بعد ملک مقبول احمد اپنی کتابِ ذات کے ورق پلٹنا شروع کرتے ہیں۔ ماشاء اللہ ان اوراق سے ملک مقبول احمد ادیبوں، کہانی نویسوں، افسانہ نگاروں اور ناول نویسوں کے رنگ و روپ میں دیہاتی مناظر، اپنے خاندان، اپنی حویلی، اپنے رومانس، گاؤں کی تقریبات، والدین اور ان کی وفات، اپنے امراض وغیرہ کو بیان کرتے ہوئے اپنے بچپن کے سنہرے زمانے کے مناظر سے ہمارے ذہنوں کو رومانوی دنیا میں لے جاتے ہیں۔ میلوں ٹھیلوں، راستہ روکنے والی بلاؤں اور مافوق الفطرت نتھے کی کارگزاریوں سے تحیّر کی دنیا میں داخل کرتے ہیں اور پھر نکال لے جاتے ہیں۔

اپنی تعلیمی سرگرمیوں کے بارے میں بتاتے ہوئے انہوں نے فارسی زبان سیکھنے کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ فارسی کی ہی مٹھاس ہے، جو ان کی ساری خودنوشت پر

Marfat.com

چھائی ہوئی ہے۔ پٹواری بننے کی بجائے مدرس بننا پسند کیا۔ کیوں؟ ذرا سوچئے۔ ملک صاحب بھی وہی سوچتے تھے، جو شرفاء آج بھی سوچتے ہیں حالانکہ پٹواریوں میں سے ولی اللہ بھی ہوئے ہیں، جن کا فیضان ان کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان کی اولاد کے ذریعے جاری ہے۔

ازدواجی زندگی کے بارے میں ملک صاحب انتہائی مطمئن اور پُرسکون جا رہے ہیں۔ کتاب میں شامل تصاویر ان کی زندگی کے شب و روز کی گواہی ہیں لیکن ماں کی خاطر۔۔۔ جی ہاں بے جی کی خاطر انہوں نے اپنی اصل محبت کے ثمر کی تلخی کو بھی برداشت کیا۔ میں جو کہنا چاہ رہا ہوں۔ وہ شاید مبہم ہو لیکن ملک صاحب کی خودنوشت اس کا اظہار موزوں طریقے سے کرے گی۔ آپ کتاب کے ورق الٹیں۔

دیہات سے لاہور میں آمد، چودھویں صدی میگزین کا آغاز اور دیگر کاروباری تجربات۔۔۔ اور ان تجربات میں رئیس احمد جعفری سے ملاقات آزادیٔ ہند کی اشاعت بڑے سنگِ میل حوادث ہیں، جو ملک صاحب کی ہجرت کو کامیاب بناتے ہیں اور کتابوں کی دنیا آباد کرتے ہیں اور ملک صاحب کو وہ کچھ بناتے ہیں جو وہ آج ہیں۔۔۔ وہ آج کیا ہیں؟ سفر جاری ہے میں اس کی تفصیل آپ کے ذوقِ نظر کی منتظر ہے۔

ملک صاحب نے کچھ ایسے حادثوں کا ذکر بھی کیا ہے جن سے وہ ''زندگی'' سے ہاتھ دھوتے دھوتے بچ گئے۔ اللہ کی رضا تو ان سے کام، عظیم کام لینے کی تھی۔ ان کو گزند کیسے پہنچتا۔

پچھلی ایک ملاقات میں میں نے ملک صاحب سے کہا تھا کہ ان کی سادی اور روحانی زندگی پر جو کرم اللہ نے کئے ہیں ان کا عکس تو آپ کے برتاؤ، طرزِ عمل اور رکھ رکھاؤ میں ہے۔۔۔ لیکن کاروباری زندگی میں کچھ دنیادار بھی بننا پڑتا ہے۔

Marfat.com

۔۔آپ اور آپ کے مشیر کار دونوں ہی محتاج ہیں لہٰذا مصلحتاً بھی کبھی حقیقت سے تغافل نہ برتیں تو یہی کچھ عین ولایت ہے۔ ملک صاحب مسکرا کر رہ گئے۔ پھر کہا آپ نے سچ کہا ہے۔۔۔ان شاء اللہ کوشش ہوگی کہ کوئی موقع بھی اخلاقِ عالیہ کے منافی نہ ہو۔

کتاب میں بے شمار اہل قلم کی تصاویر بھی ہیں۔۔۔خاکسار بھی ان میں موجود ہے۔ یہ ملک صاحب کی اخلاقی مروّت، دوست نوازی، اور عرفانِ طبع ہے کہ انہوں نے اس عظیم برادری کو یاد رکھا ہوا ہے، جو ان کے لیے مسوّدات مہیا کرتے رہے (حالانکہ مسوّدات ایک عام جنس ہی شمار ہوتے ہیں)۔ جیسے میں نے محبت کے ثمر میں تلخی کی بات کی ہے۔ اس طرح وکھری ٹائپ کے لوگوں سے ملک صاحب کا سابقہ پڑنا بھی ایک فطرتی امر ہے۔ یہ ملک صاحب کا ظرف ہے کہ انہوں نے وکھری ٹائپ کو معاف کر رکھا ہے۔ اور ان کا ذکر بھی خودنوشت میں کیا ہے۔

اور بھی کئی ابواب ''سفر جاری ہے'' کے ایسے ہیں جن کے پڑھنے سے ہم میں بہتوں کا بھلا ہو سکتا ہے۔ ان ابواب میں سے ''تندرستی ہزار نعمت ہے'' جو جان ہے تو جہان ہے کی ترجمانی کرتا ہے۔ ''در رحمت کھلا'' ''سفر سعادت'' اور دربار نبی ﷺ میں حاضری'' ایسے ابواب ہیں، جن سے روحانی بالیدگی حاصل ہوتی اور اصل سفر۔۔۔سفر آخرت میں بلند پردازی پیدا ہوتی ہے۔

ملک مقبول احمد اپنے مہربانوں اور کاروبار میں بددیانتی کرنے والوں کے ذکر کو بھی نہیں بھولے۔ یہ چراغ سے چراغ جلانے کی بات ہے۔

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ۔۔۔اعلیٰ ذوق رکھنے والی، شاعرات اور ناول نگار، ادبی خواتین کا ذکر اور ان کی پاکیزہ تصاویر نے کتاب میں ستاروں کی کہکشاں بھر دینے کا کام کیا ہے۔ ان سب کی تحریروں میں بھی روشنی اور

Marfat.com

زندگی کا حسن نمایاں ہے۔

کتاب کی پذیرائی کا یہ خط طویل ہی ہوتا جا رہا ہے لہٰذا مزید لکھنے کی خواہش کے باوجود اس کو اختتام لگاتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ بھی بتائیں کہ آپ کو ایک دیہات سے آنے والے تاجرِ کتب کی خودنوشت کیسی معلوم ہوئی اور آپ نے اس سے کیا استفادہ کیا۔ میں تو اسے پڑھتے ہوئے مسحور رہا ہوں اور کتاب کے کرداروں سے بہت کچھ سیکھا جاتا ہے اور بہت سے تحفظات مرتب کئے ہیں۔

ملک مقبول احمد صاحب آپ کو آفرین اور سلام و دعا

Marfat.com

جناب قائم نقوی

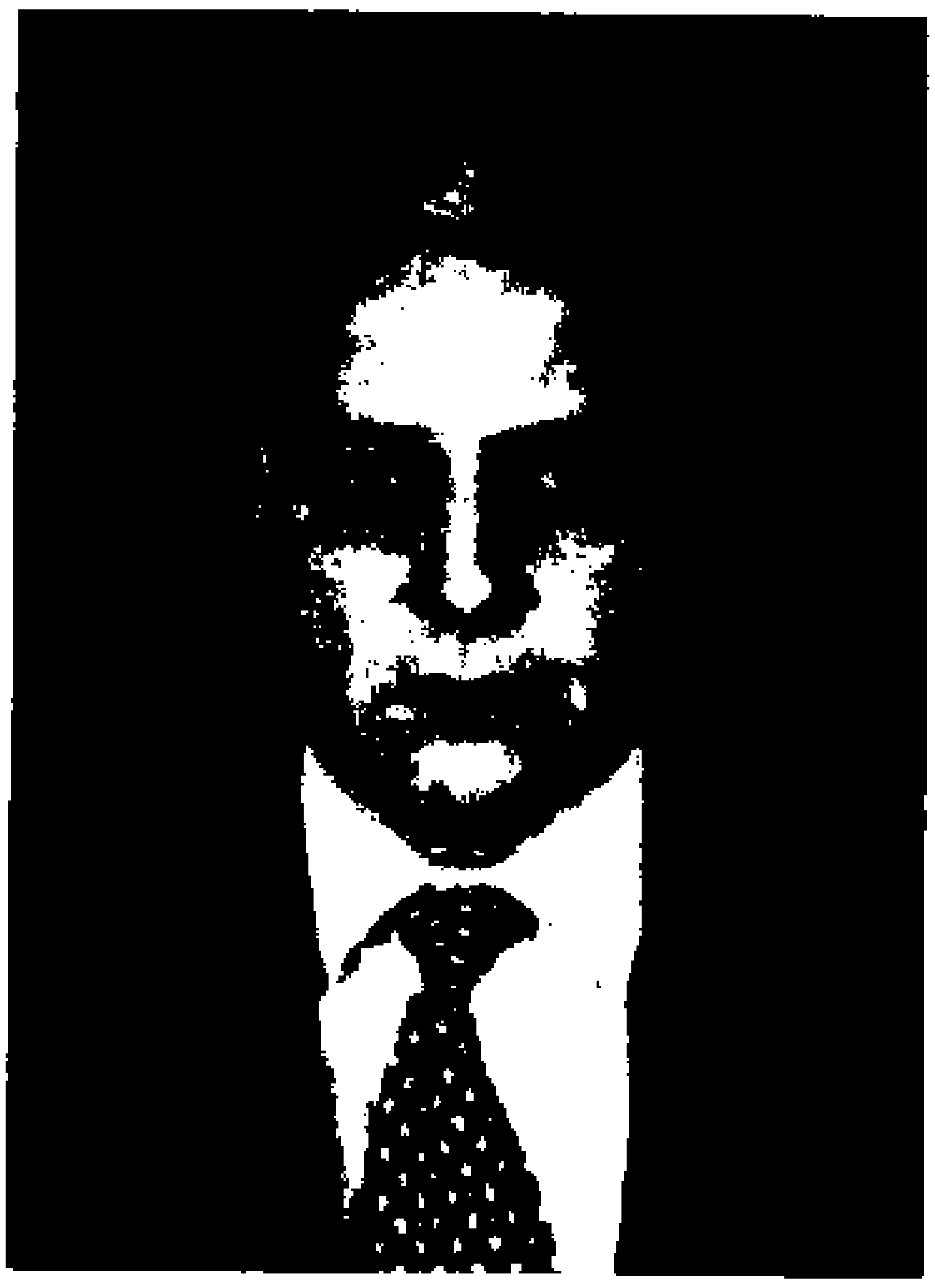

قائم نقوی کے نام سے پہلے سید اور قائم کے بعد حسین لکھ دیں تو ان کا پیدائشی نام جو ماں باپ نے رکھا تھا نکل آتا ہے۔ سرکاری ملازم ہیں لیکن شاعری میں دبستان لاہور کے نمائندہ شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ ملکی مشاعروں میں غزل پڑھتے ہیں تو بے پناہ داد حاصل کرتے ہیں۔

قائم نقوی 6 جون 1949ء کو علی پور ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد نے ان کے کان میں جو اذان پھونکی وہ تجوید کے تمام تقاضے پورے کرتی تھی۔ اس اذان کی آواز نے ہی انہیں شاعر بنا دیا اور شاعری میں موسیقی کی لہر دوڑا دی۔ تعلیمی اعتبار سے ایم اے ہیں۔ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ محکمہ اطلاعات میں ملازمت شروع کی تو وفاداری شرطِ استواری کا ثبوت دیا اور ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے پر پہنچ گئے ان دنوں رسالہ ''ماہِ نو'' کے ایڈیٹر ہیں۔

قائم نقوی کی کتابوں میں ''زادِ ہجر''۔ ''بیلے رمزاں دے''۔ ''انتخاب غزل 1987ء'' کے علاوہ ''منتخب شاہکار طنز و مزاح'' شامل ہیں۔ ٹیلی ویژن پر ان کے ڈرامے۔ ''ایک بوند لہو کی'' ''کنڈیاں والے پینڈے'' اور ''سدھراں دے ڈنگ'' ٹیلی کاسٹ ہو چکے ہیں۔

اور ہاں ان کی ایک خصوصی صنف کالم نگاری بھی ہے۔ روزنامہ ''مغربی پاکستان''۔ ماہنامہ ''پلک''۔ روزنامہ ''پاکستان'' میں ان کے کالم چھپ چکے ہیں اور قلم رواں دواں ہے۔

انہیں مسعود کھدر پوش ایوارڈ، حلقہ اہل قلم ایوارڈ، استاد عشق لہر ایوارڈ اور سانول سنگت ایوارڈ مل چکا ہے۔

قائم نقوی صاحب نے ''سفر جاری ہے'' پر مختصر سا تبصرہ رسالہ ''ماہِ نو'' میں شائع کیا۔ اور کتاب شناسی پر آئے تو کوزے میں دریا بند کر دیا۔

Marfat.com

قائم نقوی

ایک ناشر۔ایک لکھاری

ملک مقبول احمد کے بارے میں مجھے اتنی تو خبر تھی کہ وہ ملک کے معروف اشاعتی ادارے مقبول اکیڈمی کے روحِ رواں ہیں مگر یہ خبر نہ تھی اور نہ ہی کسی نے بتائی کہ مقبول ملک احمد ایک لکھاری بھی ہیں۔ یہ سب کچھ تو اُس وقت پتہ چلا جب اُن کی خودنوشت سوانح عمری ''سفر جاری ہے'' پڑھنے کو ملی۔ ''سفر جاری ہے'' کے مطالعے نے اِس بات کی تصدیق کر دی کہ ملک مقبول ناشر کے ساتھ ساتھ ایک لکھاری بلکہ اچھے لکھاری ہیں۔ ''سفر جاری ہے'' کہ پڑھنے کے بعد معلوم ہوا ملک صاحب اعلیٰ نصابی تعلیم حاصل نہ کر سکے اور والد کی خواہش تھی کہ پٹواری بن جائیں مگر والد کی خواہش کے برعکس آپ ایک سکول ٹیچر بن گئے اور پھر سب کچھ چھوڑ کر لاہور آ گئے اور ایک رسالہ شائع کرنے کی ٹھان لی۔ اِس رسالے کا نام تھا ''چودھویں صدی''۔ رسالے کی اشاعت کے بعد ایک اشاعتی ادارہ مقبول اکیڈمی بنا لیا۔ ملک مقبول صاحب کی زندگی پر اگر نظر دوڑائی جائے تو پتہ چلے گا کہ ملک صاحب نے آج تک جتنے کام کیے، وہ سب لکھنے پڑھنے والے کام تھے۔ اس لئے اگر انہوں نے اپنی سوانح عمری لکھی تو اِس میں حیران ہونے والی کوئی بات نہیں۔

ملک مقبول کا اندازِ تحریر سیدھا سادا ہے تحریر میں کہیں بھی تصنع، بناوٹ نظر

Marfat.com

نہیں آتی۔ قاری پر کہیں بھی اپنی علمیت کا بوجھ نہیں ڈالا۔ جو بات وہ کہنا چاہتے ہیں اور سمجھانا چاہتے ہیں، وہ انہوں نے بغیر کسی رکھ رکھاؤ کے کہہ ڈالی ہے۔

یہ آپ بیتی تو انہوں نے اپنے پوتے پوتیوں اور نواسیوں کی فرمائش پر لکھی ہے۔ بچے دیکھنا چاہتے تھے کہ مقبول اکیڈیمی کو ایک معتبر اور کامیاب ادارہ بنانے والے نے کیا کیا جتن کیے، منزل تک پہنچنے کے لیے اُس کی راہ میں کون سی رکاوٹیں اور مشکلات آئیں اور وہ اِن سے کیسے نبرد آزما ہوئے۔

ایک ناشر جو ساری عمر مختلف الخیال علماء، اُدباء اور شعراء سے کتابیں لکھواتا رہا اور لوگوں کے پڑھنے کے لیے شائع کرتا رہا، اُس سے اُس کے بچوں نے ضد کر کے کتاب لکھوا ڈالی اور پھر اُسے لوگوں کے پڑھنے کے لئے شائع کروادی۔ یہ بات ملک مقبول احمد کو نہ جانے کیسے لگی ہو۔

اس سوانح عمری میں گاؤں سے شہر اور پھر بڑے شہر میں آنے اور رہنے کی تمام رُوداد ہے اِس میں بچپن، جوانی اور بڑھاپا کی تمام باتیں ہیں، جو ملک مقبول نے محسوس کیں۔ اِس آپ بیتی میں بہت سی یادیں اور باتیں دلچسپ ہیں مگر جس باب کو میں نے زیادہ دلچسپی سے پڑھا، وہ ہے وکھری ٹائپ کے لوگ۔ اگرچہ ایسے لوگ ہر بندہ کی زندگی میں کبھی نہ کبھی آتے ہیں مگر ملک مقبول نے اِن وکھری ٹائپ لوگوں کا تذکرہ ایسے انداز سے کیا ہے کہ یہ کردار قاری کو چلتے پھرتے نظر آتے ہیں اور اُسے اِن کے کردار سے دُکھ بھی پہنچتا ہے اور وہ محظوظ بھی ہوتا ہے۔ اِن سارے کرداروں کا تذکرہ ہلکے پھلکے انداز میں کیا گیا ہے مگر اِس میں طنز کی کاٹ بھی ملتی ہے۔

آخر میں ملک مقبول احمد کو میں اتنی اچھی خودنوشت سوانح عمری لکھنے پر مبارک باد اور اُن کے بچوں کو شاباش دیتا ہوں، جنہوں نے یہ کتاب لکھوائی۔

Marfat.com

جناب نقش بند قمر نقوی

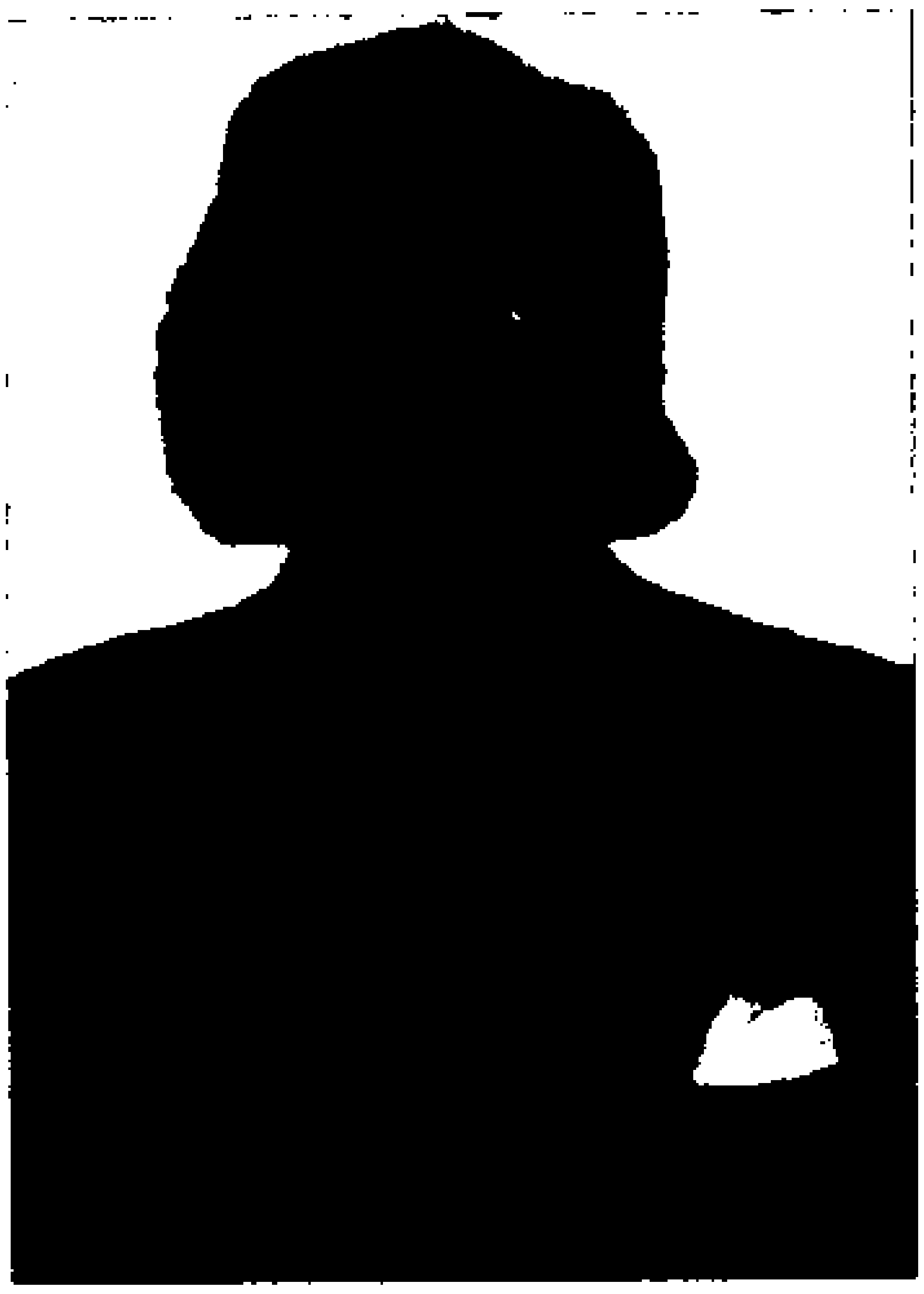

نقش بند قمر نقوی جہانیاں جہاں گشت ہیں۔ان کے پاؤں میں چکر ہے۔جنگل میں نکل جائیں تو شکار کرتے ہیں۔شہروں میں جائیں تو سیاحت کرتے اور سفر نامہ لکھتے ہیں۔ان کی نظر صرف عجائبات پر جاتی ہے اور اپنی تحریروں سے قارئین کو متحیر کر دیتے ہیں۔جوان کہلانا پسند کرتے ہیں۔اس لیے تاریخ پیدائش نہیں بتاتے لیکن ان سے ملاقات ہو تو جوان بلکہ نوجوان نظر آتے ہیں۔

نقشبند قمر نقوی صاحب نے ایم اے تاریخ، گورڈن کالج راولپنڈی سے کیا اور ایم بی اے تہران یونیورسٹی سے۔۔۔ان کے جدِّ امجد حضرت سید میراں شاہ موج دریا نقوی بخاری ہیں۔جن کا مزار لاہور میں مرجع خاص و عام ہے۔سلسلہ نسب امیر المومنین سیدنا علی ابن طالب تک جاتا ہے۔

عملی زندگی کی ابتدا ریڈیو پاکستان راولپنڈی میں پروگرام اسسٹنٹ کی ملازمت سے کی لیکن پھر ملک سے باہر چلے گئے۔ایران میں شہنشاہ ایران کے دور میں مشاور بن گئے۔ ابوظہبی گئے تو حکومت کے انگریزی اخبار ''ایمرائیٹ نیوز'' کی ادارت کی۔یو اے ای میں محکمہ تعاونیہ میں کمرشل مینجر کے عہدے پر فائز ہوئے۔اب امریکہ میں ہیں اور کئی انگریزی روزناموں کے ''کارسپانڈنٹ'' ہیں۔

آپ حیران ہوں گے کہ نقش بند قمر نقوی عیش اور شکار سے ریٹائر ہو گئے ہیں۔اب صرف کتابیں لکھتے ہیں جو مقبول اکیڈمی سے شائع ہوتی ہیں۔ہم نے مؤدبانہ عمر دریافت کی۔کہنے لگے!

''زیادہ نہیں۔جوان ہوں۔۔**الحمدُ لِلّٰہ!**''

''سفر جاری ہے'' پر نثر میں رائے لکھ چکے تو شاعری میں بھی اظہار ضروری سمجھا۔ شاعری اور نثر کی دونوں تحریریں شامل کتاب ہیں۔ان کا تبصرہ ماہ نامہ ''روشنی'' ٹلسا (امریکہ) میں چھپا ہے

Marfat.com

نقشبند قمر نقوی

ایک سفر کی بات

سفر جاری ہے.........

احساسات، جذبات اور خیالات کے امتزاج سے معرضِ وجود میں آنے والی داستانیں نہ صرف دلچسپ ہی ہوتی ہیں بلکہ زندگی کے نشیب وفراز،، سلسلہ روز وشب، اور رات دن کے تغیر و تبدل، زندگی کی انجمن میں کبھی ہنگامے، کبھی سکوت..... سب ہی کا جائزہ لیتے ہوئے اپنی ذات میں انجمن بنے، سوانحی بیانات اور قصے، نفی واثبات کے مابین ایک ایسا پل تعمیر کرتے ہیں، جس پر سے گزرتے ہوئے، بہاروں کی نکہت، چمنستان کی رنگینی، اور گلزاروں کی رعنائی کے مناظرِ فردوس نظر بنتے ہیں۔

ذہن انسانی کی وسعتوں کا اندازہ دشوار ہے، بس یہی کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ نے انسان کو ایسی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا ہے، جو کسی موقعے پر اچانک ہی چشمے کی طرح زمین فکر سے پھوٹ پڑتی ہیں اور اہل نظر کو حیرت زدہ کر دیتی ہیں۔

برِصغیر میں خود نوشت سوانحات کا رواج غالبًا.... ہندوستان کے مغل تاجدارِ شہنشاہ بابر نے ''تزکِ بابری'' لکھ کر کیا تھا، اس کے بعد جہانگیر نے بھی ''تزک جہانگیری'' لکھی.... پھر اودھ کے نام نہاد بادشاہ واجد علی خان نے اپنے

Marfat.com

کو رسوا کرنے کے لیے ''پری خانہ'' لکھا، اس کی اتباع میں جوش ملیح آبادی نے بھی اپنی رسوائی میں کوتاہی نہیں کی اور ''یادوں کی برات'' لکھ دی، لیکن بالعموم ایسا نہیں ہوا، سوانحات لکھنے والوں نے، جن میں سے تقریباً سارے ہی صاحب کردار و اخلاق تھے، اپنی اور دوسروں کی آبرو کا خیال رکھا، سارے انسان فرشتے نہیں ہوتے، لیکن اپنی کوتاہیوں کی تشہیر کرنا کوئی قابل تعریف طریقہ نہیں۔ خود اللہ تعالیٰ سبحانہ اپنے بندوں کے راز افشا نہیں فرماتا۔

ایک عرصے تک سوانحات کا سلسلہ منقطع رہا، اُردو ادب میں دوسری زبانوں کے ادب کی طرح مسلسل تغیر و تبدل واقع ہوتے رہے، سوانحات کی ہیئت میں بھی تغیر واقع ہونا کچھ عجیب بات نہیں تھی۔ پاکستان میں یکبارگی ہی سفرناموں کا رواج ہوا، اور ہر وہ شخص جس نے کراچی سے حیدر آباد، یا لاہور سے کالا شاہ کا کو تک سفر کیا تھا، اس نے زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہوئے اپنے کو ہوانگ سانگ ثانی ثابت کرنے کی کوشش میں کمی نہیں کی!

جب لوگ سفرناموں سے تنگ آ گئے بلکہ سفر سے ہی تائب ہو گئے تو یکبارگی ہی بے شمار لوگوں کو خیال آیا کہ ان کی اپنی زندگی اس قدر دلچسپ اور ''سبق آموز'' رہی تھی کہ اس کی جزئیات کو دوسروں تک نہ پہنچانا کئی نسلوں پر ظلم کے مترادف ہوگا اور عالمِ ناسوت ہی نامکمل رہ جائے گا۔ لہٰذا خودنوشت سوانح لکھنے والے نمودار ہوئے، ایسی کئی سوانح شائع ہوئیں، جو دلچسپی سے خالی نہیں تھیں، اور واقعی قابل قدر بھی تھیں۔ خودنوشت سوانح اسی وقت مفید اور معقول ہو سکتی ہے جب ان میں حقیقت و گمان کے درمیان حدِ فاصل کا خیال رکھا جائے۔ اگر سوانحات سے یہ مراد ہے کہ قارئین ان کو پڑھ کر صاحب قلم کے اخلاق، اعمال اور رجحانات و خیالات کی پاکیزگی، معقولیت اور انسانیت کی قدر کریں اور قابل تعریف جانیں، تو سوانح کی

Marfat.com

افادیت میں شک نہیں۔ایسی سوانحات سے تجربات کا علم کتنے ہی انسانوں کے لیے مفید ہوسکتا ہے۔کردارواخلاق کی تعمیر میں قابل تقلید سمجھا جاسکتا ہے۔

سوانحات کا وصف ہی یہ ہے کہ اُن میں شب و روز کے اس طلسم سے تشکیل پانے والے واقعات، مشاہدات اور تجربات کا ایک خزانہ ہوتا ہے، ماضی کی ایک انفرادی نگاہ سے دیکھی ہوئی تصویر، جس کے نقوش میں حسن بیان کے ساتھ ساتھ روزمرہ کی کہانی میں ادبیت اور جاذبیت کا قابل توجہ عنصر ہوتا ہے، ایسی قلمی تصویر بن جاتی ہے، جس کے دلکش نقوش زندگی کی گراں بہا اقدار کی عکاسی کرتے ہیں، یہ ایک دور کی شخصی تاریخ ہوتی ہے۔ جس میں واقعات، حالات اور تجربات کے ساتھ شخصیات، اور ادبی و معاشرتی تغیرات، معاشرے کے ارتقا کی داستان، جدید رجحانات کا تجزیہ اور تبصرہ سب ہی کچھ ہوتا ہے۔

وہ الفاظ جو قلم سے نکل کر کاغذ پر ثبت ہو جاتے ہیں، وہ ایسے نقوش ہوتے ہیں، جن سے رنگ و ادائے ادب کا ظہور ہوتا اور چشمے کی طرح عرصے تک جاری رہتا ہے، یہ الفاظ یا تحریریں وقت کی جبیں پر ثبت ہو کر ایک اثراتی عکس کی طرح درخشندہ رہتی ہیں، وہ عبارت جو ایک بار قلم بند ہوگئی، وہ تاریخ کا حصّہ بن گئی، عصری قارئین تو اس سے استفادہ کرتے ہی ہیں، آئندہ وقوع پذیر ہونے والے قارئین بھی اس کے مطالعے سے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں! اگر صاحبِ قلم نے دلکش و قابل اعتناء تصاویر تخلیق کیں تو پڑھنے والے انہیں تحسین کی نظروں سے دیکھیں گے۔

الحاج ملک مقبول احمد کی خودنوشت سوانح ''سفر جاری ہے'' ان اقدار کو ملحوظ رکھتی ہے، جو سوانحات کو قابل قبول بتاتی ہیں، وہ خود لکھتے ہیں:

''کتاب کی اشاعت میں مُصنّف، ناشر اور قاری شامل ہیں، مُصنّف کتاب لکھتا ہے، ناشر کتاب چھاپتا ہے، اور قاری تک پہنچاتا ہے اور

Marfat.com

قاری اس کو پڑھتا ہے، علم و دانش کی باتیں سیکھتا ہے، اور گونا گوں تجربات حاصل کرتا ہے، کتاب کی افادیت نہ صرف یہ کہ اس کے زمانہ اشاعت میں اہمیت رکھتی ہے بلکہ یہ آئندہ زمانوں اور آئندہ نسلوں کی عقل وخرد کو بھی منور کرتی ہے۔"

چنانچہ اس تناظر میں ان کا یہ بیان بھی قابل توجہ ہے:

"یہ کتاب میرے تجربات پر مشتمل ہے، جس سے نئے ناشرین رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں، لیکن ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ میرے پوتے بابر مقبول کو پتا چلے کہ اس کے دادا نے کیا کیا پاپڑ بیلے ہیں۔"

اور یہی ان کی سوانح کی خوبی ہے، انہوں نے ابتدا سے ہی یہ واضح کر دیا ہے کہ انہوں نے اپنی سوانح بے مقصد عالمِ بے خودی میں نہیں لکھ دی، بلکہ متعدد نیک مقاصد کو پیش نظر رکھ کر زیرِ تحریر لائے اور حقائق کے گلہائے رنگین کھلا دیے!

اور تو خیر جو کچھ بھی ہے وہ پیش نظر آنے ہی والا ہے لیکن انہوں نے بچپن میں بٹیر پکڑنے کے سلسلے میں بھی ایک دلچسپ بات لکھ دی ہے:

"مجھے بٹیر پکڑنے کا بڑا شوق تھا..... ایک دفعہ جال لگایا تو بہت سے بٹیر جال کے پاس پہنچ گئے، میں نے آگے سے جا کر پکڑنے کی کوشش کی تو سارے اُڑ گئے، میرے ساتھی نے بتایا کہ یہ طریقہ بالکل غلط ہے، بٹیروں کو ہمیشہ پیچھے سے پکڑنا چاہیے، میں نے اس طریقے پر عمل شروع کر دیا۔"

سادگی اور خوبصورتی کے ساتھ سچی بات بیان کر دینا بھی ایک وصف ہے، جو ہر ایک کو میسر نہیں ہوتا، ان کی سوانح میں درج بالا مسئلے کے علاوہ کئی ایسی سادہ سادہ لیکن اچھی باتیں ملتی جاتی ہیں، جو قاری کو محظوظ بھی کرتی ہیں اور ملک صاحب کی سیرت

Marfat.com

مبارکہ پر اس کا کوئی منفی اثر بھی واقع نہیں ہوتا۔

انہوں نے اپنی سوانح اپنے ہی تک محدود نہیں رکھی، اپنے چند ''معتقدین'' کا بھی مصور تذکرہ کیا ہے، ان کو انہوں نے ''چند مُصنّفین کا تذکرہ'' کا عنوان دیا اور نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ خواتین کو بھی نہیں بھولے، اس باب کے آخر میں انہوں نے لکھا ہے:

''میرا اشاعتی کام کئی سالوں پر پھیلا ہوا ہے، اس دوران میں مجھے بہت سے نامور ادیبوں دانشوروں اور عظیم شخصیات سے شرفِ نیاز حاصل ہوا، کچھ کرم فرماؤں نے اپنے رشحاتِ قلم مجھے اشاعت کے لیے دیے لیکن بعض اصحاب نے مجھے اس خدمت کے قابل نہیں سمجھا لیکن میرا ان سے تعلقِ خاطر قائم رہا اور میں نے نیاز مندی کے سلسلے کو کبھی ٹوٹنے نہیں دیا۔''

ملک صاحب نے ایک دلچسپ بات اپنے بارے میں ''حرفِ آخر'' کے تحت یہ لکھی کہ:

''میں ایک عام سا بندہ ہوں، اس کے سوا میری کوئی خصوصیت نہیں ہے، میں نہ تو دنیاوی علوم میں درک رکھتا ہوں اور نہ ہی دینی علوم میں مولوی یا مولانا ہوں، میرے شعور کی آنکھوں نے جبر، ظلم اور استحصال کو کبھی پسند نہیں کیا، میرے تمام مسائل بنی نوع انسان کے عام لوگوں جیسے ہی رہے ہیں۔''

اتنی صاف گوئی؟!

الحاج ملک مقبول نے یقیناً ایسے کئی زاویوں کو نقش کامل بنایا ہے، جن سے ان کی حقیقت پسندی اور راست گوئی مترشح ہوتی ہے، ان کی زندگی سادہ و پُرکار رہی

Marfat.com

ہے اور اسی نسبت سے ان کے تجربات اور مشاہدات بھی متنوع رہے ہیں، انہوں نے اپنے ان تجربات کا بھی ذکر کیا جو انہیں کاروباری سلسلے میں پیش آئے تاہم انہوں نے اپنی فطری رواداری اور مروّت کا دامن نہیں چھوڑا۔

میں تو ملک مقبول ناشر کتب کو جانتا تھا..... یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ ان کے اندر تو ایک اچھا خاصا ادیب اور خوش بیان اہل قلم بھی چھپا ہوا ہے!

نکلتا ہوا قد و قامت، چمکتی ہوئی آنکھیں، ''کبھی'' متبسّم اور اکثر متین چہرہ، سادہ لباس، نہ زیادہ گفتگو، نہ زیادہ کم سخنی، نہ اتنی بے تکلفی کہ متانت کے خلاف ہو، نہ ایسی بے مروّتی جس کو تکبر کہا جائے...... ملک صاحب ایسے ہی ہیں، اُن کی خود نوشت سوانح میں نے پڑھنا شروع کی تو بتدریج وہ محاسن دریافت ہوتے گئے جو اس سوانح کا طرۂ امتیاز ہیں۔

لیکن بات ساری یہ ہے کہ انہیں تعلقات قائم رکھنے کا کمال آتا ہے، میں شاہد ہوں کہ انہوں نے ایک بار جس سے مراسم قائم کیے پھر ان میں خلل واقع نہیں ہونے دیا.... اور اسی ضمن میں انہوں نے اپنے نام آئے مشاہیر کے وہ خطوط بھی شائع کر دیے، جو ان کی وسعتِ تعلقات کی نشاندہی بھی کرتے ہیں اور مقبولیت کی بھی، ان خطوط میں وہ ایک خط بھی ہے جس میں انہیں دعا دی گئی:

> ''اللہ کرے آپ کے حسنِ اہتمام میں مقبول اکیڈمی پاکستان کے چپے چپے میں بڑی مقبولیت حاصل کرے، آپ کی نیک نیتی اور اخلاقِ کریمانہ سے امید ہے کہ یہ ادارہ اردو ادب میں سنگِ میل ثابت ہوگا۔''
> (مکتوب میرزا ادیب)

''اخلاقِ کریمانہ'' کا تو یہ صداقت آمیز بیان ہے کہ میں نے ان سے چالیس سال کے برادرانہ اور نہایت بے تکلفانہ تعلقات کے دوران نہ تو کسی

Marfat.com

بداخلاقی کے ارتکاب کا مشاہدہ کیا، نہ ان کی کسی حرکت یا گفتگو سے کوئی رکیک یا قابل اعتراض مضمون سنا۔ان سے جب بات کی انہیں مہذب، باادب اور بااخلاق پایا،کاروبار اپنی جگہ لیکن انہوں نے اسے بھی اخلاص اور منصفانہ تعلق کا مقام عطا کیا، اوران تعلقات کی قدر بھی کی۔

انہوں نے بڑے بڑے ادیبوں کی کتب شائع کیں،لیکن حیرت تو یہ ہے کہ مجھ جیسے ادنیٰ اہل قلم کو بھی نظرانداز نہیں کیا!

ملک صاحب نے اپنی سوانح بڑی خوبی کے ساتھ لکھی ہے ان کے حسن بیان کی سادگی ،اور بے تکلفانہ انداز میں ادب کا ایسا دلکش رنگ نظر آتا ہے، جس کو ان کے ذوقِ سلیم کا عنوان ہی دیا جا سکتا ہے۔اب تک وہ ناشر کتب ہی تھے، لیکن اس سوانح کی اشاعت کے ساتھ ہی ان کو ادیب بھی کہنا پڑتا ہے... اس لیے کہ''سفر جاری ہے''ایک غیر معمولی دستاویز ہے،جس سے رعنائی خیال عمق فکر اور سادہ بیانی کے ساتھ ماضی کی یاد آفرینی دل میں اتر جاتی ہے۔نگاہوں کو روشن کر دیتی ہے۔

واللہ المستعان علی ماتصفون

ماہنامہ''روشنی''ٹلسا،امریکہ

Marfat.com

منزل دور ہے

(الحاج ملک مقبول احمد صاحب کی خودنوشت سوانح
''سفر جاری ہے'' سے متاثر ہوکر خراجِ تحسین)

سفر جاری ہے.... کیسا دلنشیں عنوان رکھا ہے
کہ آئندہ لکھے جانے کا بھی امکان رکھا ہے

بہت سی خود نوشتیں لکھنے والوں نے لکھیں لیکن
انہوں نے اک نئے انداز کا رجحان رکھا ہے

ادب کے ایک پیرائے میں ہے سارا بیاں ان کا
چھپا کر سادگی میں جذبہ ایقان رکھا ہے

ابھی تک تو ادب کی سر پرستی تھا شعار ان کا
مگر دل میں انہوں نے جانے اب کیا ٹھان رکھا ہے

کتابِ زندگانی کا یہی ہے رازِ رعنائی
ہر اک صفحے پہ نقش اپنا دلِ نادان رکھا ہے

Marfat.com

اسا لیبِ سوانح کو دیا ہے اک نیا خلعت
نشاں اپنے تخیل کا عظیم الشان رکھا ہے

بیاں رنگیں ، مضامیں دلکش و الفاظ برجستہ
ادب کی دلربائی کا عجب سامان رکھا ہے

کوئی پیچیدگی آنے نہ دی اپنی کہانی میں
جو مشکل بات پیش آئی اسے آسان رکھا ہے

ثبوت اتنا قمرنقوی ہے ان کے پاک داماں کا
قلم اک ہاتھ میں ہے، ایک میں قرآن رکھا ہے

Marfat.com

جناب قمر یورش (مرحوم)

قمر یورش صاحب نے میری کتاب ''سفر جاری ہے'' پڑھی تو ''واہ'' تھے، اب ''آہ'' ہو گئے ہیں۔ یعنی تبصرہ لکھا تو زندہ تھے۔ اب کتاب چھپ رہی ہے تو راہیِ ملکِ عدم ہو گئے ہیں۔ اور اپنے پیچھے ہزاروں دوستوں، لاکھوں مزدوروں کو سوگوار چھوڑ گئے ہیں۔ جن میں میں بھی شامل ہوں۔

ان کا پورا نام قمر دین بٹ تھا، امرتسر میں پیدا ہوئے، اور ابتدا کی 15 سال ''امبرسر'' میں ہی گزارے۔ اِس لحاظ سے ان کی سالِ پیدائش 1932ء بنتا ہے۔ اس برس (2007) میں وفات پائی۔ گویا انہوں نے 60 سال پاکستان میں بسر کئے۔ ان کی پہچان اسفنج کی چپل تھی جسے وہ عمر بھر سڑکوں پر گھسیٹتے رہے۔ ان کا نام ''اسفنج یار خان'' رکھا گیا تو کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔

قمر یورش بنیادی طور پر محنت کش انسان تھے۔ لیڈر نہیں مزدور تھے۔ مرزا ابراہیم اور پروفیسر مختار رانا کی مجالس میں بیٹھنے لگے تو مساوات انسانی کے مبلغ بن گئے اور مزدوروں کے حقوق کی حفاظت کو اپنا نصب العین بنالیا۔ اسی نصب العین سے انہوں نے عمر بھر انحراف نہ کیا۔ اردو زبان ان کے اظہار کا وسیلہ تھی۔ اور قلم ان کی تلوار تھا۔ اسی تلوار کو انہوں نے بچپن میں سنبھالا تو زندگی کے آخری لمحات تک اسے نیام میں نہیں ڈالا۔ سادہ دل اور سادہ مزاج انسان تھے۔ سوکھی روٹیاں شاپنگ بیگ میں رکھ کر کسان ہال سے نکلتے تو جہاں بھوک لگتی، پانی میں ڈبو کر کھا لیتے۔ استاد دامن کا ڈیرہ، کچہری روڈ پر فٹ پاتھ پر پرانی کتابوں کا اڈہ ان کے مستقل ٹھکانے تھے۔ انہوں نے آئی اے رحمان، مقبول جہانگیر، مختار رانا، منو بھائی اور احمد ندیم قاسمی کو اپنا پیشوا تصور کیا اور خاکہ نگاری میں کمال پیدا کیا۔

زندگی میں بیوی کا روگ نہیں پالا۔ روٹی، کپڑا اور مکان کی ضرورت سے ہمیشہ آزاد رہے۔ قمر یورش جیسے نظریہ پسند فعال عملی انسان اب نظر نہیں آتے۔

''سفر جاری ہے'' پڑھی تو اس پر تبصرہ ہفت روزہ ''مزدور'' میں پیش کرنے میں دیر نہ کی۔

Marfat.com

قمر یورش

سفر جاری ہے

میں نے ملک مقبول احمد کی آپ بیتی کو پڑھا ہے۔ انہوں نے اپنی آپ بیتی (سفر جاری ہے) میں اپنی زندگی کے تمام واقعات روسو کی طرح سچائی سے لکھے ہیں۔ اپنی خامیوں خوبیوں کو بلا جھجک لکھا ہے۔ کوئی چیز چھپائی نہیں۔ روسو نے اپنی مالکہ کا کاربین چوری کیا تھا۔ تلاشی کے بعد اس سے کاربین برآمد بھی ہوا اور روسو اپنی چوری کو چھپانے کے لیے اپنی دوست نوکرانی پر چوری کا الزام لگا کر خود تو بچ گیا۔ نوکرانی کو مالکن نے نوکری سے نکال دیا۔ مگر وہ بچاری روتی پیٹتی ہوئی چلی گئی۔ بعدازاں روسو تمام عمر اپنے آپ پر لعنت بھیجتا رہا۔ مقبول صاحب چاہتے تو جو انہوں نے پہلی جیل یاترا کی تھی، فراڈ کیس کو چھپا سکتے تھے۔ مگر انہوں نے چھپایا نہیں۔ بلکہ بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ (سفر جاری ہے) میں انہوں نے نہ صرف اپنے اردگرد کے ماحول کی عکاسی کی ہے۔ بلکہ اس وقت کے گلے سڑے سماج کا بڑی چابکدستی سے نقشہ کھینچا ہے۔ اور ساتھ ہی دیہاتی کلچر کو بھی پیش کیا ہے۔

انہوں نے دیہات کی زندگی کو بڑے والہانہ انداز میں تحریر کیا ہے۔ لکھتے ہیں، جب جموں کے پہاڑوں سے اُڑ کر سیاہ کالے بادل نیچے اترائی کی طرف آتے ہیں تو کھیتوں کو پانی سے جل تھل کر جاتے ہیں۔ وہ منظر بڑا حسین اور رنگین ہوتا ہے۔

Marfat.com

جب کسان اپنے بیلوں کے ساتھ ہل چلاتے ہیں۔اس وقت کسان بہت بڑے فنکار نظر آتے ہیں۔مقبول احمد نے اپنے بچپن اور لڑکپن کے سنہری دور کا بھی ذکر کیا ہے۔ اپنے بچپن کے ساتھیوں کے کھیل تماشوں کی کہانیاں بھی سنائی ہیں۔انہوں نے دیہاتی زندگی کی اس طرح مصوری کی ہے، جی چاہتا ہے اڑ کر ان دیہاتوں میں چلا جائے۔انہوں نے بچپن کے کچے پکے عشقیہ واقعات کا بھی ذکر کیا ہے۔وہاں انہوں نے اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے۔

(میرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ ہے)

میں ہر خوبصورت چیز کے پیچھے بھاگتا تھا۔مقبول احمد نے اپنی گھریلو زندگی پر بھی خوب روشنی ڈالی ہے۔ان کے سینے کے اندر یادوں کا ایک میلہ لگا ہے۔ان کے قلم میں لکھنے کی طاقت موجود ہے اور ان کے دل کے اندر ایک افسانہ نگار چھپا ہوا ہے۔ ان کا قلم دیہاتی زندگی پر طرارے بھرتا نظر آتا ہے۔

مقبول احمد عجز و انکساری کا مجسمہ ہیں۔انہوں نے کہیں بھی غرور و تکبر کا اظہار نہیں کیا۔یہ کتاب انہوں نے بڑی خوبصورت باتصویر شائع کی ہے۔یقین نہیں آتا ہے کہ یہ کتاب پاکستان میں چھپی ہے۔جس طرح انسان خوبصورت چہرے دیکھنا پسند کرتا ہے، اس طرح خوبصورت کتاب کو بھی دیکھنا چاہتا ہے۔ان کے حالات زندگی اتنے دلچسپ ہیں جیسے الف لیلہ کی داستان کے ہیں۔کتاب کو بند کرنے کو جی نہیں چاہتا۔بہرصورت ملک مقبول احمد مبارک باد کے مستحق ہیں۔

(ہفت روزہ مزدور۔لاہور 24 مارچ 2007ء)

Marfat.com

جناب ڈاکٹر کیول دھیر

ڈاکٹر کیول دھیر اردو افسانے کا بڑا نام ہے۔ کرشن چندر کے بعد انہیں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے اور پسند کیا جاتا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں کے مقبول ترین مصنف ہیں۔

ڈاکٹر کیول دھیر 5 اکتوبر 1938ء کو سابق ضلع منٹگمری اور حال ضلع وہاڑی کے قصبہ گگو میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد جناب ہنسراج ڈاکٹر تھے۔ چنانچہ کیول دھیر نے بھی عملی زندگی میں میڈیکل کا شعبہ پسند کیا اور طبِ یونانی میں ڈگری لی۔ لیکن ان کا فطری رجحان ادب کی طرف تھا۔ مریضوں سے ان کے دردناک حالات سنتے تو وہ کہانی کا تاروپود مکمل کر لیتے۔ ان کے افسانے زندگی کے مرقعے ہیں وہ انسانیت کے پرستار ہیں اس لیے واہگہ کی سرحد کے دونوں طرف مقبول ہیں۔

ایک مرتبہ لاہور آئے تو سفرنامہ ''خوشبو کا سفر'' لکھا۔ پھر بار بار لاہور آنے لگے اور اپنی جنم بھومی کی یاترا کر آتے۔ انہوں نے ادب، طب، نفسیات۔ جنس اور دیگر موضوعات پر ساٹھ سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔ ''شیشے کی دیوار'' ان کے ناول کا عنوان ہے ''بکھری ہوئی زندگی'' اور ''اپنا دامن اپنی آگ'' ان کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔ کہانیوں کا انتخاب الگ بھی چھپ چکا ہے جس کا نام ہے۔ ''کیول دھیر کی کہانیاں'' یورپ کی سیاحت کر چکے تو ''سفرنامہ گوری کے دیش'' میں لکھا۔ ہندو پاک کے تمام اہم ادیبوں نے انہیں خراج تحسین مضامین کی صورت میں پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر کیول دھیر خود نمائی سے نفرت کرتے ہیں لیکن دوستوں کی فہرست میں ان کی دلچسپی گہری ہے۔ اس کی مثال لدھیانہ میں ساحر اکیڈمی ہے۔ جو ساحر لدھیانوی پر ہر سال اعلیٰ پائے کی تقریب منعقد کرتی اور گولڈ میڈل تقسیم کرتی ہے۔ کیول دھیر صاحب کو متعدد ایوارڈز مل چکے ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر اپنا تاثر انہوں نے لدھیانہ (بھارت) سے بھجوایا ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر کیول دھیر

23-5-2007

سفر جاری ہے۔۔، ایک تاثر

''سفر جاری ہے'' ملک مقبول احمد کی خودنوشت ہے، جسے میں نے ایک بار سرسری دیکھا، ورق گردانی کرتے ہوئے کچھ کچھ پڑھا۔ کتاب مجھے دلچسپ لگی۔ یہ تب کی بات ہے جب ماہ اپریل کے تیسرے ہفتہ میں کتاب مجھے موصول ہوئی لیکن اُن دنوں میں پاکستان روانگی کی تیاری کر رہا تھا، اس لیے کتاب کا مطالعہ سنجیدگی سے نہیں کرسکا تھا۔ چند روز بعد جب میں لاہور پہنچا اور برادرم اظہر جاوید مدیر ''تخلیق'' کے توسط سے ملک مقبول احمد سے باقاعدہ ملاقات ہوا تو کتاب کو سنجیدگی سے پڑھنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔ بھارت واپس آنے کے بعد اپنی پہلی فرصت میں جب میں نے دوبارہ اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اس کے ہر صفحے پر مجھے ملک مقبول احمد دھیمے دھیمے مسکراتے نظر آئے اور میرے ساتھ ساتھ ہو لیے۔

کسی بھی تخلیق کو جب آپ پڑھتے ہیں تو اس کے کردار آپ سے مکالمہ کرتے ہیں اور اسی کا ردعمل ہوتا ہے کہ اس کتاب کے بارے میں آپ کوئی بھی تاثر قائم کر لیتے ہیں۔ اگر آپ تخلیق کار سے مل چکے ہوں تو اس کی شخصیت بھی آپ سے مکالمہ کرتی ہے۔ دوسری صورت میں تاثر مختلف ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں تخلیق کے کردار اور تخلیق کار دونوں آپ کے مطالعے کے ذہنی سفر کا حصہ بن کر ایک الگ

Marfat.com

تاثر پیدا کرتے ہیں۔اب جبکہ میں نے کتاب کا مطالعہ اس کے تخلیق کار کو اپنے ذہنی سفر کا حصہ بنا کر کیا ہے تو بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ کتاب ایک بڑی تجربہ گاہ ہے اور ملک مقبول احمد اس کے ہر صفحے پر نئے نئے تجربے کرتے نظر آ رہے ہیں۔بعض تجربے ناتجربہ کاری کا عمل ہیں اور بعض تلخ تجربے کا ثمر ہیں۔ دوسرے الفاظ میں مقبول صاحب ہر جگہ بہت سادہ، بہت معصوم، بہت ایمان دار، بہت صاف گو اور بہت ہی سنجیدہ نظر آتے ہیں۔

آپ بیتی لکھنا سب سے مشکل فن ہے۔اسے لکھتے وقت سچ کی تلخ حقیقت کو نہ صرف تسلیم کرنا پڑتا ہے بلکہ اسے بیان بھی کرنا پڑتا ہے۔اپنے ایگو EGO کو اپنے سے الگ کرنا پڑتا ہے۔اپنی کمزوریوں کو اجاگر کرنا پڑتا ہے۔بعض اوقات بے نقاب بھی ہونا پڑتا ہے۔آئینے میں اپنا جو چہرہ دکھائی دیتا ہے، اسی چہرے کو ہو بہو پیش کرنا پڑتا ہے۔ ملک مقبول احمد کی خودنوشت پڑھ کر میں نے محسوس کیا کہ وہ واقعی ماہر فن ہیں۔جو شخص انہیں آئینے میں نظر آیا اُسے اُس کے حقیقی روپ میں انہوں نے اپنی اس کتاب میں پیش کر دیا ہے۔انہوں نے اپنے بچپن کو بچپن کی معصومیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔جس میں ہمیں دیہی زندگی کی ویسی ہی معصوم سی منظر کشی بھی مل جاتی ہے۔ انہوں نے اپنی جوانی کو بھی نہیں چھپایا بلکہ قارئین کو اپنی جوان محبتوں کا راز دار بنایا ہے۔انہوں نے اپنی کم علمی کو بہت صاف گوئی سے بیان کیا ہے اور احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہوئے۔اپنی زندگی کی جدوجہد اور کشمکش کی روداد انہوں نے بے حد انکساری اور صداقت سے بیان کی ہے۔ ہر واقعہ کا ذکر انہوں نے سچائی کے ساتھ کیا ہے۔ زندگی کے سفر میں قدم قدم آگے بڑھنے کی ان کی کہانی میں مکمل اعتماد کی جھلک ملتی ہے۔اپنی کامیابیوں کے ساتھ ناکامیوں کو بھی انہوں نے بلا جھجک بیان کیا ہے اور کہیں پر بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ تصنع سے کام لے رہے ہیں۔

Marfat.com

ملک مقبول احمد کی سوانح حیات کا دوسرا حصّہ بے حد دلچسپ اور معلوماتی ہے۔ یہ حصّہ ادب اور ادیبوں سے تعلق رکھتا ہے۔ جس میں انہوں نے ان مُصنّفین کا ذکر کیا ہے، جو ان کے رابطے میں آئے اور یا جن کی کتابیں انہوں نے اپنے ادارے سے شائع کیں۔ انہون نے رئیس احمد جعفری، احسان دانش، میرزا ادیب، ڈاکٹر انور سدید، شعیب بن عزیز، امجد اسلام امجد، وحید قریشی، عبدالعزیز خالد، اظہر جاوید، ستاز طاہر، بلقیس ریاض، ادا جعفری، عذرا اصغر اور کئی دوسرے قلمکاروں کا ذکر بہت محبت سے کیا ہے۔ اسی کتاب میں ایک باب ''وکھری ٹائپ کے لوگ'' بھی ہے، جس کا آغاز انہوں نے اس طرح کیا ہے۔

> ''ہمارے معاشرے میں اچھے اور بُرے ہر قسم کے لوگ موجود ہیں۔ دیانت دار اور ایماندار بھی، بددیانت اور بے ایمان بھی، ہر ایک پُر اعتماد کرنے والے بھی اور سب کو شکوک اور شبہات سے دیکھنے والے بھی، بمؤخرالذکر قسم کے لوگ وکھری ٹائپ کے ہیں اور وہ معاشرے کو داغدار کرنے کا کوئی موقع فروگزاشت نہیں کرتے۔ کتابوں کی اشاعت و طباعت کے کاروبار میں مجھے بھی چند ایسے لوگوں سے پالا پڑا جن کے منفی ہتھکنڈوں کی وجہ سے ادب کے اس کاروبار کو دیانت سے چلانے والے ہی نہیں، علم و دانش بھی شرمندہ ہیں۔''

اس باب میں ملک مقبول احمد نے نام کے حوالوں کے بغیر اور بعض نام کے حوالوں کے ساتھ بھی اپنے طباعتی تجربوں اور ان لوگوں کے کارناموں و نازیبا حرکات کا ذکر کیا ہے۔ ایسے لوگ ہمارے معاشرے میں زندگی کے ہر شعبے میں موجود ہیں۔ اس کتاب کا ایک اور اہم حصّہ ملک مقبول احمد کے نام ادیبوں کے خطوط ہیں، جو ایک

Marfat.com

طرف تو اس شخص کے خلوص اور محبت کی کہانیاں بیان کرتے ہیں تو دوسری طرف ''مقبول اکیڈمی'' کے معتبر اور صفِ اوّل کا اشاعتی ادارہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔اسی طرح کی تصدیق ''مقبول اکیڈمی'' کی مطبوعہ کتابوں پر وہ تبصرے اور کالم ہیں، جو انور سدید، اسلم کاشمیری، ستار طاہر، ڈاکٹر عبدالکریم خالد، میرزا ادیب جیسے نامور قلمکاروں نے لکھے ہیں اور بڑی اخباروں اور جریدوں نے شائع کیے ہیں۔

''سفر جاری ہے'' ملک مقبول احمد کی خودنوشت نہ صرف دلچسپ ہے بلکہ معلومات انگیز بھی ہے۔اسے اگر ان کی کتابِ زیست کہا جائے تو زیادہ مناسب ہو گا۔زبان و بیان بے حد سادہ، طرزِ تحریر مکمل طور پر ادبی اور موضاعات کا انتخاب نہایت مناسب اور اعلیٰ ہے۔اردو ادب میں خودنوشت لکھنے کا کافی رواج ہے اور بہت سے نامور ادیبوں کی سوانح حیات دستیاب ہیں لیکن کسی ناشر کی میری نظر سے گزرنے والی یہ پہلی سوانح حیات ہے، جو کئی بڑے ادیبوں کی لکھی سوانح حیات پر بھاری ہے۔اس خوبصورت اور کامیاب کوشش پر میں ملک مقبول احمد صاحب کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

Marfat.com

جناب مجیب الرحمان شامی

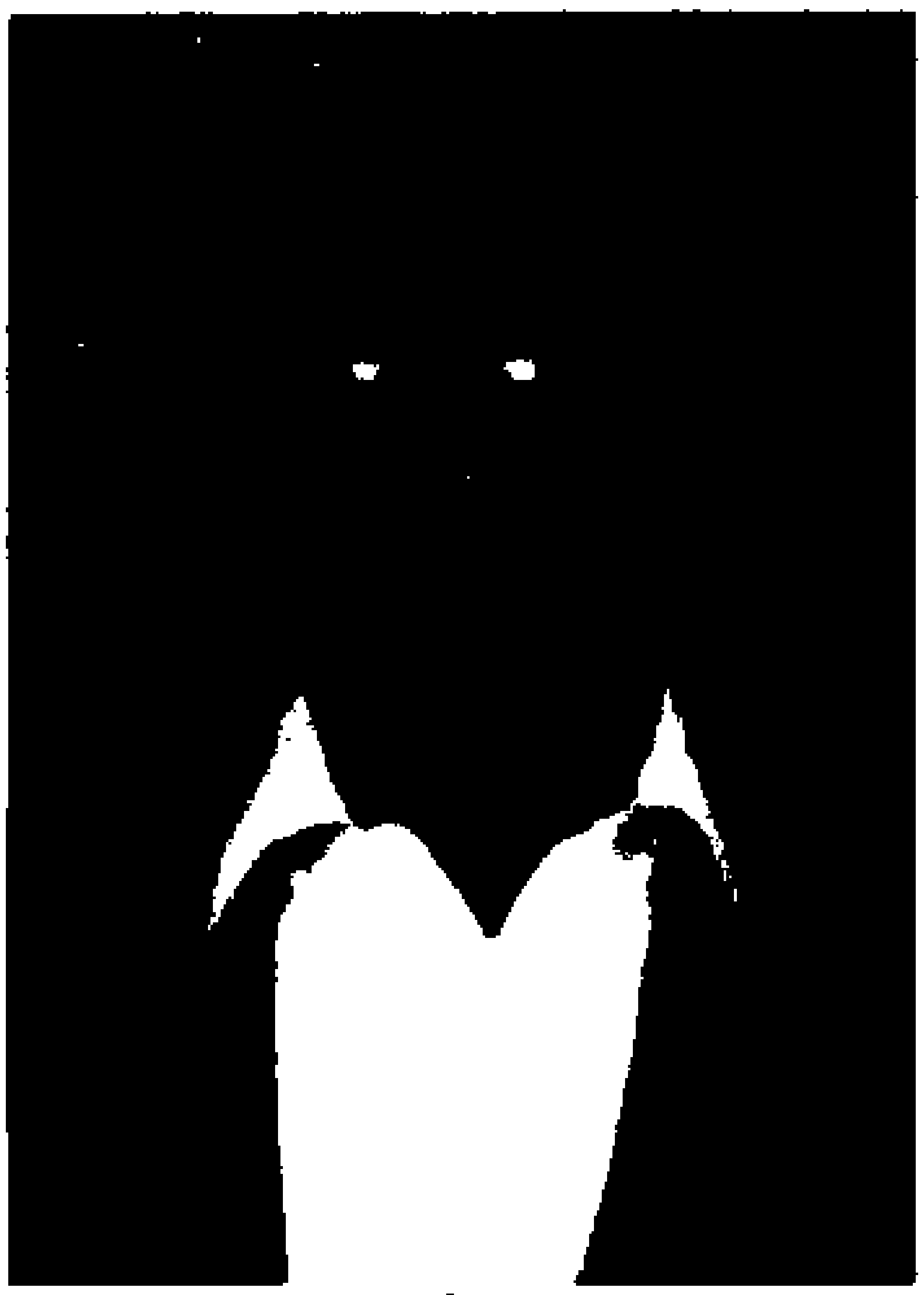

مجیب الرحمان شامی کو صحافت کا ایسا قطبی ستارہ سمجھئے جو سیاستدانوں، حکمرانوں اور قوم کے افراد کو وطنِ عزیز کے تحفظ اور مستقبل کی کامیابیوں کے لیے راستہ دکھاتا ہے۔ وہ 14 اگست 1945ء کو بھارت کے ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ تقسیم کے بعد ان کا خاندان پاکستان آ گیا۔ شامی صاحب نے پنجاب یونیورسٹی سے 65-1964ء میں بی اے کیا اور کراچی یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری لی اور پھر قوم کو فلاح کی راہ دکھانے کے لیے کمربستہ ہو گئے۔

شامی صاحب نے صحافت کو ایک مشن کے طور پر قبول کیا۔ 67-1966ء میں اس کا آغاز ''حریت'' کراچی سے کیا۔ پھر ''جنگ'' گروپ میں شمولیت اختیار کر لی اور ''اخبار جہاں'' کے ایڈیٹر مقرر ہو گئے۔ لاہور سے ہفت روزہ ''زندگی'' جاری ہوا تو شامی صاحب نے اس کی ادارت کی پیشکش قبول کر لی اور لاہور آ گئے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں نظریاتی اختلاف کی وجہ سے ان پر کئی جھوٹے مقدمات کیے گئے۔ مارشل لا کورٹ نے انہیں ایک برس قید بامشقت کی سزا دی۔ لیکن انہوں نے مارشل لا کورٹ کی قانونی حیثیت کو ایک بیان میں للکارا۔

1974ء میں انہوں نے اپنا ذاتی اشاعتی ادارہ قائم کیا جس کے تحت ماہنامہ ''قومی ڈائجسٹ'' اور ہفت روزہ ''زندگی'' جاری کیے۔ ''نوائے وقت'' میں ان کا کالم ''جلسہ عام'' حق گوئی و بے باکی و جرأت مندی کی مثال تھا اور ملک کا مقبول ترین کالم شمار ہوتا تھا۔ صدر پاکستان نے انہیں 1993ء میں تمغہ امتیاز عطا کیا۔ شامی صاحب 1999ء میں ایک بڑے قومی اخبار ''روزنامہ پاکستان'' کے چیف ایڈیٹر بنے۔ یہ اخبار اب پاکستان کے پانچ شہروں سے شائع ہوتا ہے۔ اخباری تنظیموں اے پی این ایس اور سی پی این ای کے کئی مرتبہ صدر اور سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ اور کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

شامی صاحب نے بیرونی دنیا کے متعدد ممالک کا دورہ کیا، بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی اور عالمی مذاکروں میں حصہ لیا۔ اب ان کی آواز مختلف ٹی وی چینلوں پر ہر روز گونجتی اور عوام و خواص کو سیاسی راہنمائی عطا کرتی ہے وہ کلمہ حق بلند آواز سے اٹھاتے ہیں۔ یہ حق گوئی ان کے اس تبصرے سے بھی عیاں ہے جو انہوں نے ''سفر جاری ہے'' پر لکھا ہے۔

Marfat.com

مجیب الرحمٰن شامی

''مقبولِ بارگاہ''

اللہ تعالیٰ ملک مقبول احمد کے پوتے بابر اور نواسی ماریہ کو سلامت رکھے کہ ان کی بدولت اردو زبان کو ایک ایسا قلم کار عطا ہوا ہے، جس کی پہلی کاوش ہی نے اسے ممتاز مصنفین کی صف میں لا کھڑا کیا ہے ۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

ملک صاحب کی عمر دوسروں کی کتابیں چھاپتے گزری ہے ۔ انہوں نے مصنفین سے فیض پایا بھی اور ان کو فیض پہنچایا بھی، لیکن وہ خود کوئی کتاب لکھیں گے یا لکھ پائیں گے، یہ انہوں نے کبھی سوچا نہیں تھا۔ وہ شوہر بنے، ابو بنے اور پھر ماشاءاللہ دادا بنے، نانا بنے۔ ان کا ننھا پوتا بابر ان سے ان کی زندگی کے بارے میں طرح طرح کے سوالات کرتا اور پوچھتا ہے کہ کتابیں شائع کرنے کا کام کیوں اور کب شروع کیا؟ یہ خیال ذہن میں کیسے آیا؟ آپ پیدا گاؤں میں ہوئے تو پھر شہری زندگی کیوں اختیار کر لی، وغیرہ وغیرہ۔ دادا ابو پوتے کو اس کے سوالوں کے جوابات دیتے تو وہ حیران رہ جاتا وہ کہتا کہ آپ یہ سب کچھ لکھ ڈالیں، ایک کتاب کی صورت میں ۔ وہ اسے جواب دیتے، یار میں کوئی ادیب یا قلم کار نہیں ہوں ۔ مجھے لکھنے کا فن نہیں آتا۔ پوتا مچل جاتا،

Marfat.com

''تو آپ یہ فن سیکھ لیں ناں''۔ پوتے کا اصرار بڑھتا گیا اور دادا ابو سوچ میں پڑتے گئے۔ ان کے دوست بھی ان سے یہی کہتے۔ نواسی ماریہ نے سنا تو وہ بھی ضد کرنے لگی: نانا ابو، بس جلدی سے لکھ ڈالیں۔ بالآخر نانا نے قلم اٹھالیا اور اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں جو کچھ بھی معلوم تھا (بقول خود) بلا کم و کاست لکھ ڈالا۔ کاروباری زندگی کو البتہ سنسر کر دیا اور جن کاروباری دوستوں، رشتہ داروں یا افسروں سے رنج پہنچا، ان کا ذکر حتی المقدور نہیں کیا، تا کہ آبگینوں کو ٹھیس نہ لگے۔

مقبول احمد ملک 77 برس کے ہو چکے، لیکن ان کا ''سفر جاری ہے'' اور یہی ان کی خودنوشت سوانح حیات کا عنوان بھی ہے۔

شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا

برادرِ عزیز، شعیب بن عزیز کے بقول ملک مقبول احمد پہلے پاکستانی ناشر ہیں، جنہوں نے خودنوشت سوانح حیات تحریر کی ہے، اس لحاظ سے بھی انہوں نے نشانِ امتیاز حاصل کر لیا ہے۔ وہ کتاب لکھ کر ادیبوں میں تو شمار (بلکہ ممتاز) ہوئے ہی تھے، اپنے پیشے سے تعلق رکھنے والوں میں بھی منفرد قرار پائے ہیں۔

ملک صاحب کی زندگی کا سفر ایک عام سے دیہاتی بچے کے طور پر 1930ء میں شروع ہوا تھا۔ ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں ایک پولیس اہلکار کے ہاں آنکھ کھولی۔ والد چند ایکڑ اراضی کے مالک تھے، اور گھر کا خرچ بآسانی چل رہا تھا۔ آٹھویں جماعت کا امتحان پاس کیا، تو آگے پڑھنے کی خواہش دل میں موجود تھی، لیکن اردگرد کے کسی گاؤں میں کوئی ہائی سکول نہیں تھا اور دور بھیجنے کے لئے والدین تیار نہ تھے۔ اس لئے عملی زندگی کے آغاز کے منصوبے بننے لگے۔ والد نے انہیں پٹواری بنانے کی کوشش کی کہ ان دنوں بڑی بوڑھیاں ڈپٹی کمشنر کو بھی دعا دیا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں پٹواری بنا دے۔ گوجرانوالہ کے پٹواری سکول میں داخل کرا دیا

Marfat.com

گیا، لیکن لمبے چوڑے رجسٹر، جمع بندیاں، زمینوں کی پیائش، فصلوں کا حساب کتاب ان کو نہ بھا سکا۔ پٹواری نہ بننے کا فیصلہ کر کے گھر پہنچ گئے۔

وہ اپنی مرضی کے مطابق کچھ کرنا یا بننا چاہتے تھے۔ یہ تو خبر نہیں تھی کہ وہ کیا بنیں گے، لیکن کچھ ''بننے'' اور کچھ ''کر دکھانے'' کی خلش دل میں موجود تھی اور انہیں کچھ اور کرنے پر مجبور کرتی رہتی تھی۔

سوچتے سوچتے استاد بننے کا فیصلہ کر لیا۔ پاکستان بن چکا تھا، ہندو اور سکھ استاد نقل مکانی کر گئے تھے۔ نئے ملک کو اساتذہ کی ضرورت تھی۔ گورنمنٹ نارمل سکول میں داخلے کا اشتہار چھپا تو درخواست بھجوا دی کہ یہ استادوں کی تربیت کا ادارہ تھا۔ مطلوبہ عمر کی حدود سال پہلے گزر چکی تھی، لیکن نشستیں زیادہ تھیں اور درخواستیں کم، سو داخلہ مل گیا۔ یہ پاکستان کا ان پر پہلا احسان تھا۔ نیا ملک نہ ہوتا تو داخلہ نہ مل پاتا، ان کی عمر ان کی آرزو کے آڑے آ جاتی۔ 1950ء میں تربیت مکمل ہوئی تو ملازمت کے حصول کا مرحلہ درپیش تھا۔ آج شاید کوئی اس بات پر یقین نہ کرے، لیکن ان دنوں ملازمت کے حصول کے لئے کسی سفارش یا کشکول کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ فارغ التحصیل ہونے والوں کی فہرستیں ضلعی انسپکٹر تعلیم کو بھیج دی جاتی تھیں۔ جب کوئی آسامی خالی ہوتی، ان فہرستوں کے مطابق تقرری کے احکامات تربیت یافتہ معلمین کو گھر بھجوا دیئے جاتے۔ باری آنے پر انہیں بھی خط تقرر مل گیا اور وہ اپنے آبائی گاؤں سے دو اڑھائی میل کے فاصلے پر واقع گورنمنٹ پرائمری سکول میں استاد بن کر جا پہنچے۔

مقبول احمد کی خواہش تو پوری ہوگئی، لیکن وہ مطمئن نہیں ہو پائے۔ ان کے اندر بیٹھا ہوا کوئی شخص ان سے مسلسل کہتا رہتا تھا کہ تمہاری منزل دور ہے۔ ''تمہارا سفر جاری ہے'' کچھ اور سوچو، کچھ اور کرو، کچھ اور آگے بڑھو۔ اقبال اور کلام

Marfat.com

اقبال سے ان کو دلی لگاؤ پیدا ہو چکا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے یہ شعر زبان پر رہتا

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں

وہ اپنی والدہ کی خدمت کرتے ہوئے ان کے پاؤں دباتے ہوئے اس بے چینی اور اضطراب کا اظہار کرتے تو وہ سراپا دعا بن جاتیں: ''اللہ تمہاری منزلیں آسان کرے، تمہیں دین و دنیا کی اتنی نعمتیں دے کہ تم ان کو سمیٹ نہ سکو''۔

ملک صاحب نے اپنے ان الفاظ کی لاج رکھی ہے، اور ایسی کتابیں چھاپی ہیں، جو معاشرے پر اچھے تاثرات مرتب کریں۔ پیسہ کمانے کے لئے انہوں نے ''شیطان'' سے کبھی سمجھوتہ تو کیا رابطہ بھی نہیں کیا۔ دیانت، محنت اور استقامت کے ساتھ رحمٰن کے راستے پر چلے ہیں اور مشکلات کو زیر کرتے گئے ہیں۔ مقبول اکیڈمی اب ایک ادارہ نہیں، ایک تحریک ہے اور اس سے کئی ادارے جنم لے چکے ہیں، ان کے بچے ان کے شریک کار ہیں اور ان کے کام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

ملک مقبول احمد کی کہانی ہر شخص کی کہانی بن سکتی ہے۔ ہر شخص کو آگے بڑھا سکتی اور کامیابی کا چہرہ دکھا سکتی ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ تقدیر کے شکوے کرنے اور آگے بڑھنے والوں کو دیکھ دیکھ کر کڑھنے کی بجائے کچھ کرنے کا عزم کیا جائے اور نیک نیتی کے ساتھ آغازِ سفر کر دیا جائے۔

کافر ہے تو تقدیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی

واہ، کیا ہے بندہ مومن یعنی ''مقبولِ بارگاہ'' کی۔

Marfat.com

جناب محمد آصف چودھری

محمد آصف چودھری کا شمار ان نوجوان صحافیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے پہلے دنیا کے کئی ممالک کا سفر کیا اور پھر ان اسفار کے تجربات عام لوگوں تک پہنچانے کے لیے صحافت کے میدان میں آگئے۔ ہرن مینار کے شہر شیخوپورہ میں 14 اگست 1980ء کو پیدا ہونے والا یہ شاعر صحافی روزنامہ ''خبریں''۔ روزنامہ ''پاکستان''۔ روزنامہ ''جرأت''۔ روزنامہ ''اساس'' اور روزنامہ ''دن'' کے معروف کالم نگار رہے اور دن دونی رات چوگنی ترقی کی۔

محمد آصف چودھری دنیا کو شاعر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ انہیں ہر طرف حسن ہی حسن، خوبصورتی ہی خوبصورتی بکھری ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ اسی قسم کے لطیف لمحات میں ان پر شاعری کی دیوی مہربان ہو جاتی ہے اور وہ شعر کہنے لگتے ہیں۔ ان کی تخلیقی شاعری کا مجموعہ ''حرفِ وفا'' کے نام سے اشاعت کے لیے تیار ہے۔

محمد آصف چودھری کی دوسری آنکھ ایک صحافی کی نظر رکھتی ہے۔ جو انہیں واقعاتِ زمانہ دکھاتی ہے۔ اور معاشرہ ان کے سامنے اپنی جگ بیتی بیان کرنے لگتا ہے۔ خبریں ان کے سامنے اپنی حقیقت کھول دیتی ہیں۔ وہ ان پر تبصرہ کرتے ہیں تو ان کا کالم وجود میں آجاتا ہے۔ تاریخ میں دلچسپی ان سے فیچر لکھواتی ہے۔ انہوں نے وطن عزیز کے تمام شہروں کی پوری سیاحت کی۔ افغانستان، ایران، برطانیہ، جاپان اور بھارت کا دورہ بھی کر چکے ہیں۔ شیخوپورہ کی تاریخ تالیف کر چکے ہیں اور مستقبل کی کامرانیاں ان کا خیر مقدم کرنے کے لیے تیار ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر انہوں نے ایک سیاح ادیب کی نظر ڈالی ہے اور اپنا کالم روزنامہ ''خبریں'' میں چھاپا ہے۔

Marfat.com

محمد آصف چودھری

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

"بک آف وزڈم" کے آتھر سید اقتدار احمد قادری نے اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ طلبہ کو تعلیم مکمل کرنے کے بعد عملی زندگی کے آغاز سے قبل رسالت مآب ﷺ، صحابہ کرام، اولیاء کرام کی سوانح عمریوں کا مطالعہ کر کے ان پاک ہستیوں کی زندگیوں سے درس لینا چاہیے۔ تب انہیں عملی زندگی میں قدم رکھنے سے قبل کسی ایک راستے کا انتخاب کر لینا چاہیے مثلاً آپ بزنس مین، عالمِ دین، صحافی یا پبلشر بننا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو ان شعبوں کی کامیاب ترین شخصیات کی عملی زندگی کے سنہری اصولوں پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔

مثلاً آپ کامیاب بزنس مین بننا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو کراچی کے معروف دانشور عثمان بانٹوا کی تصنیف اور ایک سیٹھ احمد داؤد بانی داؤد گروپ آف کمپنیز کی سوانح حیات کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ سیٹھ احمد داؤد نے ایک عام مزدور کی حیثیت سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ پھر کامیابی کے تمام مراحل حیرت انگیز طریقہ سے طے کر کے دنیا کے کامیاب ترین بزنس مین بن گئے۔ اگر ماہرِ تعلیم بننا ہے تو پھر سر سید احمد خان کی سوانح حیات کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ لافانی حکیم بننا چاہتے ہیں تو پھر شہید پاکستان حکیم محمد سعیدؒ کے حالاتِ زندگی سے سبق حاصل کریں۔ آپ سیاست کے میدان میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو پھر مولانا حسرت موہانی کی ساری زندگی آپ کے لیے

Marfat.com

مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا نہ تو منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے اور نہ ہی سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی طرح وراثت میں ہزاروں ایکڑ زمین اور اربوں روپے کے اثاثے چھوڑے ہیں مگر مولانا کا نام ان کی مسلسل جدوجہد کے حوالے سے سیاست کی دنیا میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اگر آپ کو کامیاب ترین عالم دین بننا ہے تو سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا شاہ احمد نورانی، شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری کی عملی زندگی کا مطالعہ درکار ہے۔

آپ سکہ بند صحافی بننا چاہتے ہیں تو پھر مولانا ظفر علی خان، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، آغا شورش کاشمیری مجید نظامی، حمید نظامی، میر شکیل الرحمٰن، ضیا شاہد جیسے صحافیوں کے عملی زندگی کے آغاز سے انجام تک ایک نظر ڈالنی ہوگی کہ یہ بے سروسامانی کے عالم میں اس شعبہ میں آئے اور کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے مگر یہ خوش قسمت لوگ دنیا میں نہ صرف کامیاب ہوئے بلکہ اکثر کی جلائی ہوئی شمع روشن ہے۔

اسی طرح آپ بے مثال پبلشرز کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو پھر مولوی فیروز الدین بانی فیروز سنز پرائیویٹ لاہور اور ملک مقبول احمد بانی مقبول اکیڈمی لاہور کی خودنوشتہ سوانح حیات ''سفر جاری ہے'' کا ایک ایک لفظ آپ کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ آج اگر صدر مملکت جنرل پرویز مشرف اور ان کے مشیر وطنِ عزیز کو دہشت گردی کی لعنت سے پاک کرنا چاہتے ہیں اور پاکستان کو جاپان، چین یا دیگر ترقی یافتہ اقوام میں شامل کرنا چاہتے ہیں تو پھر سرکاری سطح پر تمام طلبہ، علماء اور عوام کو ملک صاحب کی لکھی ہوئی تصنیف کا ایک دفعہ ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ ملک مقبول احمد تقریباً 50 سال تک پبلشنگ کی دنیا سے وابستہ ہیں۔ وہ آدھی صدی کے عینی شاہد بھی ہیں۔ وہ پبلی کیشن کی دنیا میں خوبصورت حوالہ بن گئے ہیں۔ انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ جن اقوام یا افراد نے ہجرت کی، وہ کامیاب

Marfat.com

ہوئے اور کامیابی نے ان کے قدم چوم لیے۔ اگر کسی کو یقین نہ آئے تو ملک مقبول احمد سے ملاقات کرلیں۔ انہوں نے سرزمین ڈاکٹر علامہ اقبال سیالکوٹ سے داتا کی نگری لاہور میں ہجرت کر کے اپنا مسکن بنالیا۔ پھر راستے کا انتخاب کیا اور پھر مسلسل جدوجہد کا آغاز ہوگیا۔

یقیناً ایسے عظیم لوگ لافانی کردار کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کی جلائی ہوئی شمع کسی نہ کسی صورت زندہ رہتی ہے۔ آج قوم کو ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور ملک مقبول احمد جیسے لوگوں کی اشد ضرورت ہے، جو ملک کی سرحدوں اور قوم کی نظریاتی سرحدوں کی نہ صرف حفاظت کریں بلکہ ان جیسے انمول لوگوں کی عملی زندگیوں پر عمل کر کے وطن عزیز کو دنیا کی ترقی یافتہ اقوام میں شامل کردیں۔

(روزنامہ خبریں۔ لاہور، 15 اپریل 2007ء)

Marfat.com

جناب محمد ایوب خان

محمد ایوب خان سیالکوٹ کے صنعتی شہر کے تجارت پیشہ فردِ جلیل ہیں۔لیکن ان کا رجحان ادب اور صحافت کی طرف ہے اور سیالکوٹ سے ''صدائے شہر'' کے نام سے ایک پندرہ روزہ نکال رکھا ہے جو''اے پی این ایس'' کا شہرِ اقبال سے پہلا رکن اخبار ہے۔اور اسے سی پی این ای کی رکنیت بھی حاصل ہے۔

محمد ایوب خان کے خاندان نے افغانستان سے کشمیر ہجرت کی اور پھر سیالکوٹ آکر پاکستان کے مستقل باشندے بن گئے۔ پیدائش کی تاریخ 12 اپریل 1954ء ہے۔ بی اے تک تمام امتحانات اول درجے میں پاس کئے اور وظائف حاصل کیے۔1972ء میں لاء کر رہے تھے کہ عملی زندگی شروع کردی اور سیالکوٹ سے سرجیکل آلات کی ایکسپورٹ کرنے لگے۔اس کاروبار کے سلسلے میں ہی انہوں نے امریکہ، برطانیہ، کینیڈا،مصر،فرانس، جرمنی اور دیگر کئی ممالک کا سفر کیا۔ گویا دنیا ان کے جوتوں کے نیچے آگئی اور محمد ایوب خان اسے روندتے چلے گئے۔10 مرتبہ عمرے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔تین مرتبہ غارِ حرا میں سجدہ ریز ہو چکے ہیں۔

ان کا پندرہ روزہ اخبار''صدائے شہر'' اگست 1996ء سے نکل رہا ہے۔جس کو آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کا سرٹیفکیٹ مل چکا ہے۔اور یہ واحد مقامی اخبار ہے جو دیانتداری سے انکم ٹیکس بھی ادا کرتا ہے۔اور اخبار کی تعداد اشاعت کو چیک بھی کراتا ہے۔سیالکوٹ میں قومی موضوعات پر سیمینار کرانے کا شرف بھی انہیں حاصل ہے جس میں ملک کے نامور صحافیوں نے شرکت کی۔ان کا قلم تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔اور وہ پوری اخلاقی ذمہ داری سے مسائل پر لکھتے ہیں۔

''سفر جاری ہے'' کا نام پڑھ کر محمد ایوب خان کہنے لگے کہ''صدائے شہر'' کی برکت سے تھانہ اور حوالات کا ہمارا سفر بھی جاری ہے۔اس مضمون میں انہوں نے اپنی یادیں بھی تازہ کی ہیں۔

Marfat.com

محمد ایوب خان

محترم المقام ملک مقبول احمد صاحب

السلام علیکم رحمتہ اللہ و بر کاۃ!

مزاج گرامی، ''سفر جاری ہے'' ملنے پر مشکور ہوں میرا ایمان ہے کہ یزید کا نام حسینؓ اور حسینؓ کا نام یزید کسی طور رکھا ہی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ یہ بھی لوح محفوظ کا فیصلہ ہوا کرتا ہے، نام رکھے نہیں جاتے رکھوائے جاتے ہیں۔ جو پہلے ہی شرف قبولیت حاصل کر کے مقبول ہو چکا ہو۔ اس کی زندگی اور اس کے جاری سفر پر کیا عرض کیا جا سکتا ہے؟ مقام شکر ہے مجھے ''سفر جاری ہے'' پڑھنے کے بعد عرض کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے اور اس کو ثابت کرنے کے لئے مجھے عرض کرنا پڑ رہا ہے کہ اگر ابتداء ہی میں یعنی صفحہ 51 پر تاریخ پیدائش درج کر لی جاتی تو کئی واقعات جن میں تعلیم، ہجرت، شادی اور بچوں کی پیدائش تک کا حساب کتاب لگانے کی مشقت صفحہ 138 تک نہ اٹھانی پڑتی۔ صفحہ 194 پر کتابت کی غلطی ISLAM کی بجائے Islarh کی نشاندہی کر کے آپ سے سرخروئی حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اتنی ہی محبت سے ''سفر جاری ہے'' پڑھی ہے جتنی مہربانی سے آپ نے ارسال کی ملک مقبول اور مقبول اکیڈیمی کی مقبولیت میں قبولیت والی دھرتی کا بڑا حصہ ہے، جس میں ایک طرف۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

Marfat.com

والا عاشق رسول ﷺ نظریہ پاکستان کا خالق علامہ محمد اقبالؒ جبکہ دوسری گلی میں مرزائیوں کے حضور مرزا غلام احمد قادیانی پلے بڑھے ۔کبھی فیض احمد فیض ، ڈاکٹر محبوب الحق اور چودھری عبدالستار سابق سیکرٹری اور وزیر خارجہ اسی سیالکوٹ کے بیٹے ہوا کرتے تھے لیکن ہم نے ملک کی طرح سیالکوٹ کی سرحدوں کو بھی سکیٹرنا (Shrink) شروع کر دیا ہے اب شکر گڑھ ، نارووال سیالکوٹ کا حصہ نہیں رہے بلکہ 8 کلومیٹر دور والا سمبڑیال بھی آزاد کر دیا گیا ہے کل کلاں سیالکوٹ کے بین الاقوامی شہرت یافتہ پراجیکٹ سیالکوٹ ڈرائی پورٹ ، سیالکوٹ انٹرنیشنل ائر پورٹ ، ایکسپورٹ پراسنگ زون بھی سیالکوٹ کے نہ رہیں گے۔آپ تھے تو سیالکوٹ بہت بڑا تھا آپ کے جانے سے سیالکوٹ چھوٹا ہو گیا ہے۔

آپ کی کتاب میں چوہدری خضر اقبال ورک کا ذکر ہے یہ کسٹم میں اس وقت انسپکٹر تھے۔ جب اس برآمدی ضلع بھر میں صرف اکلوتا ، لاڈلا اور ڈکٹیٹر انسپکٹر ہوا کرتا تھا ان کا ملک محمود اصغر شبہ کے زئیاں ، مرزا نصر بیگ اور چودھری عبدالستار وریو سے بڑا یارانہ ہے یہ بطور اسسٹنٹ کلکٹر ریٹائر ہوئے ۔ میں چودھری حاجی احسان الٰہی آف ملک پرنٹنگ پریس ریلوے روڈ سیالکوٹ والوں کا ذکر تلاش کرتا رہا وہ تحریک پاکستان کے کارکن تھے اور تعریف کے معاملہ میں بڑے محتاط تھے اس کے باوجود وہ آپ کی اور آپ کی محنت کی بہت تعریف کیا کرتے تھے۔

میں ''سفر جاری ہے'' کے تحفہ کے ساتھ ساتھ آپ کے عشق رسول ﷺ کا معترف اور اس بات پر مشکور ہوں کہ جب میں نے معتمرین عمرہ سے متعلق تفصیل تحریر کی تو آپ نے ہزاروں کی تعداد میں پمفلٹ چھپوا کر فیض عام کی خاطر تقسیم فرمایا۔ الحمد اللہ ہماری تحریک پر سعودی حکومت اور حکومت پاکستان نے پاکستانی خواتین کے عمرہ اور حج کے دوران لان اور وائل کے ٹرانسپیرنٹ لباس پر پابندی لگا دی ہے کیونکہ یہ

Marfat.com

شرمندگی کا اعزاز حرمین میں بھی صرف اور صرف پاکستانی خواتین کو حاصل ہوا کرتا تھا۔

جتنی دلیری سے آپ نے "سفر جاری ہے" لکھی ہے یہ صرف آپ ہی کا اعزاز ہے ہم حقیقتوں سے نظریں چرانے والے بزدل آپ کی طرح مردِ میدان بن کر واقعات زندگی تحریری ثبوت کی صورت پیش کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے اگر ہم فاسق و فاجر زندگی کے معیوب حصّہ کو نکال دیں تو صبر ایوب کے علاوہ باقی بچتا ہی کیا ہے؟ جتنی سادہ، سیدھی، پرخلوص اور سچی باتیں آپ نے لکھی ہیں اس پر مبارک ہی پیش کی جاسکتی ہے آپ بزرگ ہمارے لئے تاریخ اور اثاثہ ہیں اللہ رب العزت آپ کو سکون قلب، تندرستی اور لمبی زندگی عطا فرمائے۔ آمین

نیک خواہشات کے ساتھ

احقر العباد

محمد ایوب خان

Marfat.com

جناب محمد خالد چودھری

محمد خالد چودھری کا مایۂ افتخار یہ ہے کہ وہ چودھری برکت علی کے فرزند ہیں ۔ جنہوں نے آزادی سے پہلے لاہور میں ہندو تاجروں کا مقابلہ اشاعتی میدان میں کیا۔ پنجاب بکڈ پو اور مکتبہ اردو کی بنیاد رکھی اور اپنے خاندان کے کئی نوجوانوں مثلاً نذیر احمد چودھری، بشیر احمد چودھری، حنیف رامے، ریاض چودھری کو اشاعتی میدان میں نمایاں کیا ۔ کئی نئے مکتبوں کی بنیاد ڈالی ۔ ادبی صحافت کے فروغ کے لیے ''ادب لطیف'' جاری کیا جسے اب چودھری برکت علی کی صاحبزادی اور خالد چودھری کی ہمشیرہ محترمہ صدیقہ بیگم شائع کرتی ہیں۔

محمد خالد چودھری 1938ء میں اندرون بھاٹی دروازہ پیدا ہوئے۔ لاہور میں ہی تعلیم حاصل کی اور سرکاری ملازمت میں جانے کی بجائے اپنے موروثی کاروبار کو سنبھالا اور چودھری اکیڈمی کے نام سے اپنا اشاعتی ادارہ قائم کیا جو علمی، ادبی اور تاریخی کتابیں شائع کرنے میں شہرت رکھتا ہے۔

محمد خالد چودھری میرے عزیز ترین دوست ہیں ۔ وہ خدمتِ خلق کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں اور ادیبوں کے خدمت گزار ہیں ۔ ان کی فطرت مزاح کی طرف مائل ہے۔ لطیفے سنانے کے لیے وہ مقبول اکیڈمی پر تشریف لاتے ہیں ۔ ان سے لطیفے سننے کے لیے میں چودھری اکیڈمی پر چلا جاتا ہوں۔ محمد خالد چودھری مزاحیہ محفلوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا تبصرہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کے اندر بھی ایک ادیب موجود ہے۔ اور وہ ''لفظ'' کا احترام کرنے والے قاری ہیں۔

Marfat.com

محمد خالد چودھری

''سفر جاری ہے''

ملک مقبول احمد صاحب ''مقبول اکیڈمی'' کے بانی ہیں جسے انہوں نے ایک ایمپائر کا درجہ دے دیا ہے۔ ملک مقبول احمد سے جب کبھی ملاقات ہوتی ہے کئی واقعات ماضی کے جھروکوں سے جھانکنے لگتے ہیں۔ مجھے ان سے پہلی ملاقات آج بھی اچھی طرح سے یاد ہے۔ میرے ایک بہت پیارے دوست بلیغ الدین جاوید تھے۔ وہ ایک دن تشریف لائے تو ان کے ہمراہ ایک سادہ سا شخص بھی تھا۔ جاوید نے تعارف کروایا کہ یہ ملک مقبول احمد ہیں اور میرے بارے میں بتایا کہ یہ خالد چودھری ہیں، جنہیں کاروباران کے والد چودھری برکت علی مرحوم سے ورثے میں ملا ہے۔ جاوید نے مزید بتایا کہ خالد کے والد چودھری برکت علی مرحوم نے ۱۹۲۹ء میں پنجاب بکڈپو قائم کیا۔ مرحوم نے ہندوؤں کے زمانے میں کتابوں کا کاروبار شروع کیا تھا اور پھر ۱۹۳۵ء میں ماہنامہ ''ادبِ لطیف'' جاری کیا، جواب اُن کی صاحبزادی، صدیقہ بیگم شائع کر رہی ہیں۔ یہ سن کر ملک مقبول احمد صاحب نے کہا، میں لاہور ۱۹۵۸ء میں آیا تھا۔ اُس وقت چودھری برکت علی وفات پا چکے تھے۔ افسوس کہ میں اُس عظیم انسان کو نہ دیکھ سکا۔

یہ ملک مقبول احمد سے پہلی ملاقات تھی، جو دوستی میں تبدیل ہوگئی اور اب

Marfat.com

تک اُن کے خلوص، محبت اور بھائی چارے میں فرق نہیں آیا۔ میں بھی اُن سے دلی محبت کرتا ہوں اور انہیں اپنا بڑا بھائی خیال کرتا ہوں۔ اگلے دن میری دکان پر تشریف لائے تو ان کے ہاتھ میں ایک کتاب ''سفر جاری ہے'' تھی، جوانہوں نے میری طرف بڑی محبت سے بڑھا دی اور میں نے ان کا تحفہ قبول کر کے بے حد مسرّت محسوس کی۔

''سفر جاری ہے'' ملک مقبول احمد کی زندگی کی کہانی ہے۔اس میں انہوں نے بتایا ہے کہ انہیں کتابوں کے کاروبار میں کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن ملک صاحب نے ہمت نہ ہاری۔حتیٰ کہ اپنی کاروباری برادری کی مخالفت کا سامنا بھی کیا اور نوبت خطرناک مراحل تک آ پہنچی لیکن وہ سب معرکوں سے سرخرو ہوکر نکلے کیونکہ ان کی نیت نیک اور لگن خالص تھی۔ ملک صاحب نے اپنی زندگی خود بنائی ہے اور ان کی محنت کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور ان کے کاروبار کو وسعت دی۔ یہ تمام واقعات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور انہی سے محنت کا نتیجہ خدا پر چھوڑ نے کا سبق سیکھا ہے۔ملک صاحب کی عظمت یہ ہے کہ اپنی کتاب مجھے دینے کے لئے خود تشریف لائے اور بڑی محبت سے مجھے کتاب عنائت کی

ملک صاحب کی یہ کتاب دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔انہوں نے اپنی جوانی کی روحانی فتوحات کا تذکرہ تو کیا ہی ہے لیکن اپنی کمزوریوں پر پردہ نہیں ڈالا۔ اس کتاب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ملک صاحب کتابیں لکھنے والوں کا کتنا احترام کرتے ہیں اور کس طرح ان سے اپنی محبت بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ میں انہیں خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ انہیں اے حمید، رئیس احمد جعفری، ڈاکٹر صفدر محمود، میرزا ادیب، طارق اسماعیل ساگر، ڈاکٹر انور سدید، غلام الثقلین نقوی، علی سفیان آفاقی، ادا جعفری، بلقیس ریاض، عذرا اصغر اور قمر نقوی جیسے مصنفین کا تعاون حاصل ہوا۔ بلا

Marfat.com

شبہ آج وہ ملک کے بہت بڑے ناشر ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ کتابوں کی ایک سلطنت کے بانی ہیں۔ان کی یہ کتاب اس کاروبار میں شامل ہونے والوں کو کامیابی کا راستہ دکھا سکتی ہے۔

یہ کتاب لکھنے پر میں ملک مقبول احمد کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔خدا ان کی کامیابیوں کا یہ سفر جاری رکھے۔ان کے بچے ڈاکٹری کا پیشہ چھوڑ کر ان کی راہ پر چل رہے ہیں۔وہ لوگوں کا جسمانی علاج کرنے کی بجائے ان کا روحانی علاج کر رہے ہیں۔خدا ان کے کاروبار میں برکت دے۔اس خاندان نے کتابوں کے کاروبار کو وقار عطا کیا ہے۔

Marfat.com

جناب محمد عالم مختارِ حق

ملتان روڈ کی ایک بغلی گلی میں لاہور کی ایک قدیم ترین آبادی ''جھگیاں شہاب دین'' ہے جس میں دینِ اسلام اور ادب کی روشنی جناب محمد عالم مختارحق صاحب پھیلا رہے ہیں۔

محمد عالم مختارِ حق صاحب 4 مارچ 1931 کو اس بستی میں ہی پیدا ہوئے۔ نام محمد عالم رکھا گیا ان کے والد گرامی نے جو خود بھی تصوف سے لگن رکھتے تھے۔ ان کی تعلیم کی ابتدا دینی مدرسے سے کی اور انہیں کتابیں پڑھنے کا شوق عطا کیا۔ مدرسے اور کالج کی تعلیم انہوں نے اپنے شوق سے حاصل کی اور پوری زندگی تبلیغِ حق کے لیے وقف کر دی۔ سرکاری ملازمت کے دوران بھی وہ اس فریضے سے غافل نہیں ہوئے۔ اور ریٹائرمنٹ کے بعد تو وہ انسانوں کو فلاح کی راہ دکھانے پر ہمہ وقت مصروف ہیں۔

مختارِ حق ان کا تاریخی نام ہے اور یہ نام انہیں لاہور کے مشہور ادیب پیر غلام دستگیر نامی صاحب نے دیا تھا۔ وہ کلیم موسیٰ خان امرتسری (مرحوم) کی محفلوں میں مستقل بیٹھنے اور ان سے فیض حاصل کرنے والوں میں سے ہیں۔ ادب کے شوق نے انہیں نایاب کتابیں جمع کرنے کی عادت ڈالی۔ ان کا کتب خانہ عالمی شہرت رکھتا ہے۔ ممتاز محقق مشفق خواجہ (مرحوم) جب بھی لاہور آتے۔ اس کتب خانے کی سیر ضرور کرتے۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے ان کی انہی کتابوں کی تفصیل رسالہ ''مخزن '' میں شائع کی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے لکھا ہے کہ کوئی تحقیقی کام ان کے کتب خانے سے استفادے کے بغیر حل نہیں ہوسکتا۔

محمد عالم مختارِ حق صاحب کو مولانا غلام رسول مہر کی شفقت اور اعتماد بھی حاصل تھا۔ وہ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی ایک خدمت ''نقوش'' رسول نمبر کی 13 جلدوں کی صحتِ لفظی بھی ہے۔ وہ رسالہ سیارہ ڈائجسٹ کے قرآن نمبر کے خصوصی معاون تھے۔ حال ہی میں انہوں نے ڈاکٹر حمید اللہ کی دو کتابیں، مولانا غلام رسول مہر کے خطوط کے مجموعے اور مشفق خواجہ پر پہلی کتاب۔ ''مشفقِ من خواجۂ من'' اور مشفق نامے شائع کی ہے۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا مقالہ میرے لیے تبرک کا درجہ رکھتا ہے۔

Marfat.com

محمد عالم مختار حق

14-4-2007

''سفر جاری ہے''

مقبول اکیڈمی لاہور کے منصرم جناب مقبول احمد صاحب کی پہلی علمی کاوش ''سفر جاری ہے'' کے عنوان سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی ہے، جس کے مطالعہ سے اس قول کی صداقت اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ موصوف کے باطن میں ایک ادیب گوشہ نشین تھا، جس نے کروٹ لی تو مقبول صاحب خودنوشت جیسا کارنامہ سرانجام دینے میں کامیاب ہوئے۔ مقبول صاحب نے کتاب کا نام ایسا انتخاب کیا ہے، جس سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کا علمی سفر جاری رہے گا اور وہ قلمی میدان میں مزید فتوحات حاصل کرتے رہیں گے۔ میں انہیں اس کامیاب پیشکش پر خلوص دل سے ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔

مقبول صاحب نے سیالکوٹ کے ایک دور افتادہ دیہہ میں جنم لیا اور اسی ماحول میں ان کی پرورش ہوئی، جس کی یادیں انہوں نے نہایت بے تکلفانہ انداز میں حوالہ قلم و قرطاس کر دی ہیں۔ خاص طور پر مجھ ایسے لوگ جن کا بچپن ولڑکپن مقبول صاحب کی طرح دیہی ماحول میں گزرا، وہ ان کی خودنوشت کے مطالعہ سے زیادہ محظوظ ہوں گے اور مشکور بھی ہوں گے کہ مقبول صاحب نے شہر کی بے ہنگم زندگی سے اٹھا کر انہیں چند گھنٹوں کے لیے گاؤں کی تروتازہ فضا میں پہنچا دیا۔

Marfat.com

مقبول صاحب کی جس ادا نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ان کی صاف گوئی اور صدق مقالی ہے۔ انہوں نے کذب بیانی یا مبالغہ آرائی سے اپنے دامن کو ملوث نہیں ہونے دیا اور شاہراہِ حیات کی پگڈنڈی سے یوں دامن بچا کر گزر گئے کہ راستے کا کوئی کانٹا ان کا دامن گیر نہ ہو سکا۔ انہوں نے اس شعر کے مصداق اپنے آپ کو ''جیسے ہیں ویسے ہی'' قارئین کرام کے سامنے پیش کر دیا ہے کہ:

ے ہر کسے را دامنِ ترہست اما دیگراں
بازمی پوشند و مادر آفتاب اندا ختیم

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کے رزقِ حلال میں اور علم نافع میں مزید اضافہ فرمائے اور انہیں تادیر سلامت باکرامت رکھے۔ آمین

Marfat.com

جناب پروفیسر محمد مظفر مرزا

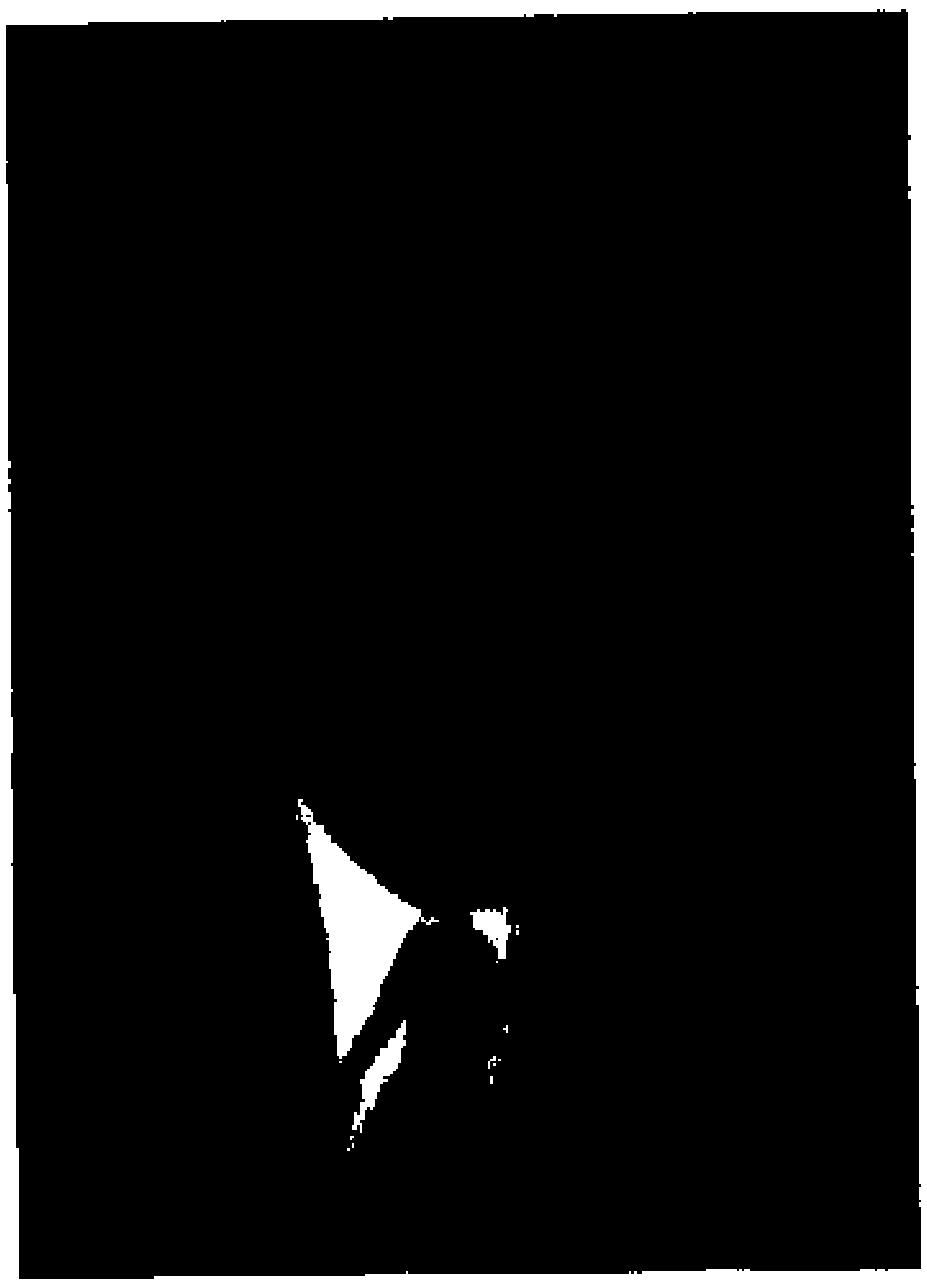

پروفیسر محمد مظفر مرزا کا اولین تشخص یہ ہے کہ ماہر اقبالیات ہیں ۔ نامور محقق ہیں اور ممتاز تاریخ نگار ہیں۔ ان کے والد مرزا ہاشم الدین تعلیم کے شعبے سے منسلک تھے۔ ان کے بڑے بھائی مرزا محمد منور نے بھی پاکستان میں تعلیم کی روشنی پھیلانے کے لیے معلمی اختیار کی ۔ مرزا محمد مظفر نے اپنے والد کی وراثت کو قبول کیا اور چالیس برس تک محکمہ تعلیم میں خدمات انجام دیں اور زمیندارہ کالج گجرات کے پرنسپل کی حیثیت میں ریٹائر ہوئے۔

پروفیسر محمد مظفر مرزا 8 اپریل 1943ء کو سرگودہا میں پیدا ہوئے ۔ ایم اے پولیٹیکل سائنس کرنے کے بعد محکمہ تعلیم میں لیکچرار مقرر ہو گئے اور پھر ترقی کرتے ہوئے پرنسپل کے عہدے تک پہنچے ۔ پاکستان، اقبال اور قائداعظم سے محبت ان کے اپنے والد اور بڑے بھائی مرزا منور سے ملی ۔ ادب کا شوق بھی انہیں کی عطا ہے۔ بچپن میں ہی رسائل اور اخبارات میں مضامین لکھنے لگے۔ بڑے ہوئے تو قومی موضوعات پر کئی کتابیں تالیف کیں۔

ان کی کتابوں میں ''مطالعہ پاکستان''۔ ''مطالعہ شہریت''۔ ''عرش آزادی''۔ ''مسلم لیگ ایک قومی تحریک''۔ ''آزادی کے مجاہد''۔ ''نظریہ پاکستان''۔ ''ملت کا پاسبان وغیرہ کو بہت شہرت حاصل ہے۔ اب تک چالیس سے زیادہ کتابیں لکھ چکے ہیں۔ ان کی کتاب ''دی گریٹ قائد'' پر قائد اعظم صدارتی ایوارڈ دیا جا چکا ہے۔ ''ملت کا پاسبان'' کو نیشنل بک فاؤنڈیشن ایوارڈ دیا گیا۔

متعدد اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز رہنے کے بعد 2003ء میں ریٹائر ہو گئے۔ اور نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن میں ریسرچ سکالر کی خدمات انجام دینے لگے۔ مجلس قائداعظم کے نائب صدر ہیں اور اب بزم اقبال کے سیکرٹری مقرر ہوئے ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر انہوں نے بڑی محبت کی نظر ڈالی ہے اور ایک مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔ یہ مقالہ میرے سفر کو جاری رکھنے کے لیے تحریک کا درجہ رکھتا ہے۔

Marfat.com

پروفیسر محمد مظفر مرزا

سفر جاری ہے
الحاج ملک مقبول احمد صاحب کی یادگار آپ بیتی

میر تقی میرؔ کا شعر ہے،

سرسری تم جہاں سے گزرے
ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا

اس شعر کے مصداق ہوا یہ کہ میں چند دوستوں کے ہمراہ شیزان ریسٹورنٹ، شاہراہ قائدِ اعظم سے چائے کی پیالی پی کر باہر نکلا تو سامنے مقبول اکیڈمی کتابوں کی دکان نظر آئی۔ یہ واقعہ 1982ء کا ہے۔ ہم تمام دوست کتابیں دیکھتے رہے، میں نے کاؤنٹر پر موجود صاحب سے پوچھا کہ مالک کون ہے تو انہوں نے بتایا کہ ملک مقبول احمد صاحب ہیں۔ میں نے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں تو انہوں نے کہا کہ سامنے اپنے کمرے میں تشریف رکھتے ہیں۔ میں اُن سے ملنے چلا گیا، اٹھ کر ملے، انتہائی سادگی اور پُر خلوص لہجے میں ملاقات کا شرف عطا کیا، میں نے عرض کی کہ میں گورنمنٹ کالج لاہور میں سیاسیات کا استاد ہوں، بہت خوش ہوئے، باتوں باتوں میں پوچھنے لگے کہ کبھی کوئی کتاب بھی تحریر کی ہے۔ عرض کیا کہ دو تین کُتب کے مسوّدات تیار ہیں، فرمانے لگے وہ مسودات کل ہی مقبول اکیڈمی اُردو بازار، لاہور

Marfat.com

میں لے آیئے گا، شائع کرتے ہیں۔

میں اس بے ساختہ پن سے خوش بھی ہوا اور حیرت سے بھی ہمکنار رہا۔ بہر کیف میں مسوّدات لے گیا جو انہوں نے باری باری تمام شائع کر دیے اگر میں یہ کہوں کہ سرگودھا سے لاہور آ کر مجھے کس شخصیت نے مُصنّف ہونے کا اعزاز بخشا تو وہ ملک مقبول احمد صاحب تھے۔۔۔ ملک صاحب سے رابطہ 1982ء سے قائم ہوا اور آج 2007ء ہے، اس تمام عرصے میں جس طرح پہلے دن ملاقات فرمائی آج کے لمحے تک اُسی طرح قائم دائم رکھی۔۔۔

پچھلے دنوں اُنہوں نے اپنی آپ بیتی ''سفر جاری ہے'' کا ایک نسخہ عنایت فرمایا، اس آپ بیتی سے پہلے مجھے فرما رہے تھے کہ آپ اپنی آپ بیتی تحریر کریں، میں جلد شائع کرتا ہوں۔ میں نے بڑی چابکدستی سے کام لے کر ٹال دیا اور ابھی تک ٹالا ہوا ہے۔ لیکن اسی دوران انہوں نے اپنی آپ بیتی عطا فرما کر مجھے حیران کر دیا۔ دراصل ملک مقبول احمد صاحب صرف ناشر ہی نہیں ہیں، بے پناہ خوبیوں اور اوصاف کے مالک انسان ہیں۔ اُن کی شخصیت کے حوالے سے ایک عربی شاعر کے یہ اشعار حسبِ حال ہیں:

بقدر الکدِ تکتبُ والمعالی
ومن طلب العلیٰ سحر اللیالی
ومن طلب العلیٰ بغیرِ کدٍ
اَضاعَ العمر فی طلب مُحالیي

(جس کا مفہوم یہ ہے کہ محنتوں کے بقدر بلندیاں نصیب ہوتی ہیں اور اگر کوئی بغیر محنت مشقت کے چاہے کہ بلندیاں حاصل ہو جائیں تو انہوں نے مشکل کام میں زندگی ضائع کر دی)

اِن عربی اشعار کے مصداق، جب میں نے ''سفر جاری ہے'' کا مطالعہ کیا

Marfat.com

تو ملک مقبول احمد صاحب کی زندگی کا ایک ایک گوشہ، ایک ایک مرحلہ، زندگی کی ایک ایک منزل نکھر کر میرے سامنے آتی گئی۔ ملک صاحب نے زندگی بھر جن جن مشکلات اور تکالیف کا سامنا کیا، حیران کُن ہے۔ ٹھیک ہے کہ بوجوہ ملک صاحب زیادہ علم حاصل نہ کر سکے لیکن انہوں نے شاید اپنی زندگی کا مشن یہ طے کر لیا تھا کہ علم کی تشہیر اور ترویج کا بیڑا اٹھایا جائے، لٰہذا انہوں نے کتابوں کی اشاعت کے کاروبار کو اوّلین ترجیح دی، جس میں وہ ماشاء اللہ ہر طرح سے کامیاب و کامران ہیں، ملک صاحب نے اسلامیات سے لے کر بین الاقوامی فلسفوں تک کی کتب شائع کیں بڑے بڑے علمائے کرام، بڑے بڑے دانشورانِ کرام اور بڑے بڑے ماہرینِ تعلیم کی کُتب شائع کیں اور اس دوران میں کبھی کسی بھی مُصنّف سے پرخاش یا ناراضگی کا شائبہ تک نہیں ہوا۔ سینکڑوں اُدبائے کرام اور زعمائے کرام نے اُن کی آپ بیتی پر قلم آرائی فرمائی ہے، جس سے ملک صاحب کی بھرپور پُرخلوص، دیانت دار اور وضعدار شخصیت اُبھر کر سامنے آئی ہے۔ ملک صاحب اپنے اندر ایک پختہ، ثقہ، غیر متزلزل باایمان اور باایقان مسلمان انسان چھپائے رکھتے ہیں۔

''سفر جاری ہے'' کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ احساس شدّت کے ساتھ ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آتا ہے کہ محترم ملک مقبول احمد صاحب نے اپنی زندگی کے تمام احوال وحقائق صداقت و دیانت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ جس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب ہر طبقہ کے افراد کے مطالعہ کے لیے لازمی اور ازبس ضروری ہے۔ معاشرے میں رہتے ہوئے، ایک خاندان میں رہتے ہوئے، جس طرح بے لاگ صداقتوں کو اور سچائیوں کو واضح طور پر لکھا گیا ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ ملک صاحب کے وجود باسعود میں ایک بھرپور علمی شخصیت موجود ہے، جس کا اظہار نہ ہوسکتا اگر ملک صاحب یہ کتاب تحریر نہ کرتے۔۔۔۔

Marfat.com

ایک حقیقتِ ثابتہ جس کی طرف بہت کم دانشوروں نے توجہ دی ہے، وہ ہے ملک صاحب کی پاکستان، حضرتِ قائداعظمؒ، حضرت علامہ اقبالؒ، نظریہ پاکستان، تحریک پاکستان کے ساتھ انمٹ اور غیر متزلزل، بلکہ ایمان کی حد تک عقیدتِ مستحکم، شیفتگی، اور کمٹمنٹ ۔۔۔۔۔یہی باعث ہے کہ انہوں نے اپنے معروف اور معتبر اشاعتی ادارے میں سب سے زیادہ کتب انہی موضوعات پر شائع کی ہیں۔

اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

محترم ملک مقبول احمد صاحب جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں، باطنی طور پر اسلام، قرآن، حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ والہانہ عشق رکھتے ہیں اور ان تمام مبارک فلسفوں کے احوال ان کی کتاب سے جھلکتے نظر آتے ہیں، ملک صاحب نے اپنے چہرہ مبارک پر جب سے ریش مبارک سجالی ہے، پہلے سے اور زیادہ فلسفیانہ اور متصوفانہ رنگ میں رنگے گئے ہیں، ربِ ذوالجلال والاکرام سے عقیدت و محبت اور ایمان وایقان سنگلاخ پہاڑوں کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے صحیح فرمایا تھا۔

گر ہمی خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

قرآن کے بغیر تو مسلمانی تکمیل پذیر ہو ہی نہیں سکتی۔ محترم ملک مقبول احمد صاحب کی کتاب کے بارے میں اگر وقت اور فرصت درکار ہو تو ان کی اس بے پایاں علمی کاوش پر بطور خاص ایک کتاب تحریر کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ ملک صاحب کو مزید ہمت، جرأت، استقامت اور استقلال فرمائے کہ وہ اسلامی جمہوریہ پاکستان اور اسلام اور قرآن کے حوالے سے مزید کاوشوں کو بروئے کار لائیں۔ یہ بھی دعا ہے کہ دیگر اشاعتی ادارے بھی ان کی تقلید میں ملک وقوم کی خدمت کر سکیں۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ سے ہر لحہ دعا گو ہوں کہ الحاج ملک مقبول احمد صاحب کو عمرِ خضر عطا فرمائے اور اُن کا یہ سفر قیامت تک جاری رہے۔ (آمین)

Marfat.com

جناب محیط اسمٰعیل

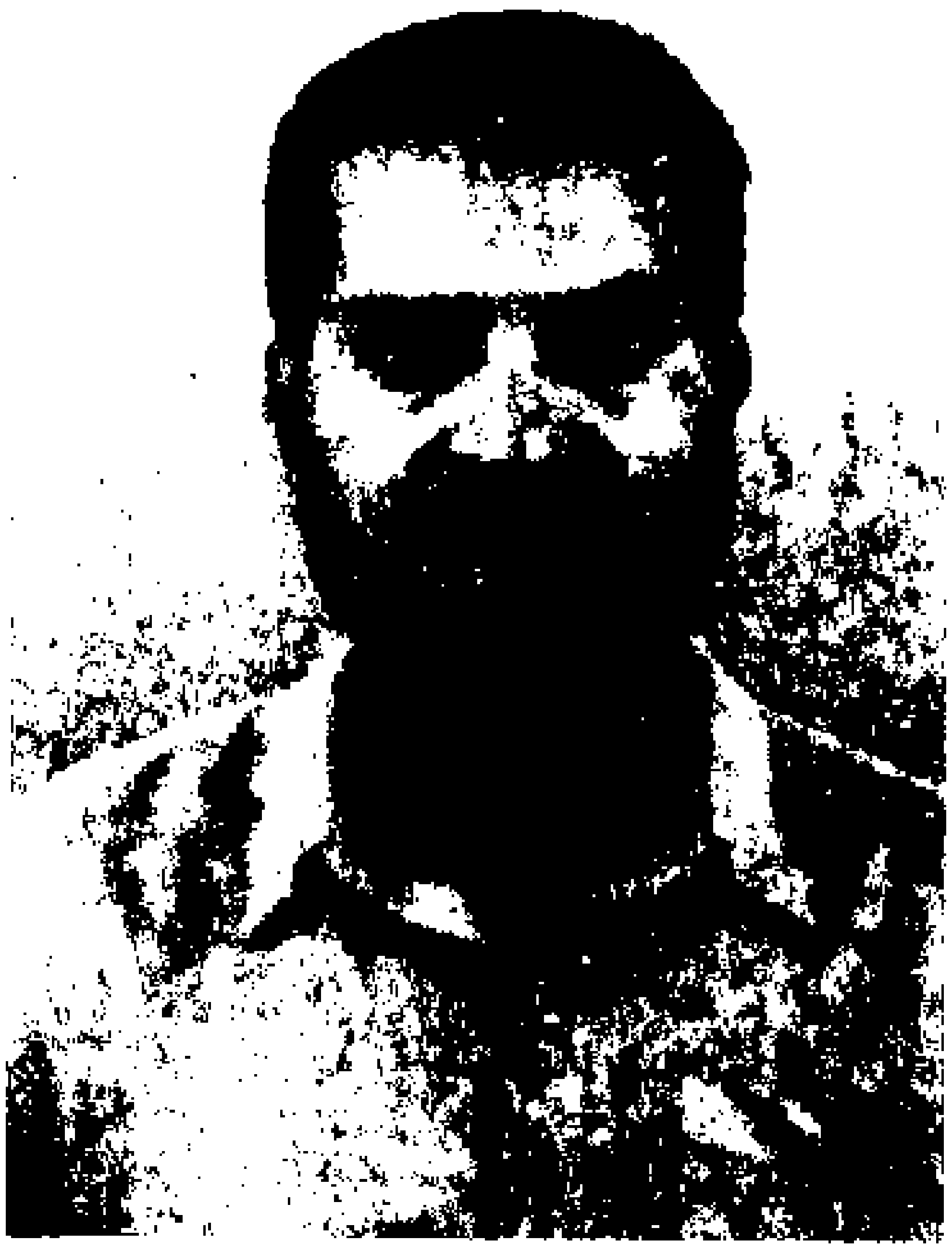

محیط اسمٰعیل لاہور کے ادبی حلقوں کا وہ نوجوان فعال ادیب ہے جس نے پورے لاہور کو اپنے محیط میں لے رکھا ہے وہ ادب کی خدمت عالمانہ بے نیازی سے کر رہے ہیں اور صلہ وستائش کی کوئی تمنا نہیں رکھتے۔

ان کا خاندانی نام محبوب خان ہے۔ قلمی نام محیط اسمٰعیل اختیار کیا اور اب اس نام سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔ بنگلور میں 22 اکتوبر 1959ء کو جمعرات کے مبارک دن کو پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش کے وقت سپیدۂ سحر کی پہلی کرن بیدار ہو رہی تھی۔ اندازہ ہے کہ ادب اور تاریخ کا ذوق بنگلور سے اپنے ساتھ لائے تھے۔

انکسار ان کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ تعلیم کا پوچھا تو کہنے لگے۔۔۔ ''محیط صفر ہے''، تعلیم وتربیت بھی صفر۔۔۔ والد نے بولنا سکھایا اور پڑھنا لکھنا بھی۔۔۔'' وہ ان کے بولے ہوئے ہر فقرے کی درستی کرتے۔ ہر فقرے میں جملے کے حاصل لفظ پر ٹوکتے۔'' اس سے ان کے مزاج میں لفظ کی حرمت مستحکم ہوتی گئی۔ مزید تربیت احسان دانش، سراج منیر اور مشفق خواجہ نے کی۔ ان کی شخصیت کا عکس ان کی غزل میں موجود ہے۔ ان کی غزل ان کے مزاج کی ترجمانی کرتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ''شہر کی تنقید'' بھی ہے۔ وہ کتاب اور مصنف دونوں کا مطالعہ گہری نظر سے کرتے ہیں۔ اور خاکہ نگاری میں سچ اور صرف سچ لکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے خاکے کڑوے ہوں گے۔ لیکن مشفق خواجہ پر سب سے اچھا اور شیریں خاکہ لکھا ہے ۔ اس کی تعریف خواجہ عبدالرحمان طارق، انور سدید اور شبیر احمد میواتی نے بھی کی ہے۔ ان دنوں اکیسویں صدی کی جامع اردو لغت تالیف کر رہے ہیں۔ ادیبوں کی باتیں سننے، ان کی مجالس میں بیٹھنے اور اپنے نتیجے نکالنے کا ان کو شوق ہے۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا مضمون حق گوئی کی مثال قرار دیا گیا ہے۔

Marfat.com

محیط اسمٰعیل

'فور اِن وَن' خودنوشت

سفر جاری ہے

ہمارے ناشرین بہت کچھ کے علاوہ تواریخ کی اشاعت میں بھی پیش پیش چلے آ رہے ہیں، نہ جانے کیوں ان کی اپنی کوئی تاریخ نہیں۔ تاریخ مرتب ہونے میں سوانح حیات کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ اشاعتی اداروں میں شروع ہی سے ہر ناشر ایک خاص مقام پر خودنوشت چھوڑ جاتا تو یہ رواج چل پڑتا اور آج ہمارے درمیان ایک ضخیم 'تاریخِ ناشراں' موجود ہوتی۔

مقبول اکیڈمی ایک مقبول اشاعتی ادارہ ہے، جس کے بانی ملک مقبول احمد صاحب نے اپنی خودنوشت کا نسخہ ہمیں دیا اور چونکا دیا۔ ایک سرگزشت اور وہ بھی ایک ناشر کی! خوش گوار حیرت ہوئی۔ آج تک کوئی ناشر اپنا کچا چھٹا یا پکا چھٹا پیش کرنے کے پھیر میں نہیں پڑا۔ گویا مقبول صاحب کی خودنوشت پہلا چشمہ ہے، جو ان کے تجربات/مشاہدات کے کوہسار سے پھوٹا ہے، توقع ہے ''چل سو چل'' کے مصداق اب دوسرے ناشرین کے چشمے بھی رواں ہو جائیں گے اور بڑھتے بڑھتے ایک دریا بنیں گے، علم کا سمندر اس دریا سے ہم آغوش ہونے کو مچل رہا ہوگا۔

کسی ناشر کی سرگزشت پہلی مرتبہ ہمارے سامنے آئی ہے۔ اِس کتاب کے

Marfat.com

دامن میں کئی چیزیں قابلِ مطالعہ ہیں، یہ خودنوشت کسی بھی نئے ناشر کے ابتدائے سفر میں کچھ دور تک راہ ہموار کرے گا۔ اِس میں ایک انصاف پسند ناشر کے محسوسات / تاثرات / تجربات / مشاہدات منعکس ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے مقبول صاحب کو خودنوشت کا خیال کچھ عرصہ قبل ہی آیا ہے۔ عملی زندگی کے آغاز سے ان کا ایسا کوئی ارادہ ہوتا تو روزنامچے کی عادت بناتے اور آج کتاب کے ساڑھے چار سو صفحے صرف خودنوشت سے معمور ہوتے۔

مذکورہ کتاب کی صورتِ حال یہ ہے کہ خودنوشت کے صفحات ایک سو پچیس ہیں باقی ضخامت میں اپنے لکھاریوں کا تعارف (مع تصویر) لکھاریوں کے چند مکتوب، اخباری سوال جواب یعنی انٹرویوز نیز خاص خاص مطبوعاتِ ادارہ پر تبصرے شامل ہیں۔ پیش لفظ وتقریظ وغیرہ اس کے علاوہ ہے۔

کچھ خطوط چونکاتے ہیں اور ناشر سے وابستہ ادیبوں کے ''عظیم مقاصد'' سے گوشۂ پردہ اٹھاتے ہیں۔ ناشر نے بہ حیثیت با اخلاق مُصنف جن دو چار منفی شخصیات کا ذکر نام لیے بغیر کیا ہے، وہ مطالعے کی حاضر دماغی سے دریافت ہو جاتے ہیں۔ بہر کیف مجموعی طور پر ادبا شعرا کی شخصی کمزوریاں پڑھنے والے کے علم میں آجاتی ہیں۔''

کتاب کے متن میں اغلاط اس لیے نہیں کھٹکتیں کہ ہم سب اخبار بین جانتے ہیں کہ تصحیح (پروف ریڈنگ) کا رواج نہیں رہا۔ کتب / جرائد اور اخبار میں اغلاط قوم کا مقدر بن چکی ہیں۔ ناشر مقبول صاحب کے قلم کی دیانت جس قدر بھی دکھائی دی غنیمت ہے۔

Marfat.com

جناب پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ

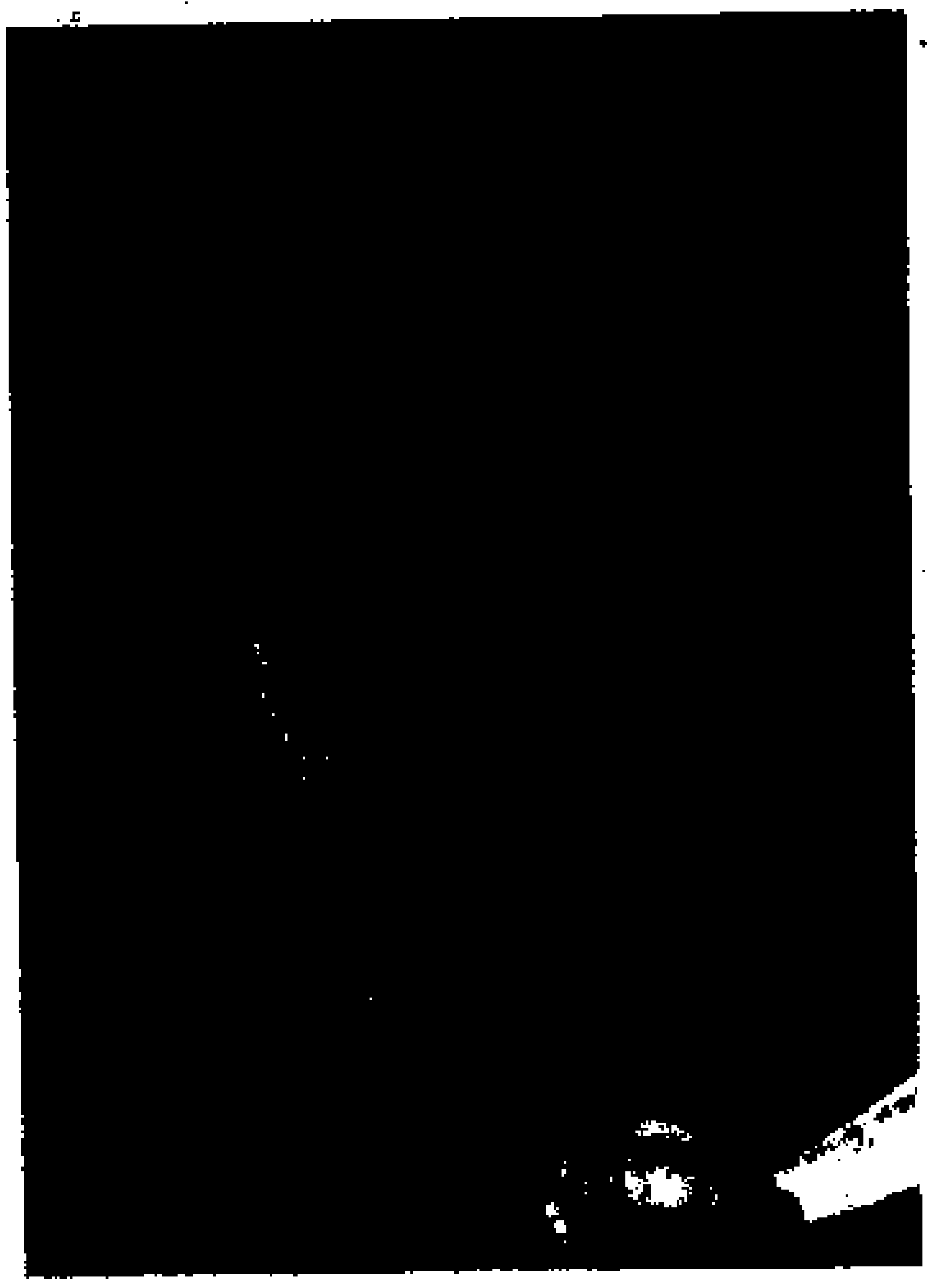

پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ کو ہندوستان میں ایک نامور ماہر لسانیات کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ تحقیق کے مردِ میدان ہیں اور صداقت کی تلاش میں گہرا اور طویل غوطہ لگاتے ہیں۔

مرزا خلیل احمد بیگ یکم جنوری 1945ء کو گورکھ پور کے ایک معزز زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مرزا عبداللہ بیگ سرکاری ملازمت میں تھے۔ گورکھ پور سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ یونیورسٹی میں آگئے اور ادبیات اردو میں ایم اے کیا۔ پروفیسر منصور حسن خان کی نگرانی میں ''شمالی ہند کی اردو کی تاریخی قواعد'' پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور شعبہ لسانیات میں استاد کی حیثیت میں منسلک ہو گئے اس دوران انہوں نے امریکہ کی یونیورسٹیوں میں لیکچر دینے کے لیے دورہ کیا۔ 31 دسمبر 2006ء کو ریٹائر ہو کر علی گڑھ میں ہی سکونت پذیر ہو گئے

ڈاکٹر خلیل احمد بیگ کا ادبی سفر شاعری سے شروع ہوا تھا۔ پھر اردو اور انگریزی میں لسانی موضوعات پر مضامین لکھنے لگے۔ اور لسانیات کی تحقیق ہی سے ان کا ادبی تشخص ہونے لگا ان کی مشہور کتابوں میں ''زبان، اسلوب اور اسلوبیات''۔۔ ''اردو کی لسانی تشکیل''۔۔ ''لسانی تناظر''۔۔ تنقید اور اسلوبیاتی تنقید''۔۔ ''بھارت میں ہندی اردو کا لسانیاتی تناظر'' چھپ چکی ہے۔ پروفیسر گیان چند جین نے ایک دلآزار متنازع کتاب ''ایک بھاشا دو لکھاوٹ دو ادب'' پیش کی تو ڈاکٹر خلیل احمد بیگ نے اس کا مدلل رد کرنے کے لیے اپنی کتاب ''ایک بھاشا۔۔۔ جو مسترد کر دی گئی'' پیش کی۔ انہیں قومی سطح پر کئی اعزازات سے سرفراز کیا جا چکا ہے۔ پاکستان نے انہیں ''نقوش ایوارڈ'' پیش کیا۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کے ارشادات ''تحفہ ہند'' کا درجہ رکھتے ہیں۔

Marfat.com

پروفیسر مرزا خلیل احمد بیگ

سفر جاری ہے

''سفر جاری ہے'' کسی سفرنامے کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک ایسے شخص کی زندگی کے سفر کی کہانی ہے جو نہ ادیب ہے، نہ محقق، اور نہ دانشور۔ وہ کوئی سماجی مصلح بھی نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی سیاسی رتبہ ہے، لیکن وہ ہمارے عہد کی ایک ایسی شخصیت ہے جس کے قدم کامیابی نے چومے اور جس نے محض اپنی محنت، لگن اور عزم و استقلال سے قابلِ رشک سربلندی و سرخ روئی حاصل کی۔ ایسی شخصیت کا نام ملک مقبول احمد ہے۔

مقبول صاحب نے پبلشنگ کی دنیا میں بڑا نام پیدا کیا ہے۔ اگرچہ انہوں نے اس کام کی ابتدا نامساعد حالات میں کی، لیکن آج وہ ایک کامیاب پبلشر ہیں۔ دنیا انہیں آج انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور ان کی شرافت، دیانت داری اور انکساری کی قسمیں کھاتی ہے۔ خدا کے فضل سے آج انہیں عزت، شہرت، دولت اور خانگی سکھ سب کچھ حاصل ہے۔ لیکن یہ سب کچھ انہوں نے ایک طویل جدوجہد اور محنتِ شاقہ کے بعد حاصل کیا ہے۔ آج مقبول صاحب اپنی کامیابی سے شاداں اور اپنی زندگی سے مسرور و مطمئن ہیں اور اپنے اہلِ کنبہ کے ساتھ لاہور جیسے بارونق شہر میں آسودہ حال زندگی گزار رہے ہیں۔ مقبول صاحب نے اپنی سرگزشتِ زیست کے قدرے تفصیل کے ساتھ اپنی خودنوشت ''سفر جاری ہے'' میں بیان کیا ہے، ع

Marfat.com

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

زندگی تو ہر کوئی جیتا ہے۔ زندگی کا سفر ہر شخص کو طے کرنا پڑتا ہے۔ اس سفر میں اچھے برے واقعات بھی پیش آتے ہیں اور بعض حادثات سے بھی دو چار ہونا پڑتا ہے۔ طرح طرح کے لوگوں اور شخصیتوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے۔ غرض کہ زندگی کی دھوپ چھاؤں اور نشیب و فراز سے کسی کو مفر نہیں، لیکن بعض زندگیاں دوسروں کے لیے مشعلِ راہ اور قابلِ تقلید بن جاتی ہیں۔ مقبول صاحب نے جینے کا جو سلیقہ اپنایا اور جس جرأتِ رندانہ کے ساتھ زندگی کا سفر طے کیا اور کر رہے ہیں، وہ یقیناً ان کے ہم مشربوں اور دوسرے بہت سے لوگوں کے لیے نہ صرف مشعلِ راہ ہے، بلکہ قابلِ تقلید بھی ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ مقبول صاحب اپنی گوناگوں اور جدوجہد سے بھرپور زندگی کے حالات و واقعات قلم بند کرتے تاکہ دوسرے ان کی کامیابی کے رازِ سر بستہ کو جان سکیں۔

ملک مقبول احمد نے ''سفر جاری ہے'' میں اپنے حالاتِ زندگی سیدھے سادے الفاظ میں بڑی دیانت داری اور سچائی کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں۔ حالاں کہ خودنوشت لکھتے وقت سچائی پر عمل پیرا ہونا نہایت مشکل کام ہے۔ خودنوشت میں جب تک، مبالغہ آمیزی، فسانہ طرازی اور دروغ گوئی کے عناصرِ ترکیبی شامل نہ ہوں وہ خودنوشت نہیں سمجھی جاتی۔ لیکن مقبول صاحب نے جو خودنوشت قلم بند کی ہے وہ ان 'اوصاف' سے پاک ہے۔ انہوں نے بالکل راست انداز میں اپنے بچپن، دورِ طالب علمی، جوانی، ازدواجی زندگی، نیز تلاشِ معاش اور اپنی کامیاب زندگی کے حالات و واقعات بیان کر دیئے ہیں۔ مقبول صاحب نے پیش لفظ میں اس خودنوشت کو اپنا ''اعمال نامہ'' کہا ہے جس میں ان کے اچھے اعمال درج ہیں، لیکن یہ ان کی منکسر المزاجی اور شرافتِ نفس ہے کہ جن شخصیات سے ان کا سابقہ پڑا اور جنہوں نے ان

Marfat.com

کے ساتھ ناروا سلوک روا رکھا ان کے بھی انہوں نے صرف نیک اعمال ہی بیان کیے ہیں اور برے اعمال سے وہ صَرفِ نظر کر گئے ہیں صِرف اس لیے کہ کہیں ''ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو''، ورنہ خودنوشت تو عموماً لکھی ہی اس خیال سے جاتی ہے کہ اپنے حریف کو یا ایسوں کو جنھوں نے غم دیے ہیں اور دکھ پہنچائے ہیں، برا بھلا کہہ کر حساب برابر کر لیا جائے، لیکن مقبول صاحب ہمیشہ ''خیالِ خاطرِ احباب'' پر عمل پیرا رہے اور کسی کے بارے میں زبان نہیں کھولی بلکہ انہیں معاف کر دیا۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ پیش لفظ میں مقبول صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس خودنوشت کو لکھنے کی تحریک انہیں اپنے پوتے، پوتیوں اور نواسیوں سے ملی۔ ہوسکتا ہے کہ ان ننھے منوں نے زندگی کی کہانی بیان کرنے کے لیے ان سے اصرار کیا ہو، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اظہارِ ذات کی شدید تر خواہش ہی خودنوشت لکھنے کا محرک بنتی ہے۔ اگر یہ خواہش نہ ہو تو خودنوشت محض واقعات کی کھتونی بن کر رہ جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ''سفر جاری ہے'' اظہارِ ذات کا بہترین نمونہ ہے۔ اسی کے ساتھ یہ ایک عہد کی سماجی، تہذیبی، ادبی اور ثقافتی زندگی کا آئینہ بھی ہے۔

کسی خودنوشت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں مصنف خود راوی ہوتا ہے۔ خودنوشت بھی ناول کی ہی طرح پوری زندگی کا احاطہ کرتی ہے۔ اس میں بھی کئی کردار ہوتے ہیں۔ خاص کردار خود راوی ہوتا ہے، بقیہ کردار اس کے اردگرد گھومتے ہیں جن میں اچھے کردار بھی ہوتے ہیں اور برے کردار بھی۔ راوی طرح طرح کے حالات و واقعات اور حادثات سے دوچار ہوتا ہے۔ ناول کی طرح خودنوشت میں بھی زندگی کے نشیب و فراز ہوتے ہیں۔ لیکن چوں کہ خودنوشت حقیقی کرداروں اور اصلی حالات و واقعات پر مبنی ہوتی ہے اور اس کے زماں و مکاں بھی حقیقی ہوتے ہیں، اس لیے اس کی دستاویزی حیثیت ہوتی ہے اور آئندہ کا ادبی مؤرخ

Marfat.com

تاریخ نویس اس سے بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔

ایک بہترین خودنوشت کئی چیزوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ یہ آپ بیتی تو ہوتی ہی ہے، جگ بیتی بھی ہوتی ہے۔ اس میں سفرنامے کی چاشنی بھی پائی جاتی ہے اور شخصیات کے خاکے اور مرقعے بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اپنے دکھ درد اور رنج و راحت کے بیاں کے علاوہ مصنف حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ بھی کرتا ہے اور عصری مسائل کا تجزیہ بھی پیش کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں سماج اور تہذیب کی جھلکیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ مقبول صاحب نے اپنی خودنوشت میں یہ تمام چیزیں یکجا کر دی ہیں جو قاری کے لیے انتہائی دلچسپی کا باعث ہیں۔

ملک مقبول احمد ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں دیووال میں پیدا ہوئے۔ ان کا بچپن بھی اسی دیہاتی ماحول میں گزرا۔ اس کی یادیں ان کے ذہن پر نقش ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس ماحول کی منظرکشی انہوں نے نہایت خوب صورت انداز میں کی ہے اور جزئیات نگاری سے بھی کام لیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتیں جو ان کے لاشعور میں تھیں وہ انہوں نے قلم بند کر دی ہیں۔ بچپن کی یادیں ان کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ ان یادوں کو انہوں نے ''وہ سنہرا زمانہ'' کے تحت محفوظ کر دیا ہے۔ دیووال اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں مسلمان، ہندو اور سکھ سبھی مل جل کر رہتے تھے۔ ۱۹۴۷ء کے پرآشوب دور میں بھی یہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی برقرار رہی۔ اس دور کو یاد کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''۱۹۴۷ء میں انتقالِ آبادی ہوا اور ہندو اور سکھ اپنے مال و اسباب کے ساتھ جموں چلے گئے۔ کسی مسلمان نے نہ ان کو لوٹا، نہ ان کی جانیں تلف کیں بلکہ ان کو بہ حفاظت سرحد پہ پہنچایا۔'' (ص ٦٦)

''سفر جاری ہے'' کا وہ حصہ انتہائی دلچسپ ہے جس میں ملک مقبول احمد نے

Marfat.com

اردو کے چند ممتاز ادیبوں اور مصنفوں کا ذکر کیا ہے۔ لاہور میں ان کا قائم کردہ ادارہ ''مقبول اکیڈمی'' چوں کہ ایک اشاعتی ادارہ ہے، اس لیے کتابوں کی طباعت و اشاعت کے سلسلے میں اردو کے نہ جانے کتنے لکھنے والوں سے ان کا رابطہ رہا جن کی کتابیں شائع کر کے انہیں ''روحانی اور قلبی خوشی'' حاصل ہوئی۔ مقبول اکیڈمی کے ہی توسط سے اردو کے بہت سے ادیب و دانشوران کے دوست بن گئے۔ ایسے ادیبوں میں رئیس احمد جعفری، احسان دانش، میرزا ادیب، وحید قریشی، انور سدید، امجد اسلام امجد، عبدالعزیز خالد، اے حمید، ایم اسلم، اظہر جاوید، غلام الثقلین نقوی اور طارق عزیز خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ ملک مقبول احمد نے اپنی خودنوشت میں مقبول اکیڈمی کی چند خواتین قلمی معاونین کا بھی ذکر کیا ہے جن میں ادا جعفری، رضیہ فصیح احمد، بلقیس ریاض، عذرا اصغر، ثریا خورشید اور شبانہ یونس خاص اہمیت رکھتی ہیں جن کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ ''میں نے مقدور بھر ان کا احترام کیا اور ان کو کبھی میرے ادارے سے شکوہ نہیں ہوا''۔ (ص ۲۰۹)

اردو کے جن نامور ادیبوں سے مقبول صاحب کا رابطہ قائم ہوا، ان کے بارے میں انہوں نے اپنے تاثرات ''سفر جاری ہے'' میں قلم بند کر دیئے ہیں جن سے ان ادیبوں کی شخصیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض شخصی مرقعوں کا ذکر یہاں بے جا نہ ہوگا، مثلاً میرزا ادیب کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''میرزا ادیب کو دیکھنے کی خواہش تو دل میں ہمہ وقت بیدار رہتی۔ ان سے ملاقات ہوئی تو ان کی سادگی سے بہت متاثر ہوا اور حیرت زدہ رہ گیا کہ ''صحرا نورد کے خطوط'' کیا انہوں نے ہی لکھی ہے؟'' (ص ۱۷۸)

انور سدید کا ذکر انہوں نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''آپ ان سے پہلی مرتبہ ملیں تو ان سے جدا ہوتے وقت آپ کو احساس ہوگا کہ یہ

Marfat.com

شخص تو مدتوں سے آپ کے لاشعور میں موجود تھا۔

یہ ان کے انسانوں کے درمیان 'فرشتہ' ہونے کی دلیل ہے۔'' (ص ۱۸۱)

ادا جعفری کے بارے میں انہوں نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کیے ہیں:

''میں محترمہ کے پاس میرزا ادیب مرحوم کی چٹھی لے کر گیا۔ انہوں نے میرزا ادیب صاحب کی چٹھی بہت قدر کی اور مجھے اپنے تمام شعری مجموعے.... اشاعت کے لیے عطا کر دیئے اور کہا کہ ''اشاعت کے بعد ان کی پندرہ جلدیں مجھے ارسال کی۔

اردو میں ادیبوں، دانشوروں، مفکروں اور سیاسی و مذہبی رہنماؤں کی لکھی ہوئی خودنوشتیں کثیر تعداد میں موجود ہیں، لیکن ''سفر جاری ہے'' ایک ایسی خودنوشت ہے جسے ایک ناشر نے قلم بند کیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اردو میں کسی ناشر کی لکھی ہوئی یہ پہلی خودنوشت ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ اس لحاظ سے ایک جداگانہ خودنوشت ہے کہ اس میں کتابوں کی باتیں کی گئی ہیں۔ اپنے خاندان کے چند افراد کے ذکر سے قطع نظر، مصنف نے دیگر تمام ادبی اور غیر ادبی شخصیتوں کا ذکر کتابوں کے ہی حوالے سے کیا ہے۔ کتاب کی عظمت اور حرمت کا اس قدر پاس کہیں اور بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ ایسے تمام لوگوں کے لیئے بے حد مفید ہے جنہیں کتاب سے محبت ہے یا جن کا تعلق کتابوں کی نشر و اشاعت سے ہے یا جو اس کام میں پیشہ ورانہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ ادبی لحاظ سے بھی اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کچھ کم نہیں، کیوں کہ ایک اچھی خودنوشت کی تمام خوبیاں اس میں موجود ہیں۔ اس کا اندازِ بیان بھی نہایت اچھوتا اور 'سادگی و پرکاری' کا بہترین نمونہ ہے۔

''سفر جاری ہے'' ملک مقبول احمد کا ایک گراں قدر علمی و ادبی کارنامہ ہے۔ اس نے اردو میں خودنوشت نگاری کو ایک نیا موڑ دیا ہے اور ایک نئی جہت سے روشناس کرایا ہے۔ یہ کتاب بلاشبہ اردو کے سوانحی ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہے جس سے کوئی بھی ادبی مؤرخ صرفِ نظر نہیں کرسکتا۔

Marfat.com

جناب ڈاکٹر مسکین علی حجازی

ڈاکٹر مسکین علی حجازی ابلاغیات میں استاد الاساتذہ ہیں۔ یکم جون 1937ء کو مشرقی پنجاب کے ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ اور 1947ء میں اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے صحافت اور اردو کے مضامین میں دو ایم اے کیے، اور پنجاب میں اردو صحافت کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انہوں نے اپنی عملی زندگی صحافت سے شروع کی روزنامہ ''زمیندار''۔ ہفت روزہ ''آفاق'' اور ''چٹان'' میں خدمات انجام دیں۔ انہیں ''کوہستان'' میں نسیم حجازی کے ساتھ کام کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔

ڈاکٹر صاحب پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ صحافت کے ساتھ 34 سال تک وابستہ رہے اور 18 سال تک اس شعبے کے چیئر مین رہے۔ ان کی علمی، ادبی اور تدریسی تجربے سے ملک کی بیشتر یونیورسٹیوں نے استفادہ کیا۔ ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے متعدد طالب علموں کی راہنمائی اور ایک درجن سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ چند نام یہ ہیں۔

''فن ادارت'' ۔۔برّ صغیر میں مسلم صحافت کی مختصر تاریخ ۔۔۔''پاکستان میں ابلاغیات''، ''مکتوب نگاری''۔ ''مولانا ظفر علی خان''۔ ''عالم اسلام کا اتحاد''۔ ''ڈالر کے دیس میں''۔ علاوہ ازیں ان کے بیسیوں مقالات ممتاز علمی رسائل میں چھپ چکے ہیں۔ انہیں متعدد قومی ایوارڈز سے نوازا گیا ہے۔

ڈاکٹر مسکین علی حجازی انتہائی خلیق اور مخلص انسان ہیں۔ مقبول اکیڈمی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اسی ادارے سے ان کی پہلی تصنیف ''آزمائش کی گھڑی'' شائع ہوئی تھی۔ ''سفر جاری ہے'' پر انہوں نے مجھے ایک پر خلوص خط سے نوازا ہے۔

Marfat.com

مسکین علی حجازی

12 مارچ 2007ء

محترم و مکرم جناب ملک مقبول احمد صاحب!

السّلام علیکم!

اللہ کرے سفر جاری رہے۔ آپ منزلیں طے کرتے رہیں۔ حج کی سعادت سے بہرہ ور ہونے پر مبارک باد۔

مُصنف کے مرتبہ پر فائز ہونے کی مبارک باد

دیگر تمام کامیابیوں پر مبارک باد

کتاب عنایت کرنے کا شکریہ۔

اس بات پر آپ کا سپاس گزار ہوں کہ آپ نے روداد زندگی لکھتے وقت مجھے بھی یاد رکھا۔ آپ کے مشاہدہ میں گہرائی، ظرف میں وسعت اور اندازِ بیان میں دلکشی ہے۔ آپ کی داستانِ حیات سعی پیہم، اور جہد مسلسل کی داستان ہے۔ عزم و ہمّت کی کہانی ہے۔ ناسازگاریوں کے خلاف جہاد کی تفصیل ہے۔ روٹی تو ہر مچھندر کما ہی لیتا ہے لیکن آپ نے علم و ادب کی اشاعت کو ذریعہ روزگار بنایا۔ یہ کام روزگار بھی ہے اور خدمت بھی۔ خدمت کرنے والے کا جذبہ سچا ہو تو وہ مخدوم بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو صحت اور طویل عمر عطا کرے اور آپ کو اپنا سفر جاری رکھنے کی توفیق بخشے۔ (آمین)

Marfat.com

جناب ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی ادب میں وحدت کی نہیں کثرت کی مثال ہیں۔ان کی کثرت نویسی کا اعتراف ہندوستان میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اور شمس الرحمان فاروقی اور پاکستان میں ڈاکٹر وزیر آغا۔ اور برطانیہ میں محمود ہاشمی تک سب کرتے ہیں۔وہ ادب پڑھتے ہیں، ادب لکھتے ہیں۔ادب کی ادارت کرتے ہیں۔ادب پڑھاتے ہیں اور سب سے اہم یہ کہ ادب چھاپتے ہیں۔حتیٰ کہ خواب بھی ادب کا ہی دیکھتے ہیں اور ہر صنف سخن کے مولا ہیں۔

مناظر عاشق ہرگانوی یکم جولائی 1948ء کو پیدا ہوئے۔ایم اے اردو اور فارسی میں کیا۔پھر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ان کی ادبی فعالیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ اردو، ہندی، انگیکا اور انگریزی میں ان کی سو سے زیادہ کتابیں چھپ چکی ہیں۔ان کی نگرانی میں سترہ طالب علم پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔ ہندوستان کی تین یونیورسٹیوں میں ان پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ان کی شخصیت اور کارناموں پر نو کتابیں چھپ چکی ہیں کئی ممالک کی سیر کر چکے ہیں۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ انہوں نے پاکستان کے ڈاکٹر وزیر آغا اور ڈاکٹر انور سدید پر ہندوستان میں پی ایچ ڈی کے مقالے لکھوائے ہیں۔ڈاکٹر طاہر سعید ہارون کی۔دوہا نگاری پر ایک کتاب شائع کی۔ان کے ناشرین کی تعداد دو درجن سے زیادہ ہے۔اس پر مستزاد یہ کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے لیے پروگرام لکھتے اور نشر کرتے ہیں۔رسائل میں مضامین اور خطوط لکھتے ہیں۔ سیمینار کراتے ہیں اور مشاعروں میں حصہ لیتے ہیں۔اپنی بیگم صاحبہ کے ساتھ تعلقات نہایت خوشگوار رکھتے ہیں اور اپنے بچوں کی صحیح تعداد نہیں بتاتے۔کہتے ہیں ان کی سب کتابیں ان کی اولاد ہیں۔مجھے پاکستان میں ان جیسا فعال ادیب نظر نہیں آتا۔کئی ممالک کا سفر کر چکے ہیں۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے ''سفر جاری ہے'' پر جو تبصرہ کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی

ملک مقبول احمد کی مقبولیت

بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں، جن کا گذرا ہوا کل، فکر کی بلندی کا آسمان چھوتا ہے اور جن کا آج نقش تصویر اور شوقِ ناتمام کی لامتناہی داستان ہے۔ ملک مقبول احمد کی ممتاز شخصیت علم کا لائحہ عمل طے کرتی ہے، ذوق کی پرداخت کرتی ہے، حوصلے اور عزائم سے سرشار کرتی ہے، بلیغ اور معنویت سے بھرپور منصوبہ پیش رفت کرتی ہے، ذوقِ طلب اور شوقِ سفر کے مرحلے کا اتصال کراتی ہے، چشم تصور کو تابِ نظارہ سے ہمکنار کرتی ہے اور بادمخالف میں اُردو کا چراغ روشن کرتی ہے۔

خلوص، محبت، ہمدردی اور شرافت کے مجسّم پیکر ملک مقبول احمد خود داری و رواداری اور علم پروری وانکساری کے جوہر سے متصف ہیں۔ علم حاصل کرنے اور علم بانٹنے کا شوق ان میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

اپنی شخصیت اور علم پروری کی داستان ملک مقبول احمد نے بڑی دلداری، جی داری اور جمالیاتی ذوق کی آئینہ داری کے ساتھ سنائی ہے، جس میں ناول کا مزہ، قلم کا تماشہ اور بہت کچھ سیکھنے جاننے کا گوناگوں برق تجلی ہے۔ یادآفریں واقعات اور تلخ و شیریں تجربات کا جداگانہ بیانِ شوق ہے۔ اس لئے بھی کہ شاعروں، ادیبوں اور مصنفین کے ساتھ خود اپنے آپ سے انہوں نے دیانت داری برتی ہے۔

شعروادب، تحقیق وتنقید، تاریخ، تفسیر، سیرتِ رسول ﷺ اور جملہ موضوعات

Marfat.com

کی شمع فروزاں کرنے والے ملک مقبول احمد کا اشاعتی ادارہ ''مقبول اکیڈمی' سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ بقول قمر نقوی نقشبندی ''ملک مقبول احمد اور مقبول اکیڈمی کا نام ایک مدرسہ بن چکا ہے۔ ایک نہایت معتمد اور مقبول ادارہ بن گیا ہے، جسے ناشرانِ و تاجران کتب میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے اور یہ ساری کامیابی ملک صاحب کی شرافت، خوش اخلاق دیانت داری، خوش معاملگی، خلوص نیت اور خوش اعمالی کا انعام ہے۔

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ خلوص نیت، خلوصِ طبیعت، خلوصِ کار کسی بھی تجارت میں اہم عناصر ہیں۔ جس شخص میں یہ صفات پائی جائیں، کامیابی اس کے قدم چومنے پر مجبور ہوتی ہے۔ یہ چراغ جب روشن ہوتا ہے تو نہ صرف اپنی اہمیت میں اضافہ کرتا ہے بلکہ سارے ماحول کو منوّر کر دیتا ہے۔ ملک مقبول احمد خلوص کا ایسا ہی روشن چراغ ہیں۔

ڈاکٹر وحید قریشی کا اعتراف نامہ اس طرح ہے:

''مقبول اکیڈمی ایک کمرشل طباعتی ادارہ ہے، جو 1958ء میں قائم ہوا۔ ملک مقبول احمد کی شب و روز محنت سے آج یہ ایک اہم پبلشنگ ہاؤس بن چکا ہے۔ اس کا ایک ذیلی ادارہ ''مقبول بکس'' بھی کتابوں کی طباعت کے لئے مشہور ہے۔ اُردو بازار کے قریب سرکلر روڈ پر قائم ہونے والا یہ ادارہ ترقی کر کے کئی دکانوں تک پھیل چکا ہے''

ملک مقبول احمد کے پر خلوص، مفاہمت بھرے اور بصارت و بصیرت رکھنے والے طریقہ کار کا ذکر ڈاکٹر انور سدید اس طرح کرتے ہیں:

''میری ضعیفی نے میرے لکھنے کی رفتار مدھم کر دی ہے، لیکن مقبول احمد صاحب ایک سال میں کم از کم ایک کتاب شائع کرنے کی پابندی قائم رکھے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب تک زندہ ہوں، یہ سلسلہ قائم رہے گا۔ میں کبھی تاخیر کر دوں تو ایک ''لفافہ'' میز پر

Marfat.com

رکھ کر اُٹھ جاتے ہیں...... یہ مجھے کتاب مکمل کرنے کی یاد دہانی کراتا رہتا ہے۔ میں نے کسی اور ناشر کو اس معمول پر باقاعدگی سے عمل کرتے نہیں دیکھا۔''

ملک مقبول احمد بہت بڑے ناشر ہیں۔ اپنے تجربے کی روشنی میں انہوں نے کتاب کی اشاعت سے متعلق بعض معنی خیز انکشاف کئے ہیں۔''

''کتاب کی اشاعت میں مُصنّف، ناشر اور قاری شامل ہیں۔ مُصنّف کتاب لکھتا ہے ناشر کتاب چھاپتا اور قاری تک پہنچاتا ہے اور قاری اس کو پڑھتا ہے، علم و دانش کی باتیں سیکھتا اور گوناگوں تجربات حاصل کرتا ہے، کتاب کی افادیت نہ صرف اس کے زمانہ اشاعت میں اہمیت رکھتی ہے بلکہ یہ آئندہ زمانوں اور آئندہ نسلوں کی عقل و خرد کو بھی منور کرتی ہے .... کتاب کی متذکرہ افادیت کے باوجود کتابوں کی طباعت کا کاروبار کئی حوالوں سے ایک پُر خطر کام ہے۔ اکیلا فرد اس کام میں ہاتھ نہں ڈال سکتا لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اس کام میں ابتدا ایک فرد ہی کرتا ہے۔ اس فرد کے اندر ایک امیج ہوتی ہے جس کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگتا ہے اور پھر اس کے دل میں ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب پیش کرنے کی ''ترنگ'' پیدا ہوتی چلی جاتی ہے، جسے کچھ دوسرے لوگ بھی قبول کر لیتے ہیں۔''

کوئی بھی مواد ذہن میں تخلیقی حالتوں سے گزر کر نمو پذیر ہوتا ہے اور مسلسل تبخیر اور تطہیر کے عمل سے گذر کر صفحہ قرطاس پر جلوہ نما ہوتا ہے۔ ملک مقبول احمد کتابوں کے ناشر ہیں۔ ان کے تجربے میں صحت مند قدر ہے، گہرا شعور ہے اور واقعاتی سچائی کا آب و رنگ ہے:

''کتاب اس مقصد کے تحت شائع کی جاتی ہے کہ اسے دوسرے لوگوں تک پہنچایا جائے۔ اس کے مطالب و مفاہیم عام کئے جائیں۔ لہٰذا کتاب کا ناشر ایک کتب فروش کا فریضہ بھی ادا کرتا ہے۔ میں یہ فریضہ کئی برسوں سے ادا کر رہا ہوں اور

Marfat.com

میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ اس کام سے روزی کمانا اتنا آسان نہیں ہے۔ جتنا بظاہر نظر آتا ہے یا جس کا تصور کیا جاتا ہے...... کتاب سازی کو تخلیقی عمل سے بھی تشبیہہ دی گئی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ تخلیقی عمل میں کس قدر دشواریاں اور مشکلات پیش آتی ہیں۔''

حقیقی احساس و عرفان سے کام لے کر دانش و بینش کی نئی معنویت کو ملک مقبول احمد یوں تفسیری عمل سے گزارتے ہیں:

''تخلیق........ اور صحت مند تخلیق پا جانے کے بعد کتاب کو شوکیس میں سجا کر رکھ دینے ہی سے اس کا اہم مقصد پورا نہیں ہو جاتا۔ اس کا مقصد تب پورا ہوتا ہے، جب وہ قارئین کے ہاتھوں میں پہنچا دی جاتی ہے۔ ناشر کے شوکیس سے اُڑ کر قاری تک پہنچنا ہی اس کی کامیابی ہے۔ اس عمل کے بعد اس کا صرف کردہ سرمایہ کچھ موزوں اضافے کے ساتھ واپس آ جاتا ہے اور اسے نئی کتاب شائع کرنے کا حوصلہ عطا کرتا اور اس کے آئندہ کے اشاعتی منصوبے کو تقویت دیتا ہے۔ یہ حقیقت شائع کردہ کتاب کی فروخت کی روشنی میں ہی فیصلہ کن مرحلے میں پہنچتی ہے کہ ناشر کتابوں کی فروخت کی منڈی میں کیسا جا رہا ہے''۔

ملک مقبول احمد کو اشاعتی زندگی کو نہج پر لگانے کے لئے، درویش صفت بننا پڑا ہے۔ بہت سے ناگفتہ بہہ مرحلے سے گزر کر مقبول اکیڈمی کو علمی و ادبی مستقر کا مرکز بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ابتدائی زندگی کو وہ یوں نشان زد کرتے ہیں:

''مقبول اکیڈمی'' قائم کرنے کے بعد ہی میں نے زندگی کی ایک بڑی شاہراہ پر قدم رکھ دیا تھا۔ اس شاہراہ پر چلتے چلتے بڑے کٹھن مقامات آئے۔ مجھے کئی حوصلہ شکن مراحل سے گزرنا پڑا۔ لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری، خود اعتمادی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ہر مشکل کا یقین اور حوصلے سے مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوئے اپنا

Marfat.com

سفر جاری رکھا، مقبول اکیڈمی کا قیام کسی جلد بازی کا نتیجہ نہیں تھا۔ اس کے پیچھے میرا عزم اوراس کاروبار کا گہرا مشاہدہ تھا۔ میں نے ملک میں موجود اشاعتی اداروں کا بغور جائزہ لیا تھا، ان کے طریقِ کار کو سمجھا اور بڑے غور وفکر کے بعد ایک اشاعتی ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا تو اسے کتابوں کی دنیا میں ایک معتبر اور قابلِ رشک ادارہ بنانے کے لئے ہمت کی کمر باندھ لی۔ لاہور میں اس وقت کئی نامور اشاعتی ادارے کام کر رہے تھے۔ میں ان سے خوف زدہ نہیں تھا اور نہ ہی میرا ارادہ ان سے ''مقابلہ آرائی'' کا تھا۔ ان اداروں کی کامیابی میرے لئے مثال تھی اور میں ایسی کتابوں کی اشاعت کا خواہش مند تھا، جن سے آئندہ نسلیں بھی مستفید ہوں۔''

بلند ارادے اور انتھک محنت کی وجہ سے ''مقبول بکس'' کی نت نئی شاخیں آج تخلیقیت شناس اور تعبیر و آگہی بنی ہوئی ہیں۔ کارکردگی کے عمل سے ہی تنویرِ ذات کا عمل زندہ و توانا ہے:

''اب میں عمر کے اس حصے میں ہوں جہاں میرا کام صرف اکھاڑے کے باہر چارپائی پر بیٹھ کر اپنے بچوں کو کام کرتے اور کامیابیاں حاصل کرتے ہوئے دیکھنا ہے۔ اس وقت ''مقبول بکس'' ہمارے تجارتی تشخص کا نشان بن گیا ہے چنانچہ ''مقبول بکس'' کے نام سے میرے بچوں نے مختلف جگہوں پر کام شروع کر رکھا ہے۔ ایک دکان ماڈل ٹاؤن لنک روڈ پر واقع ہے، جس کا کنٹرول میرے داماد ڈاکٹر میاں عبدالوحید کے پاس ہے۔ صدیق ٹریڈ سنٹر گلبرگ اور مین بلیوارڈ اقبال ٹاؤن میں بھی مقبول بکس کے نام سے دکانات واقع ہیں جو ڈاکٹر ارشد مقبول کے کنٹرول میں ہیں۔ وحدت روڈ پر اس نام سے ایک کافی بڑی دکان تھی جسے ڈاکٹر ظفر مقبول چلا رہا تھا، لیکن بوجوہ یہ دکان بند کر دی گئی ہے۔ یہ دکان اب ایک بنک کو کرایہ پر دے دی گئی ہے۔ دیال سنگھ مینشن مال روڈ پر مقبول اکیڈمی کے نام سے ایک اعلیٰ درجے کا شوروم قائم ہے، جس کی نگرانی ڈاکٹر ارشد

Marfat.com

مقبول کے سپرد ہے''۔

اپنے خوبصورت خیالات کی روشنی میں ملک مقبول احمد متنوع الموضاعات کی شمع جلاتے ہیں اور امید کے جگنو کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ بلکہ ناشر کی حیثیت سے فلسفہ حیات کے سارے رنگ نمایاں کرتے ہیں۔ نئی منزل کی تلاش اور نئی جہتوں کی وسعت کو پرواز عطا کرتے وقت صبر اور شکر کا دامن نہیں چھوڑتے:

''میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں صرف ایک کتب شائع کرنے، کتابیں فروخت کرنے والا محنت کش انسان ہوں۔ ادیب، شاعر یا دانشور نہیں۔ پھر بھی میں ہمیشہ ''گویم مشکل وتگویم مشکل'' کی کیفیت سے دو چار رہتا ہوں اور اپنے خالق کے حضور میں سربسجود ہو کر شکر بجا لاتا ہوں کہ اس نے میری محنت کو برکتوں سے سرفراز کیا۔''

تاریخ ادب کا زرّیں باب رقم والے ملک مقبول احمد فکری بالیدگی سے کام لیتے ہوئے صد آفریں کمندیں ڈالتے ہیں اور تجربے کی آنچ کا ادراک کرتے ہوئے مشورہ دیتے ہیں!

''میں اپنے دوستوں سے اپنی سوچوں کے تناظر میں حقیقت تک پہنچنے کے لئے بالعموم فارسی، عربی اور اُردو ادب کی کتابوں کے مطالعے کا ذکر کرتا ہوں۔ ان کو اللہ تعالیٰ سے ناطہ جوڑنے اور ماں باپ کی دعائیں لینے کا مشورہ دیتا ہوں۔ تحمل، بُردباری، راستی اور ہر کہ ومہ سے نیکی کرنے کی تاکید کے علاوہ اپنے ضمیر پر بوجھ ڈالنے سے گریز کرنے کو کہتا ہوں۔''

کتابوں کی دنیا کے گہرے سمندر میں غواصی کر کے ملک مقبول احمد سیپیاں تلاش کرتے ہیں اور نامور یا غیر معروف قلم کاروں کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کرتے ہیں۔ انفرادیت ان کی شخصیت میں شامل ہے۔ وہ کردار کے غازی ہیں۔

Marfat.com

کریکٹر دراصل شخصیت کا جزِ واعظم یا سنگِ بنیاد ہوتا ہے۔ان کی شخصیت ہر طرف جھکتی ہے، ماحول سے مطابقت پیدا کرتی ہے اور اصلی صداقت کی دریافت کرتی ہے۔ احترامِ نفس کی وجہ سے مزاج کے فیضان کی وجہ سے وہ ممتاز اور منفرد ہیں، دل کے جذباتی رشتے میں قاری کے احساسات کی تسکین شامل ہوتی ہے اور ذہنی وابستگی میں قلمکار متحرک پاتے ہیں۔

علم وعمل کی گویائی کے موجزن سمندر سے موتی نکالنے کا ہنر ملک مقبول احمد کو خوب آتا ہے۔

Marfat.com

جناب ڈاکٹر منصور احمد باجوہ

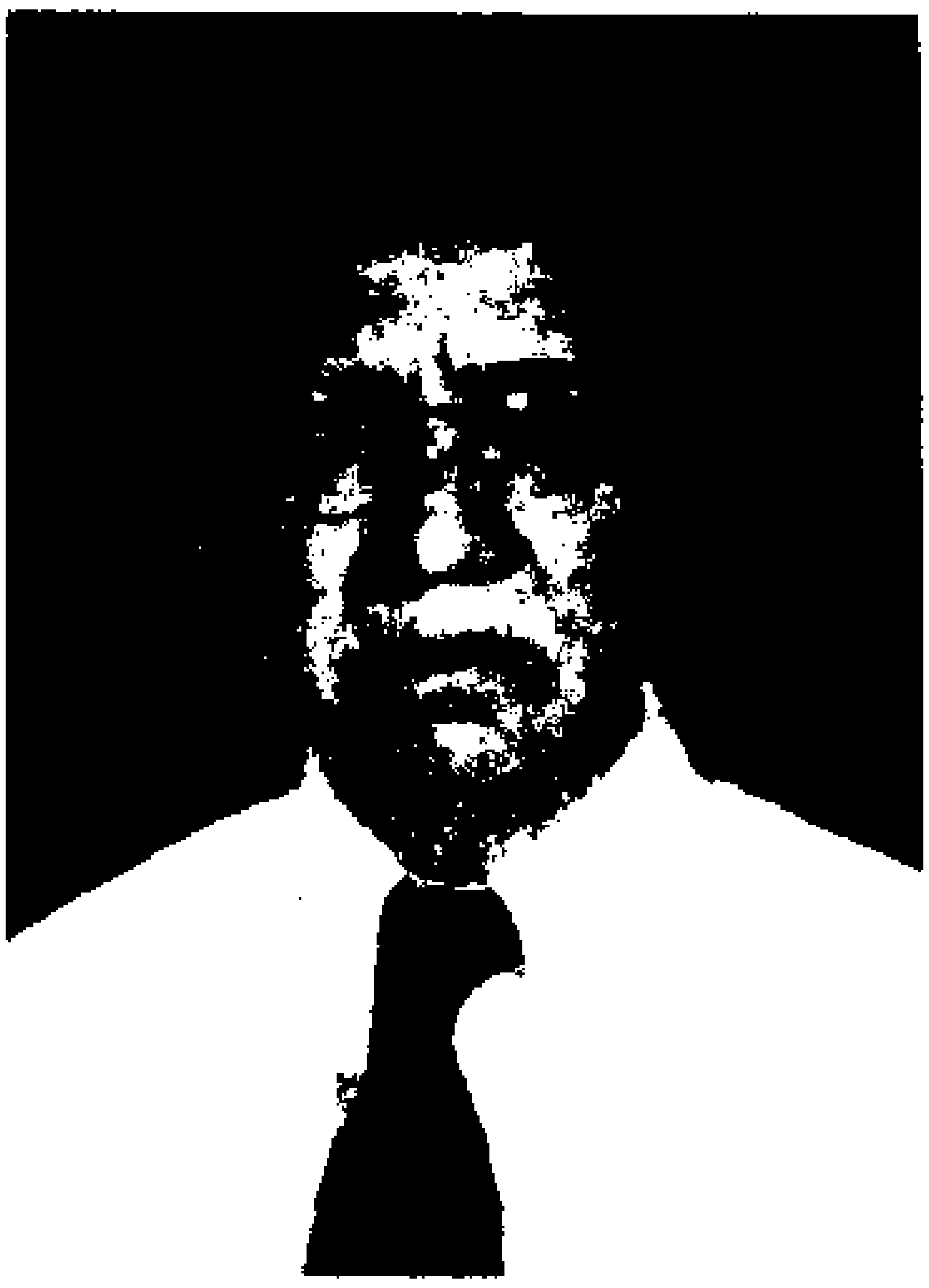

ڈاکٹر منصور احمد باجوہ طبعاً مستقیم مزاج ادیب ہیں لیکن معاشرے کی ناہمواریوں پر ناقدانہ نظر ڈالیں تو ان کی تخلیق اعلیٰ پائے کا مزاح پارہ بن جاتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مشتاق احمد یوسفی اردو ادب کے آخری مزاح نگار ہیں ۔ میں نے ڈاکٹر منصور احمد باجوہ کی کتابیں پڑھیں تو احساس ہوا کہ وہ یوسفی صاحب سے آگے کے مزاح نگار ہیں۔ اور اپنے سلسلہ مزاح کے خود بانی ہیں۔

منصور احمد باوجوہ 1947ء میں رحیم یار خان میں پیدا ہوئے۔ ایم اے انتظامیات 1969ء میں کیا۔ عملی زندگی صحافت سے کی لیکن مقابلے کا امتحان پاس کر کے افسر تعینات ہو گئے۔ ان سے ملنے والے کہتے ہیں کہ ان کی افسری میں فقر کا عنصر زیادہ ہے۔ کالم نگاری اور شاعری ان کا شوق نہیں ان کا ادبی اور اصلاحی مشن ہے۔ ایل ایل بی کی ڈگری کے حصول کے علاوہ پی ایچ ڈی بھی کر چکے ہیں۔ سیر وسیاحت میں ان کی دلچسپی فطری ہے۔ پاکستان کے کونے کونے کی سیر کر چکے ہیں۔ دوبئی اور سعودی عرب بھی ان کے مدار سفر میں شامل ہیں۔

ان کی کتابیں روپ بہروپ (2000)۔ یہ ضمیر برائے فروخت ہے۔(2003) نکتہ درازیاں (2005) اور کلام بے لگام (2007ء) شائع ہو چکی ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا تبصرہ غزل کے شعر کی طرح مرصّع اور بامعنی ہے۔ میں ان کی ''مقبول نوازی'' کا شکر گزار ہوں۔

Marfat.com

ڈاکٹر منصور احمد باجوہ

سفر جاری ہے

مجھے عام آدمی بڑے اچھے لگتے ہیں۔ ابراہم لنکن کے مطابق اللہ تعالیٰ کو بھی عام آدمی بہت پسند ہوں گے، اسی لیئے اس نے انہیں اتنی تعداد میں بنایا ہے۔ عام آدمی میں خوبو نہیں ہوتی، تصنع اور بناوٹ نہیں ہوتی، تکبر اور رعونت نہیں ہوتی، ناز اور نخرہ نہیں ہوتا۔ اگر کسی شخص میں یہ خوبیاں ہوں تو اسے عام نہیں بہت ہی خاص آدمی ہونا چاہیے۔ مگر افسوس ہم ایسے لوگوں کو تو عام لوگوں کی فہرست میں رکھ لیتے ہیں اور نک چڑھے، متکبر، بدتمیز اور بداخلاق لوگوں کو ہمیشہ خاص آدمی قرار دیتے ہیں۔ ایسے شخص سے مل کر بہت خوشی ہوتی ہے، جو اقتدار کی غلام گردشوں میں ہو، پیسے کی فراوانی ہو، خدا نے بہت حسن اور خوبیاں دی ہوں، بہت عقل اور فہم والا ہو مگر اس کے باوجود ایک عام آدمی جیسا اٹھتا، بیٹھتا، کھاتا، پیتا، ہنستا اور مسکراتا ہو۔ اس کی خوشیاں عام آدمی جیسی ہوں، اس کے غم اور دکھ عام آدمی جیسے ہوں۔

میں نے جب ملک مقبول احمد کی تصنیف ''سفر جاری ہے'' پڑھنا شروع کی تو پڑھتا چلا گیا۔ اس لیے کہ اس کے ہر صفحے، ہر سطر اور ہر لفظ میں ایک عام آدمی جھلکتا ہوا نظر آتا تھا۔ ایک عام آدمی جس نے سفر کا آغاز کیا تو اس کے پاس خلوص، محبت، نیک نیتی اور وفا شعاری کا ایسا سرمایہ تھا کہ کسی اور سرمائے کی کوئی ضرورت

Marfat.com

نہیں تھی۔ اس 'عام آدمی' کی خوبی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسے دنیاوی سرمائے سے بھی نواز دیا تو اس نے تکیہ ہمیشہ اپنے اصل سرمائے پر رکھا۔ وہ خاص آدمیوں کی فہرست میں اپنا نام درج کرا سکتا تھا۔ مگر اس نے ''عام آدمی'' رہنا ہی پسند کیا۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ ایسے ایک عام آدمی پر سارے خاص آدمی قربان کیے جا سکتے ہیں۔ افسوس ایسے 'عام آدمی' بہت کم ہیں۔

ملک مقبول احمد نام ہے ایک شخص کا، جو اپنی زندگی کے کٹھن اور دشوار لمحوں کو بھی اسی محبت سے یاد کرتا ہے جتنا آسودگی اور فراوانی کے دنوں کو، اس لیے کہ انھی کٹھن اور دشوار لمحوں کی بنیاد پر اس کی آسودگی اور فراوانی کی عمارت کھڑی ہے۔ اسے شاید اس اینٹ سے زیادہ محبت ہے، جو اس کی بنیادوں میں کہیں دفن ہے اور اب کسی کو نظر نہیں آتی، بہ نسبت کامیابی کے اس جُھومر کے جواب اس کی زندگی کی عمارت کے ماتھے پر سجا ہے۔ اسے اپنے 'بے جی' اور 'اباجی' پر بھی اتنا ہی فخر ہے، جتنا اپنی ہونہار اولاد پر۔ لوگوں کی محبت، خلوص اور وفا تو خیر اسے کبھی بھولتی ہی نہیں، وہ لوگوں کی منافقتوں اور بے وفائیوں کو بھی یاد کرتا ہے تو اس سے بھی ایک حظ اٹھاتا ہے۔

'سفر جاری ہے' میں مشہور دانشوروں، ادیبوں اور شاعروں کی زندگی کی جھلکیاں سی دکھائی دیتی ہیں۔ ان کو ہم ایک بالکل مختلف پیرائے میں دیکھتے ہیں، جہاں سوال گل و بلبل، حسن و عشق اور ہجر و وصال کا نہیں، روزی اور روٹی کا ہے۔ جہاں گلاب کے پھول سے کہیں زیادہ اہمیت گوبھی کے پھول کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات بڑی ہی معمولی سی بات پر کسی شخص کا اصل 'انسان' تصنع، بناوٹ اور وضعداری کے سارے کپڑے اتار کر باہر آ جاتا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اگر کسی انسان کا کردار دیکھنا ہو تو اسے کھانے کی میز پر دیکھیں، جب کھانا کم اور کھانے

Marfat.com

والے زیادہ ہوں؛ یا سفر میں دیکھیں جب جگہ کم اور مسافر زیادہ ہوں، سائلوں میں دیکھیں جب چیز ایک اور مانگنے والے زیادہ ہوں؛ اس وقت دیکھیں جب اُصول پرستی میں نقصان اور بے اصولی میں فائدہ ہو اور اگر ان سارے جھمیلوں سے بچنا ہو تو صرف قرض دے کر یا قرض لے کر دیکھ لیں، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ آپ حیران ہوں گے کہ اکثر و بیشتر حالات میں صرف پانی ہی پانی نظر آئے گا اور دودھ کے بارے میں آپ کو پتا چلے گا کہ وہ تو محض نظر کا ایک دھوکا تھا۔

'سفر جاری ہے' سے جہاں پبلشر اور کُتب فروش بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں، وہاں ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کے سیکھنے کے لیے بھی بہت کچھ ہے۔ آخر زندگی صرف اچھا شعر کہنے یا اچھا افسانہ لکھنے کا نام ہی تو نہیں ہے۔ اچھا انسان بن کر دکھانے کا نام بھی تو ہے اور ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ صرف اچھا انسان ہی اچھا شاعر، اچھا ادیب، اچھا تاجر، اچھا افسر، اچھا حاکم اور اچھا مصنّف ہو سکتا ہے:

گر یہ نہیں تو بابا باقی کہانیاں ہیں

Marfat.com

جناب منوّر عثمانی

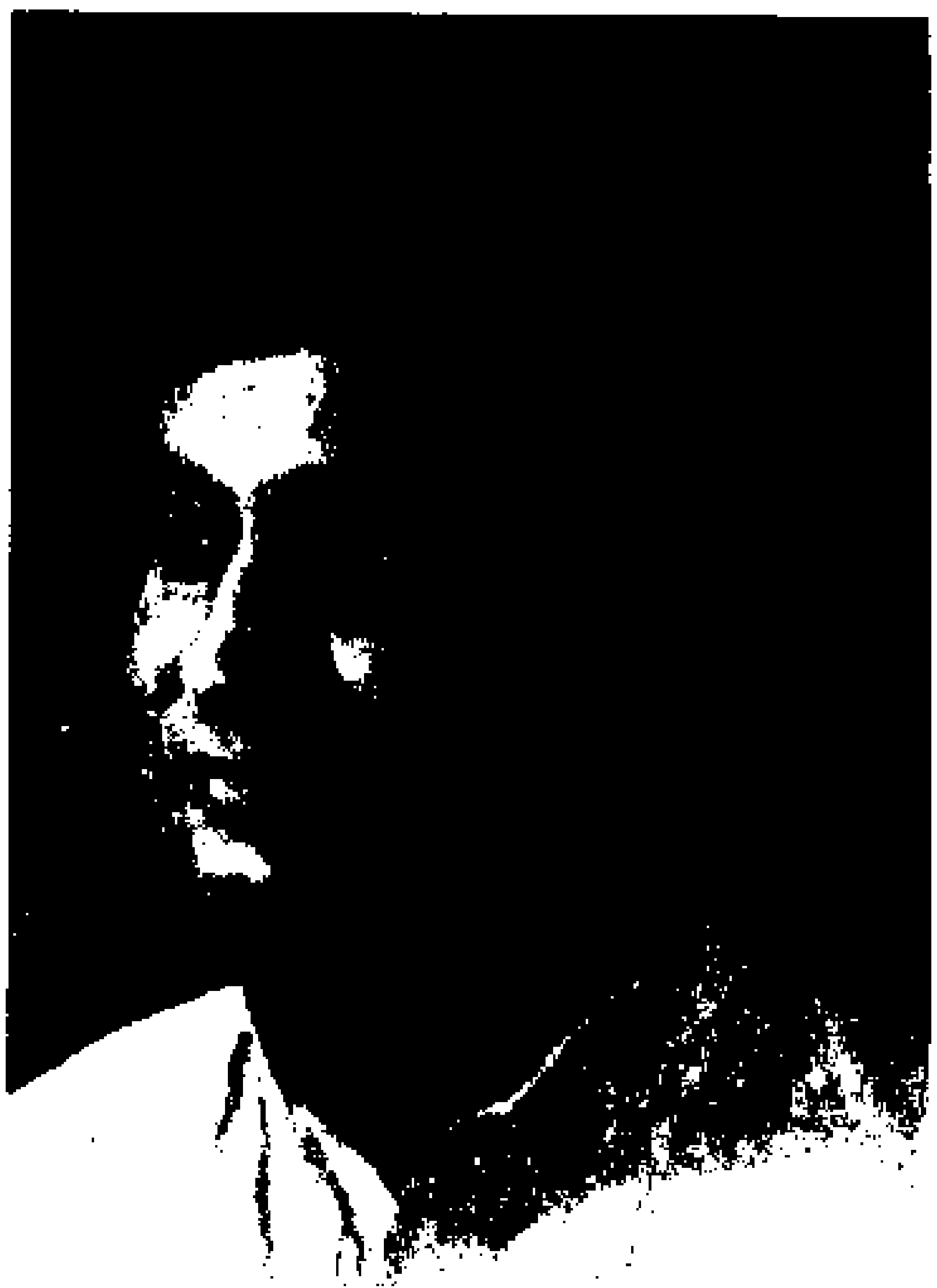

منوّر عثمانی اردو پڑھاتے ہیں، اردو لکھتے ہیں اور اردو میں سوچتے ہیں لیکن جب بولتے ہیں تو سرائیکی کا رس گھولتے ہیں۔

وہ 3 دسمبر 1965ء کو بہاول پور میں پیدا ہوئے۔ ان کا پورا نام منور مقبول عثمانی ہے۔ بہاول پور سے ایم اے کرنے کے بعد محکمہ تعلیم میں لیکچرار مقرر ہو گئے اور ان کی تعیناتی لاہور کے ایک نواحی قصبے کے کالج میں ہوگئی۔

اس دوران وہ رسالہ ''اوراق'' میں انشائیے لکھنے لگے تھے۔ شام کے وقت لاہور آجاتے تو ادیبوں کی محفلوں میں بھی حاضری دیتے۔ ان کا محبوب مصنف رشید احمد صدیقی ہے لیکن اظہار کی صنف انشائیہ ہے۔ انہوں نے مختلف انشائیہ نگاروں کے ہاں سیر وسفر کے بارے میں پروان چڑھنے والے خیالات کا مطالعہ کیا اور ایک کتاب ''سفر راستہ بناتا ہے'' لکھی۔ رشید احمد صدیقی کی شگفتہ نگاری کا مطالعہ کیا تو کتاب ''رشید احمد صدیقی کے انشائی تیور'' لکھی۔ یہ دونوں کتابیں ادبی حلقے میں بہت پسند کی گئیں۔ منوّر عثمانی انشائیہ کے اس تصور کو فروغ دے رہے ہیں جو ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر انور سدید اور پروفیسر جمیل آذر نے متعارف کرایا ہے۔ منوّر عثمانی اقبال اوپن یونیورسٹی کے ساتھ ایم فل کے طالب علم کی حیثیت میں وابستہ ہیں اور ان دنوں لاہور کے ایک اشاعتی ادارے پر تحقیقی مقالہ لکھ رہے ہیں۔ اب ان کا مستقل قیام لاہور میں ہے اور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ پر اردو کی تعلیم دیتے ہیں۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کا تبصرہ ادبی نوعیت کا ہے۔

Marfat.com

منور عثمانی

''سفر جاری ہے''

کتاب لکھنے والا تو اپنی کہانی سناتا ہی ہے، کتاب چھاپنے والا اپنی کہانی سنائے تو بالکل ایک نئی جہت اور مختلف زاویے کا ادب سامنے آتا ہے۔ ''سفر جاری ہے'' ایک ناشر کی زندگی کا سفر نامہ اور ایک مختلف جہت کا منظر نامہ ہے۔

''سفر جاری ہے'' کے مصنف معروف اشاعتی ادارے مقبول اکیڈمی، لاہور کے بانی ملک مقبول احمد ہیں، یہ اُردو کے کسی ناشر کی دوسری خودنوشت ہے، پہلی فیروز سنز کے مولوی فیروزالدین کی ''جہادِ زندگی'' تھی۔

''سفر جاری ہے'' کے مصنف نے کئی سال قبل اپنے ایک انٹرویو (مطبوعہ: ماہنامہ کتاب، دسمبر 1985) میں کہا تھا کہ

> ''میں نے اشاعتِ کتب کو ایک باوقار پیشہ محسوس کیا ہے، میں نے روحانی، علمی اور مالی اعتبار سے اس سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔۔۔۔میرے خیال میں کوئی بھی پاکستانی اس پیشے کو اپنا کر اپنی محنت اور جانفشانی کی بدولت نہ صرف ملک وقوم اور علم وادب کی خدمت کرسکتا ہے بلکہ اپنے بچوں کے لئے عزت کی روزی بھی کما سکتا ہے۔'' (ص ۱۷)

Marfat.com

ملک مقبول احمد کے اس انٹرویو میں اپنے پیشے سے عقیدت مندانہ وابستگی، اس سے ہمہ جہتی یافت پر فخر، مشقت سے بھری زندگی پر احساسِ اطمینان اور کتب و اشاعتِ کتب کی جانب اہلِ وطن کی توجہ مبذول کرانے کا جذبہ موجود تھا، یہی احساسات 2007ء میں زیادہ پختگی اور وارفتگی کے ساتھ ان کی آپ بیتی میں وضاحت پاتے ہیں۔

''سفر جاری ہے'' سفر سے زیادہ ہمتِ سفر کی کہانی ہے۔ زادِ سفر کے بغیر شروع ہونے والے اس سفر کی بنیادی خوبی اس کا جاری و ساری رہنا ہے کہ سفر جاری رہنے میں ہی سفر اور مسافر کی بقا ہے۔

اس خودنوشت کی انفرادیت یہ ہے کہ مصنف کی عبارت و اشارت میں کہیں بھی اپنے غیر معمولی ہونے کا اظہار، اعتراف یا اعلان نہیں ہے بلکہ فقط اپنے معمولات، مسائل اور مصائب کو بالکل ایک عام شخص کی طرح موضوع بنایا گیا ہے۔ خودنوشتوں کی عمومی روش سے ہٹ کر...... شکوہ دبے لفظوں میں اور تشکر واشگاف الفاظ میں ہے، کامیابیوں کی گنتی نہیں فقط ذکر ہے، ناکامیوں کا ماتم نہیں بلکہ اُن کا تجزیہ ہے۔ ''معاصر'' معاشرتی عیوب پر تبصرہ ''بر سبیل تذکرہ'' ہے لیکن عیب داروں کے اسمائے گرامی کے اندراج سے اجتناب ہے۔

اگر کتاب میں شامل احباب کے خطوط، مضامین، تبصروں اور تعارفی تذکروں سے صرفِ نظر کر لیا جائے تو کتاب اپنی مذکورہ بالا خوبیوں کے باعث اُردو کے خودنوشتی ادب میں سب کی نظر میں ایک اہم اضافہ قرار پائے گی۔

علمی و ادبی مشاہیر کی خودنوشتیں کچھ اور ہوتی ہیں۔ اور علمی مشاہر سے تعلق خاطر رکھنے والے کی خودنوشت (ظاہر ہے) کچھ اور ہو گی اس میں مشاہیر کے لیے محبت ہے لیکن مشاہیر کی مانند اپنی بات کو قولِ زریں اور اپنے نقطہ نظر کو قول فیصل بنا کر پیش

Marfat.com

کرنے کا رویہ نہیں ہے۔

مصنف کو اپنے ''عام'' ہونے کے احساس نے کسی کمتری، شہرت و کامرانی کے حصول اور نابغہ روزگار اشخاص سے روابط نے کسی برتری میں مبتلا نہیں کیا لہٰذا وہ سیدھے سادے اور پُر تپاک انداز سے قارئین کو اپنے تجربے میں شریک کرتے ہیں اور دوسروں سے حاصل ہونے والی دانش کا اعتراف و اظہار کر کے اُسے بڑی فراخ دلی سے بانٹ دیتے ہیں۔

خودنوشت کا اُسلوب، مصنف کی شخصیت کا عکاس ہے، مصنف کی شخصیت میں موجود انکسار، مروت، صدق اور خلوص اُسلوب کی تعمیر کے بنیادی عناصر ہیں، ان میں سب سے اہم عنصر دوستانہ طرزِ اظہار ہے، دوستانہ اظہار میں عالمانہ طمطراق، شاعرانہ بندوبست اور فلسفیانہ موشگافی نہیں ہوتی، البتہ الفاظ کے چناؤ اور بیان کے قرینے میں ایک تجارت پیشہ شخص کی جزرسی کفایت شعاری اور احتیاط پسندی موجود ہے۔

''سفر جاری ہے'' بظاہر ایک ''غیر ادیب'' کا تخلیقی اثاثہ ہے، ہر زندہ تخلیق کی طرح اس میں ایک بھری پُری زندگی اپنی تجسیم سے اپنا اثبات کرنے میں کامیاب رہی ہے۔

Marfat.com

جناب ناصر نقوی

ناصر نقوی بنیادی طور پر سیاستدان ہیں۔ دیال سنگھ کالج میں پڑھتے تھے تو سٹوڈنٹس یونین کے انتخابات میں آزاد امیدوار کی حیثیت میں حصہ لیا اور بڑی بڑی سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کو شکست دی۔ سیاست کا شوق جاری رکھتے تو وزارت اطلاعات کا قلمدان ان کے پاس ہوتا لیکن انہوں نے صحافت کو ترجیح دی۔ اور حق وصداقت کا پرچم بلند کیا۔ اپنے معاصرین صحافیوں کے حقوق کی حفاظت کی۔

ناصر نقوی کا خاندانی نام ساجد علی نقوی ہے جوان کے والد صاحب واجد علی نقوی کے نام کا ہم قافیہ ہے۔ 27 دسمبر 1953ء کو لاہور میں پیدا ہوئے اور بی اے کرنے سے پہلے ہی ''مشرق'' کے چیف ایگزیکٹو اقبال زبیری نے انہیں ٹرسٹ کے اخبار میں ملازمت پر فائز کر دیا چنانچہ 1979ء سے صحافت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ چار مرتبہ بھاری اکثریت سے ''مشرق ایمپلائز یونین'' کے صدر منتخب ہوئے۔ نیشنل پریس ٹرسٹ کے اخبارات پاکستان ٹائمز، امروز، مشرق، اور مارننگ نیوز کا بحران پیدا ہوا تو جائنٹ ایکشن کمیٹی این پی ٹی کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت میں ملازمین کو ''گولڈن شیک ہینڈ'' کی صورت میں لاکھوں روپے کے واجبات دلائے۔

پانچواں ویج بورڈ ایوارڈ دلانے میں ان کی خدمات بے مثال ہیں۔ لاہور میں خوبصورت پریس کلب بنوایا اور اس کے بانی صدر کا اعزاز حاصل کیا۔ ٹیلی ویژن کے متعدد ڈراموں کے مصنف ہیں۔ معلومات عامہ کی 15 کتابیں لکھ چکے ہیں۔ ''بہاولپور چالیس کوس دور'' نامی سیاسی کتاب تصنیف کر چکے ہیں۔

مقبول اکیڈمی کو ان کی متعدد کتابیں چھاپنے کا اعزاز حاصل ہے۔ ان دنوں اے ٹی وی کے بیورو چیف ہیں۔

ناصر نقوی صاحب نے میری کتاب ''سفر جاری ہے'' کو زندگی کی علامت قرار دیا ہے۔ یہ ان کے حسنِ نظر کا کرشمہ ہے۔

Marfat.com

ناصر نقوی

زندگی کی علامت

''سفر جاری ہے'' اسے جاری ہی رہنا چاہیئے کیونکہ ''سفر زندگی کی علامت ہے۔ اس کتاب نے زندگی کے تجربات و مشاہدات اور حسین یادوں کے جھروکوں میں ''کتاب دوست'' حلقے کو ایک ایسا قلم کار متعارف کرایا، جس کا لفظ لفظ سچا بھی ہے اور مروت سے لبریز بھی، اس کارنامے پر میں ناشر ملک مقبول احمد اور ان کے پوتے پوتیوں اور نواسیوں کو مبارک باد کے ساتھ صحت وتندرستی کی دعا دیتا ہوں تاکہ مستقبل میں بھی ایسے کارنامے منظر عام پر آتے رہیں۔

عام طور پر قلم کاروں کو ناشر سے ''گلے شکوے'' ہوا کرتے ہیں لیکن ملک مقبول ایک ''سکہ بند'' ناشر کی حیثیت سے قلم کاروں کی چالاکی، چرب زبانی سے واقفیت کے باوجود اس قدر صبر وتحمل اور برداشت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ جو کچھ کہنا بھی چاہتے ہیں اس پر بھی مروّت و مصلحت میں مٹی ڈال دیتے ہیں۔ یہ جذبہ ہر کسی میں کہاں؟ انداز قابل قدر ضرور ہے لیکن اگر ''اوپن پالیسی'' میں چند قلم کاروں کو بے نقاب کر ہی دیتے تو شائد چند ناشران کی اذیت وعذاب سے بچ جاتے ـــــ بس یہی ''ملک مقبول'' کتاب میں جگہ جگہ انسان اور انسانیت سے پیار کرتا نظر آتا ہے۔

وہ بنیادی طور پر استاد ہیں۔ زندگی کی اونچ نیچ اور کھٹے میٹھے تجربات نے انہیں ''بڑے استاد'' کا درجہ دے دیا ہے یعنی ''بڑے استاد ہیں یہ'' سفر جاری ہے میں غور طلب پہلو بھی یہی ہے کہ اگر دلجمعی سے اس کا مطالعہ کیا جائے تو ان کی یہ

Marfat.com

خاصیت خاصی نمایاں دیکھنے کو ملے گی۔ بہت سے راز اُگلتے اُگلتے کمال مہارت سے چھپا جاتے ہیں۔

اُسلوب بیاں نہایت سادہ اور عام فہم ہے، جو کچھ سمجھانا نہیں بھی چاہتے، وہ بھی سمجھ آجاتی ہے۔ کتاب ضخیم ہونے کے باوجود بعض جگہ حالات وواقعات میں داستان گوئی نہ ہوتے ہوئے بھی تشنگی محسوس ہوتی ہے۔ بچپن، جوانی اور عملی زندگی کی جدو جہد کو انتہائی ذمہ داری سے خوبصورت پیرائے میں ضبطِ تحریر میں لایا گیا ہے۔ جس کا مطلب مجھے یہ سمجھ آیا کہ قلم کاروں کی صحبت میں ایک معروف ومقبول ناشر برسوں ایک لکھاری تربیت کے اسرار و رموز کا سبق پڑھتا رہا ہے۔ تب ہی تو تحریر و بیان میں ایسی پختگی موجود ہے، جو ایک کامیاب ''قلم کار'' میں ہوا کرتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی زبان و بیان کا ادبی اتار چڑھاؤ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہر لحاظ سے باذوق افراد کی فہرست میں نمایاں ہیں تو غلط نہیں ہوگا۔ انہوں نے متعدد جگہوں پر اپنی کم علمی کا بھی ذکر کیا لیکن اسے روگ نہ جانا۔ جب ہی تو ''سفر جاری ہے''

455 صفحات پر مبنی ''سفر جاری ہے'' میں جہاں تجربات ومشاہدات ہیں وہاں ایک حصے میں ممتاز رائٹرز کے خطوط بھی موجود ہیں، جو انہیں نئی نسل سے متعارف کرانے کا ایک خوبصورت بہانہ ہے۔ کتاب ٹائٹل سے آخری صفحے تک اپنی منفرد حیثیت برقرار رکھتی ہے۔ یقیناً یہ کتاب کئی اعتبار سے ''دنیائے ادب'' میں بھی اپنی مثال آپ بنے گی کیونکہ مہنگائی اور کتاب دوستوں کے فقدان کے اس دور میں ایک اچھی، سچی اور کھری کتاب کی اشاعت غنیمت نہیں، کارنامہ ہے۔

خدائے بزرگ و برتر سے دعا ہے کہ وہ ملک مقبول احمد کو صحت وتندرستی سے نوازے ــــ تاکہ ان کے محبت بھرے ''سائبان تلے'' قلم کار پھلتے پھولتے رہیں۔

ہفت روزہ سائبان لاہور

16 تا 31 اگست 2007ء

Marfat.com

جناب پروفیسر نذیر احمد تشنہ

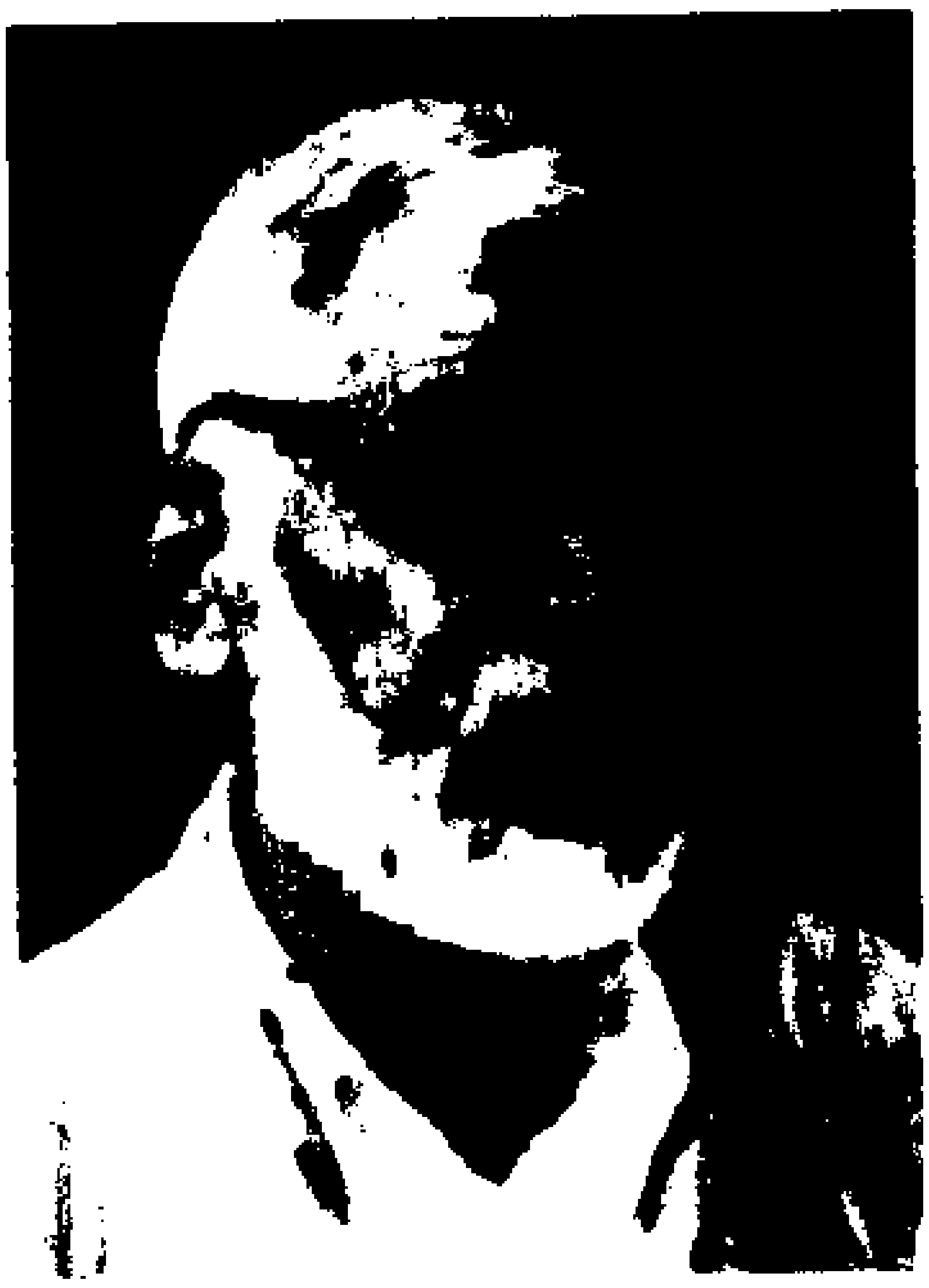

پروفیسر نذیر احمد تشنہ بنیادی طور پر تاریخ دان ہیں اور انہوں نے تاریخ کی کتابیں لکھ کر ہی شہرت حاصل کی ہے۔15 نومبر 1944ء کو نوشہرہ (بھمبر) میں پیدا ہوئے۔ایم اے، ایم اوایل اور ایم ایڈ تک تعلیم حاصل کی اور امتحانات اعزاز سے پاس کیے۔ ان کی زندگی کی اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے علم کی تشنگی ہمیشہ محسوس کی اور اس کو سیراب کرنے کے لیے کتابیں پڑھتے گئے۔ امتحانات دیتے گئے اور کامیابیاں حاصل کرتے گئے۔انہوں نے ملازمت کے دوران عالمِ اردو، فاضل اردو سے لے کر ایم اے اردو اور ایم اے تاریخ کے امتحانات پنجاب یونیورسٹی سے کیے۔ایم فل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے اور پی ایچ ڈی جام شورو یونیورسٹی سے کی۔1999ء میں اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدے سے پنشن حاصل کر لی۔

جناب نذیر احمد تشنہ 1975ء سے درس و تدریس سے وابستہ ہیں۔اس کے ساتھ ہی انہوں نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔اب تک ان کی 20 سے زیادہ کتابیں چھپ چکی ہیں۔چند نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) مینارِ پاکستان ۔(۲) تحریکاتِ پاکستان ۔(۳) تاریخ پاکستان ۔(۴) فلسفہ تاریخ ۔ (۵) سلاطین دہلی ۔(۶) جدید دنیائے اسلام ۔(۷) تاریخ کشمیر ۔(۸) تحریکات اردو ۔(۹) علم نفسیات ۔(۱۰) محمد رسول اللہ ۔(۱۱) فلسفہ تعلیم اور مطالعہ کشمیر وغیرہ۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کے تبصرے میں ''آپ بیتی'' کی ادبی تاریخ بھی سما گئی ہے جو طلباء کے لیے مطالعے کی خاص چیز ہے۔ان کا مکتوب خلوص کا مظہر ہے۔

Marfat.com

پروفیسر ایم نذیر احمد تشنہ

ایم۔اے(اردو تاریخ)ایم۔ایڈ

ایم۔او۔ایل،ایم فل

12 اگست 2007ء

جناب ملک صاحب

السلام علیکم!

خیریت کا طالب بخیریت ہے۔''سفر جاری ہے'' پر اپنے خیالات قلم بند کر کے بھیج رہا ہوں۔میں نے تحریر صاف اور واضح لکھنے کی کوشش کی ہے۔امید ہے ٹائپ اور بعد ازاں درستی کرنے میں آسانی رہے گی۔

کتاب کے مطالعے کے دوران میں حیرانی ہوئی کہ پہلی کتاب میں اتنی فصاحت،سلاست،روانی اور سادگی! حالاں کہ مشاہدے میں آیا ہے کہ کسی بھی مصنف کی تیسری،چوتھی کتاب میں جا کر قلم کی گرفت مضبوط ہوتی ہے اور وہ سلیس،سادہ اور موثر عبارت لکھنے پر قادر ہوتا ہے۔

''سفر جاری ہے'' تحریر میں یکسانیت،اظہار خیال پر قدرت اور حالات و واقعات کے بیان و سادگی اور سچا سفر قاری کو کتاب کا مطالعہ جاری رکھنے پر مجبور کرتی ہے۔ میں نے کتاب سے حوالے دینے سے گریز کیا ہے،اگر ایسا کرتا تو مقالہ طویل ہو جاتا۔ بہت سے لوگ جب ایک ہی کتاب پر اظہار رائے کر رہے ہوں تو انداز مختلف ہونا یقینی ہے۔عین ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ انداز بھی اختیار کر لے۔

''سفر جاری ہے'' پر لکھے گئے مقالات یقیناً قیمتی ہوں گے اور ان کو کتابی شکل دینے میں آپ کا چالیس سالہ تجربہ بھی ایک خوب صورت کتاب کو وجود بخشنے میں کام آئے گا۔میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ کاوش ''آپ بیتی'' پر حوالہ جاتی کتاب ہوگی جسے تا دیر اردو ادب میں یاد رکھا جائے گا۔

دعاؤں کا طالب

پروفیسر ایم نذیر احمد تشنہ

Marfat.com

پروفیسر نذیر احمد تشنہ

سفر جاری ہے

اُردو ادب کی تاریخ کے مطالعے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اُردو میں خود نوشت سوانح عمری یا آپ بیتی دیگر اصنافِ نثر کے مقابلے میں دورِ جدید کی پیداوار ہے۔ اس کے ابتدائی نقوش تذکروں، توزکوں، دیوانوں، روزناموں، تقریظوں، دیباچوں، تاریخوں، سفرناموں، ملفوظات اور مکتوبات وغیرہ میں ملتے ہیں۔ تاہم ایک مکمل صنف کے طور، اس کی ابتدا اُردو میں بیسویں صدی کے آغاز میں ہوئی۔

آپ بیتی کے ذخیرے کو دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اُردو ادب میں دو طرح کی آپ بیتیاں لکھی گئی ہیں۔ کسی علمی ادبی فن پارے میں مُصنّف نے اپنے حالاتِ زندگی مختصر طور پر قلم بند کردیے یا کسی نے اپنی مہم جوئی، اہم خدمت یا کارنامے کی تفصیل مرتب کردی، یہ جزوی آپ بیتیاں کہلاتی ہیں۔ جبکہ مکمل آپ بیتی ہم اُسے کہہ سکتے ہیں جو مُصنّف نے اپنی زندگی کے تمام حالات و واقعات بے کم و کاست ایک خاص تسلسل کے ساتھ بیان کیے ہوں اور یہ مُصنّف کی شعوری کوشش کا نتیجہ ہو۔

خودنوشت سوانح عمری میں خود کو خود کا ناقد بننا ہوتا ہے۔ ہر کوئی اپنی ذات سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ محبت اندھی ہوتی ہے۔ اس لیے کور بینی سے حقیقت کا ترجمان بننا مشکل ہو جاتا ہے۔ نرگسیت سے دامن بچا کر اور بصارت سے نہیں بل کہ بصیرت سے اپنے آپ کا سچائی خلوص اور بے باکی سے جائزہ لینا ہوتا ہے۔ اس جائزے

Marfat.com

میں ماحول، روایات اور اقدار بھی سدِ راہ بنتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کم ہی مُصنّف اپنے نفس کا محاسبہ کر کے بیتے دنوں کی داستان کو آپ بیتی کی شکل دینے میں پوری طرح کامیاب ہوتے ہیں۔ اچھا قلم کار اپنی آپ بیتی میں اپنی زندگی کی روداد دیانت داری اور بے باکی سے بیان کر دیتا ہے اور اپنے حالات کی توجیہات سے دامن بچاتا ہے تاکہ قاری نتائج اخذ کرنے میں آزاد رہے۔

آپ بیتی کے فنی اصولوں اور اُسلوبیاتی پہلوؤں پر سر سید رضا علی نے اپنی آپ بیتی ''اعمال نامہ'' میں یوں اظہار خیال کیا ہے۔ ان کے خیال میں ہر آپ بیتی جگ بیتی کے تحت ہی وجود میں آتی ہے۔ ہر فرد اپنے دور کے سیاسی، سماجی اور ادبی ماحول کا پروردہ ہوتا ہے لیکن جگ بیتی کو آپ بیتی پر غالب نہیں ہونے دینا چاہیے تاکہ قاری یہ محسوس کرتا رہے کہ حقیقت میں وہ آپ بیتی ہی پڑھ رہا ہے۔

آپ بیتیوں کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ عُقدہ کُھلتا ہے کہ اُردو زبان میں لکھی جانے والی سب سے پہلی آپ بیتی مولانا محمد جعفر تھانیسری کی ''کالا پانی'' ہے۔ کالا پانی عنوان ہی بتاتا ہے کہ مولانا جعفر تھانیسری نے اپنی سرگزشت میں کالے پانی کی جلاوطنی کے دوران میں پیش آنے والے حالات کو ہی ورطہ تحریر میں لائے ہیں۔ اس عہد کی دوسری اہم آپ بیتی ظہیر دہلوی کی ''داستانِ غدر'' ہے ظہیر دہلوی نے اپنی زندگی کے اہم حالات کے ساتھ غدر کے واقعات تفصیل سے لکھے ہیں۔ انگریز لاٹھی کے زور پر 1857ء کی جنگ کو غدر منواتا رہا لیکن بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہی اہل ہند نے اسے جنگ آزادی قرار دے کر تحریکِ آزادی کا آغاز کر دیا۔ داستانِ غدر اور کالا پانی دونوں آپ بیتیاں جزوی آپ بیتی کے ذیل میں آتی ہیں۔

اُردو ادب میں باقاعدہ پہلی خود نوشت سوانح عمری خواجہ حسن نظامی کی ''آپ بیتی'' ہے۔ اس کے مرتب کرنے میں پس پردہ مُصنّف کی شعوری کوشش کارفرما

Marfat.com

ہے۔ مُصنّف نے پیدائش، بچپن، تعلیم و تربیت، جوانی، شادی اور پیشے سے متعلق بہت سی معلومات اپنی ''آپ بیتی'' میں دی ہیں۔ اس میں ناصحانہ اور مبلغانہ رنگ غالب ہے تاہم حقیقت نگاری اس آپ بیتی کا خاص وصف ہے۔ کیوں کہ یہ پہلی باقاعدہ خودنوشت سوانح عمری ہے۔ اس لیے بعض ناقد جس طرح مولوی نذیر احمد کو پہلا باقاعدہ ناول نگار ماننے کے لیے تیار نہیں، اسی طرح خواجہ صاحب کی آپ بیتی کو پہلی مکمل آپ بیتی ماننے کو بھی تیار نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ''کہنے کو تو خواجہ حسن نظامی نے ''آپ بیتی'' لکھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ زندگی کے چند واقعات کے سہارے اپنی زندگی کا ''خاکہ'' مرتب کر گئے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی ''انڈیا ونز فریڈم'' جگ بیتی آپ بیتی پر غالب آ گئی ہے ''تذکرہ'' کے چند صفحات خودنوشت سوانح عمری سے ان کی عادات و اطوار اور سیرت و کردار کا اندازہ بخوبی نہیں ہوتا۔ ''نیرنگیٔ بخت یعنی میری اپنی کہانی'' وزیر سلطان جالندھری نے اپنی زندگی کے ربع صدی کے واقعات بڑی عمدہ ترتیب اور شگفتہ اندازِ بیاں میں تحریر کیے ہیں۔ اُردو میں کسی خاتون کے قلم سے لکھی گئی یہ پہلی آپ بیتی ہے۔ اس لیے یہ خاصے کی چیز ہے۔ تاہم یہ خودنوشت سوانح عمری بیگم صاحب کی پوری زندگی کا احاطہ نہیں کرتی۔

''میرا افسانہ'' افضل حق چودھری کی دو حصوں پر مشتمل سرگزشت ہے۔ اس میں اُنہوں نے بڑی کامیابی سے مدرسہ و ملازمت، تحریکِ آزادی، احرار کی جدوجہد اور اپنے فکر و عمل کی وضاحت کی ہے۔ شورش کاشمیری صحافت، ادب اور شاعری میں ایک منفرد نام ہے۔ ان کے دور کی اہم تحریک ختم نبوت کی تھی۔ اس سلسلے میں شورش کئی بار جیل گئے اور زنداں میں پیش آمدہ حالات کو ''پس دیوارِ زنداں'' میں بیان کیا ہے۔ یہ مُصنّف کی زندگی کا مکمل احاطہ نہیں کرتی، اس لیے اِسے بھی جزوی آپ بیتی کہہ سکتے ہیں۔

حدیثِ خودی، جگر بریلوی کی آپ بیتی ہے۔ آپ بیتی کا پہلا حصہ سوانحی

Marfat.com

حالات اور دوسرا شاعری سے متعلق ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز میں والد کی سخت گیری اور بیٹے کی جواں مرگی نے انہیں قنوطی بنا دیا تاہم اس پس منظر اور ان محرکات نے شاعری میں سوز و گداز کی کیفیت کو ہوا دی۔ عبداللطیف بجنوری کی سرگزشت ''لطیف کی کہانی'' سیاسی زندگی کے پس منظر میں جنگ آزادی کے حالات و واقعات تحریر کیے گئے ہیں۔

''یادیں''، رحم علی الہاشمی کی صحافتی زندگی اور اس میں آنے والی مشکلات کی روداد ہے۔

حکیم احمد شجاع کی آپ بیتی ''خون بہا'' ان کی پچاس سالہ زندگی کا مرقع ہے، جس میں انہوں نے اپنے عزیز و اقارب کے کئی خاکے بڑی حکمت سے پیش کیے ہیں اور اپنی کم زوریوں اور شرارتوں کو بھی بڑی سادگی سے بیان کیا ہے۔ شوکت تھانوی کی آپ بیتی ''ما بدولت'' شوکت تھانوی کی مزاح نگاری کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ ما بدولت کے ہاتھ خدانخواستہ قلم نہ ہوتا اور علم ہوتا، تو نہ جانیں کتنے کو رُلاتے۔ خوب ہوا جو قضائے قدرت سے قلم ان کے ہاتھ آیا اور روتے آئے اور ہنستے ان کی بارگاہ سے گئے۔ شوکت تھانوی نے محمد عمر سے ما بدولت بننے تک یعنی قطرے کو گہر ہونے تک کے تمام واقعات بڑے دل چسپ انداز میں سپردِ قلم کیے ہیں۔

مولانا حسین احمد مدنی کی خودنوشت ''نقشِ حیات'' خاندانی پس منظر، بچپن سے شباب تک اور انگریز کی آمد سے ان کے اقتدار کے خاتمے تک کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ دیوان سنگھ مفتوں کی ''نا قابل فراموش'' آپ بیتی واقعی نا قابل فراموش حقیقت ہے۔ مُصنّف نے آپ بیتی میں سنگھ ہونے کا ثبوت دیا ہے اور بڑی جرأت اور دیدہ دلیری سے اپنی زندگی کے حقائق سے پردہ اٹھایا ہے۔ عبدالمجید سالک کی ''سرگزشت'' مُصنّف کے ذاتی حالات کی تفصیلات کے ساتھ اس عہد کی چالیس سالہ علمی، سیاسی اور سماجی حالات کی حقیقی تصویر بھی ہے۔ یوں جگ بیتی آپ بیتی پر حاوی ہوگئی ہے۔

آغا حشر کشمیری کی آپ بیتی ''سحر ہونے تک'' اُردو میں ایک دل چسپ اور بے

Marfat.com

باک سوانح عمری ہے۔ مُصنّف نے بڑی دیانت داری سے اپنی زندگی کے اوراق الٹے ہیں۔ رشید احمد صدیقی کی آپ بیتی ''آشفتہ بیانی میری'' باضابطہ آپ بیتی نہیں بل کہ اپنی ہی زندگی کے چند خاکے بڑی شگفتگی سے تحریر کیے ہیں۔ ''میری دنیا'' ڈاکٹر اعجاز حسین کا اعجاز ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی خودنوشت میں تصورات، خیالات، رجحانات اور تاثرات کی دنیا کو ''میری دنیا'' میں سمونے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

''یادوں کی دنیا'' یوسف حسین خان کی کامیاب آپ بیتی ہے۔ بقول ان کے یہاں تک ہو سکا واقعات کو بے کم وکاست بیان کرنے کی کوشش کی ہے، نہ کسی کو اچھالنا مقصود اور نہ کسی کو خواہ مخواہ گرانا۔ اپنی ذاتی کوتاہوں کو بھی نمایاں کر دیا ہے۔ ''یادوں کی دنیا'' یوسف حسین خان نے آباد کی ہے تو ''یادوں کی برات'' اُردو کے مشہور شاعر شبیر حسین خان جوش ملیح آبادی نے سجائی ہے۔ ''ہوش آتے ہی اچھی تصویریں میری نگاہوں کو اپنی طرف کھینچنے لگی تھیں'' ہوش میں جس کی یہ کیفیت ہو تو جوش میں وہ ''یادوں کی برات'' کیوں نہ بنے۔ جوش بننے تک ڈیڑھ درجن یادوں کی ایسی باراتیں سجیں کہ ''یادوں کی برات'' میں آٹھ کی روداد لکھ بیٹھے۔ جوش کی نثر شاعری کی طرح رنگین ہے، بعض جگہ جذبات نگاری، منظر نگاری اور واقعہ نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔

عابد علی کی ''مزدور سے منسٹر'' خودنوشت سوانح عمری ہے۔ یہ ایک ایسے شخص کی داستانِ حیات ہے، جس نے اپنی دنیا محنت، خلوص، ایثار اور لگن سے آباد کی ہے۔ عوامی رہنما کی عوامی زبان میں لکھی گئی ایک دل چسپ آپ بیتی ہے۔ مولانا حسرت موہانی کی ''قیدِ فرنگ'' بھی ایک مجاہد لیڈر کی داستانِ حیات ہے۔ تسلسل، سادگی اور روانی کے اعتبار سے ایک عمدہ آپ بیتی ہے۔ نقی محمد خان کی ''عمرِ رفتہ'' عبدالرزاق کانپوری کی ''یادِ ایام'' اور ہمایوں مرزا کی ''میری کہانی میری زبانی'' منفرد انداز کی آپ بیتیاں ہیں۔

Marfat.com

ادبی اور علمی حلقوں میں خواجہ غلام السیدین کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا ہے۔

''مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں'' ان کی خودنوشت سوانح عمری ہے۔ خواجہ صاحب اپنی زندگی کے چالیس سال کی بات ہی کہہ پائے تھے کہ ''میں ہی سو گیا تھا کچھ کہتے کہتے'' وہ ہمیشہ کے لیے نہ سو جاتے تو آپ بیتی وہ مکمل کرتے۔ بقیہ کی ناگفتنی کو ان کی ہمشیر صالحہ عابد حسین نے ''ذکرِ جمیل'' کے عنوان سے مکمل کیا ہے۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے کے لیے ناگزیر ہو گئے ہیں۔ خواجہ صاحب بہت بڑے انسان تھے۔ انکساری، خلوص اور محبت کا پیکر تھے، یہی اوصاف خواجہ مرحوم کی آپ بیتی کی جان ہیں۔

کلیم الدین احمد ادبی دنیا کا جانا پہچانا نام ہے۔ وہ بھی ''اپنی تلاش میں'' نکلے۔ آپ بیتی کے پہلے تین ابواب میں قاری کی شمولیت اور مشغولیت قابلِ دیدنی رہتی ہے لیکن مُصنّف اپنی تلاش میں جب بہت دور نکل جاتے ہیں تو تنقید و تبصرہ کے اگلے ابواب قاری کو تھک ہار کر بیٹھ جانے اور کنی کترانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے شہر بانو کی ''آپ بیتی'' کو اُردو کی اوّلین خودنوشت قرار دیتے ہوئے اِسے جنوبی ایشیاء کے نسائی ادب اور بالخصوص اردو کے نسائی ادب میں ایک اضافہ قرار دیا ہے۔ موصوف پتمبر سنگھ کی خودنوشت، منشی رجب علی ارسطو جاہ کی خودنوشت سوانح کے علاوہ دو اور خودنوشت سوانح ملاّ طیب علی بھائی میاں کی ''بقلمِ خود'' اور پادری عماد الدین کی ''واقعاتِ عمادیہ'' جنگ آزادی سے قبل اور بعد لکھی جانے والی آپ بیتیوں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

احسان دانش نے بھی ''جہانِ دانش'' آباد کیا۔ مزدوری کے کٹھن لمحات میں بھی ان کی فطری شگفتگی اور احساسِ جمال زندہ رہا۔ انہوں نے اپنی محنت مشقت سے جہانِ دانش آباد کیا اور اپنے ذاتی حالات کو برملا بیان کیا۔ اس برجستگی نے جہانِ دانش کو دل چسپ بنا دیا ہے۔

Marfat.com

عبدالماجد دریا آبادی کی ''آپ بیتی'' خودنوشت سوانح عمریوں میں ایک نادر اضافہ ہے۔ مولانا ایک صاحبِ طرز ادیب تھے۔ انہوں نے اپنے ''بچپن کی شرارتوں'' شباب کی پُر کیف یادوں، اور ڈھلتی عمر کی لطیف کیفیات، کو آپ بیتی کا روپ دیا ہے۔

علی پور کا ایلی ''ممتاز مفتی'' کی خودنوشت سوانح عمری ہے، جو افسانوی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ مُصنّف نے والد کا خوب خاکہ اڑایا ہے اور نامہ اعمال پیش ہونے سے قبل ہی قاری کے ہاتھ میں تھما دیا ہے۔ حقیقت نگاری، بے باکی اور حسن و عشق کی چاشنی نے اسے لافانی بنا دیا ہے۔ علی پور کا ایلی پڑھ کر یادوں کی برات کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

''مٹی کا دیا'' ایک ادیب کی آپ بیتی ہے، جو اسم بامسمیٰ میرزا ادیب ہے۔ ''مٹی کا دیا'' میرزا ادیب کی زندگی کی حقیقت کا استعارہ ہے۔ مٹی کے دیے میں میرزا ادیب نے ایسا روغن ڈالا ہے کہ اس کی جینا پاشی اُردو ادب میں ہمیشہ قائم رہے گی۔''

قدرت اللہ شہاب ایک عہد ساز شخصیت تھے۔ ان کی بے باکی، حُسنِ تحریر اور زورِ قلم کا شاہکار ''شہاب نامہ'' ہے۔ مُصنّف نے آپ بیتی کے ساتھ جگ بیتی بھی بڑے دل کش پیرائے میں بیان کی ہے۔ کئی دیگر اہلِ قلم ''خافی خان'' کی طرح یادداشتیں سمیٹتے رہے اور ملازمت سے سبک دوش ہو کر خودنوشت سوانح عمریاں ترتیب دیں۔ ان کی فہرست طویل ہے۔ تاہم غلام احمد پنڈت کی ''کشمیر آزادی کی دہلیز پر'' پروفیسر محمد یوسف چودھری کی ''نقش بر آب'' اور پروفیسر محمد اکرم طاہر کی ''دعا کر چلے'' قابلِ ذکر ہیں۔

حکم رانوں اور سیاست دانوں نے بھی اپنی خودنوشت سوانح حیات لکھ کر اپنے وجود کا احساس دلایا ہے۔ چودھری محمد علی وزیراعظم پاکستان نے 1946ء تا 1948ء کے دور کے واقعات چشم دید گواہ کے طور پر پیش کیے، جن کا اُردو ترجمہ ''ظہورِ پاکستان'' کے نام سے موجود ہے۔ سردار محمد ابراہیم خان صدرِ آزاد کشمیر نے ''متاعِ زندگی'' لکھی۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے ''فرینڈز ناٹ ماسٹر'' جس کا اردو ترجمہ ''جس رزق سے آتی

Marfat.com

ہو پرواز میں کوتاہی'' ہے، جنرل محمد اکبر خان نے ''ریڈرز ان کشمیر'' بریگیڈیئر صدیق سالک نے ''میں نے ڈھاکا ڈوبتے دیکھا'' لکھی۔ ڈھاکا ڈبونے والا جنرل نیازی بھی ایک عرصے تک چہرے کی سیاہی قلم کی روشنائی سے دھونے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ ''مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی زمین جنرل محمد ایوب خان نے تیار کی، فصل جنرل یحییٰ خان نے بوئی اور جنرل نیازی نے کاٹی اور پاکستان دولخت ہو گیا۔''

بچے کھچے پاکستان کی قیادت مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے سنبھالی۔ جنرل محمد ضیاالحق تاک میں تھا کہ کوئی غلطی کرے اور وہ اس کا ٹیٹوا دبا لے۔ انتخابات ہوئے، تحریک چلی، مذاکرات ہوئے مولانا کوثر نیازی ''اور لائن کٹ گئی'' بعد میں جنرل موصوف نے زیرک سیاست دان کی زندگی کی شہ رگ ہی کاٹ دی۔ مسز بےنظیر وزیرِ اعظم پاکستان نے ''ڈاٹر آف ایسٹ'' لکھی جس کا اُردو ترجمہ ''دخترِ مشرق'' کے نام سے منظرِ عام پر آیا۔ جنرل پرویز مشرف صدر پاکستان نے ''ان دی لائن آف فائر'' لکھی جس کا اُردو ترجمہ ''سب سے پہلے پاکستان'' طبع ہوا۔ جنرل تجمل حسین ملک نے ''سٹوری آف مائی سٹرگل'' اور جنرل موسیٰ خان نے ''مائی ورژن'' اور دیگر کئی جرنیلوں نے انگریزی میں اپنی خودنوشت سوانح عمریاں لکھیں۔ ان کو اُردو ادب کی آپ بیتیوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا، ان کے انگریزی ایڈیشن اور اُردو ایڈیشن کے نام بھی متضاد ہیں اور پیغامات بھی جدا ہیں۔ البتہ جنرل اکبر رنگروٹ کی آپ بیتی ''میری آخری منزل'' اردو ادب کو ''اُردو میں گفٹ'' ہے۔

سید مخدوم جاوید ہاشمی نے ''ہاں میں باغی ہوں'' لکھ کر اُردو ادب کو ''تحفہ ملتان'' دیا ہے۔ شیخ رشید کی ''فرزندِ پاکستان اور چودھری محمد یوسف کی ''کاروانِ یوسف'' بھی آپ بیتیوں میں حسین اضافہ ہے۔ میں نے آپ بیتیوں کے ذخیرے میں سے ''مشتے از خروارے'' چند نام گنوائے ہیں، مکمل فہرست کوئی محقق مرتب کرے گا۔

میرے ذخیرہ کتب میں دو کتابیں سر سبد گل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں سے

Marfat.com

ایک ''کشمیری مسافر'' چودھری عبداللطیف کی آپ بیتی ہے۔اس کشمیری مسافر نے کشمیر سے نکل کر دنیا دیکھی ہے اور پھر کشمیر ''گورسیاں، میرپور'' پلٹ آیا ہے۔دوسری کتاب ملک مقبول احمد کی آپ بیتی ''سفر جاری ہے'' اللہ کرے! یہ سفر ربع صدی مزید جاری رہے۔ ملک مقبول احمد، مقبول اکیڈمی کے مالک ہیں۔

اس سفر میں ہزاروں کتب ان کی اکیڈمی سے زیورِ طباعت سے آراستہ و پیراستہ ہو کر لائبریریوں کی زینت بنیں۔راقم کی ''مطالعہ کشمیر'' بھی مقبول اکیڈمی سے طبع ہو کر منظرِ عام پر آئی۔

ملک مقبول احمد صاحب کو درجنوں ادیبوں، شاعروں اور سکالروں سے واسطہ پڑا۔ان کی مردم شناسی کا اندازہ ''سفر جاری ہے'' میں دیے گئے ادیبوں اور سکالروں کے انتخاب اور مقبول اکیڈمی سے ان کی طبع ہونے والی کتب کی فہرست سے بخوبی ہو جاتا ہے۔رہی بات فنِ طباعت میں ان کی چابک دستی کی تو ان کی آپ بیتی ''سفر جاری ہے'' کو دیکھ کر پہلی نظر میں ہی نظر آ جاتی ہے۔میں یہ بات بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ کسی پبلشر کی اتنے خوب انداز میں منظرِ عام پر آنے والی یہ پہلی آپ بیتی ہے۔

ملک مقبول احمد صاحب کی آپ بیتی کے منظرِ عام پر آنے سے قبل میں یہ سمجھتا تھا کہ پبلشرز حضرات صرف طباعت کے میدان میں کامیاب ہوتے ہیں لیکن اب پتا چلا کہ وہ تدوینِ کتب کے جملہ شعبوں میں ہرفن مولا ہوتے ہیں۔اگر کوئی پبلشر کوئی مسودہ ایک نظر ڈال کر لوٹا دے تو سمجھ لیجئے کہ مسودے میں کوئی تشنگی باقی ہے۔

''سفر جاری ہے'' کی ترتیبِ مضامین سے پہلے روسو کے اپنے اعتراف، امجد علی بھٹی کی ''اعترافات'' پر نظر پڑتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ہر فطرت، فطرتِ اصلیہ کی شاہ کار ہے۔تاہم جہانِ آب وگِل میں کچھ حقیر، ذلیل اور بے ہودہ حرکتیں بھی ہو جاتی ہیں۔''میں نے ہر بات جو قابلِ تعریف یا قابلِ اعتراض تھی پوری آزادی

Marfat.com

اور سچائی سے بیان کی ہے۔'' یہ اقتباس دو باتوں کی طرح اشارہ کرتا ہے کہ مُصنف نے مشرقی آپ بیتیوں کے ساتھ مغربی خودنوشت سوانح عمریوں کا مطالعہ بھی کیا ہے اور مُصنّف اپنی زندگی کے قابلِ تعریف واقعات کے ساتھ اپنی کمزوریوں کو بھی قلم بند کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ کتاب پڑھنے کے بعد یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ مُصنّف قابلِ تعریف اور قابلِ اعتراض باتوں کو پوری آزادی اور سچائی کے ساتھ ورطہ تحریر میں لانے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ بدیں وجہ ڈاکٹر صفدر محمود نے اسے ''ایک ادبی داستاں'' قرار دیا تو علی سفیان آفاقی نے اِسے ''ایک دل چسپ خودنوشت'' تسلیم کیا۔ ڈاکٹر طارق عزیز نے اِسے ''سادگی و پرکاری'' جانا تو اے حمید نے اسے ''ایک رومان پرور ادیب'' مانا۔ ابوالامتیاز ع س مسلم نے ''ایک مقبول بارگاہ شخصیت'' ٹھہرایا تو قاضی ذوالفقار احمد نے اِسے ''ادب کی شمع فروزاں'' سے تعبیر کیا۔ طارق اسماعیل ساگر نے مقبول اکیڈمی کی ایک معتبر ادارے کی مستند آپ بیتی کہا اور سچ کہا۔

آپ بیتی ''سفر جاری ہے'' میں بچپن سے جوانی تک، ازدواجی زندگی سے ازدواجی زندگی تک کے واقعات بڑی سادگی و پرکاری سے بیان کیے گئے ہیں۔ لاہور میں آمد اور کاروبار میں دیانت داری، خلوص اور ارادوں کی بلندی سے بلند و بالا مقام حاصل کرنے تک کے حالات و واقعات کو پوری سچائی سے احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے، یہ دوسرے ناشرین کے لیے مشعل راہ ہے۔

ناشر اور مُصنّفین کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ بعض مُصنّفین سمجھتے ہیں کہ ناشر اس کی کتابوں کی اشاعت سے لاکھوں میں کھیلنے لگا ہے اور بعض ناشرین کا خیال ہوتا ہے کہ مُصنّف ان کی دین سے جی رہا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ دونوں ہاتھ ہی ایک دوسرے کو دھوتے ہیں۔ میں ناشرین سے ایک گزارش ضرور کروں گا کہ جن مُصنّفین کا ادب اوڑھنا بچھونا ہے اور واحد ذریعہ معاش ہے، ان کی حوصلہ افزائی ان کی توقع سے بڑھ کر ہوتی رہے

Marfat.com

تاکہ ان کا ''سفر جاری ہے''

ملک صاحب کی کوشش رہی ہے کہ نام اور ادیبوں کو مقبول اکیڈمی میں کھینچ لایا جائے۔ ''پروانے کو شمع کس طرح اپنی طرف کھینچتی ہے۔ یہ شمع ہی جانتی ہے۔ ''مقبول اکیڈمی'' نے بڑے بڑے ادیبوں کی کاوشوں کو خوب صورت کاغذی پیرہن دیا ہے۔ مقبول اکیڈمی کی مطبوعہ کتب پر تبصرے اور کالم کا ''سفر جاری ہے'' میں جواب دیا گیا ہے، وہ اس حقیقت کی بخوبی ترجمانی کرتا ہے۔

ملک صاحب نے چند ادیبوں کے خطوط کا بھی ایک باب ''سفر جاری ہے'' میں دیا ہے۔ اس میں مشاہیر نے مقبول اکیڈمی اور ملک مقبول احمد صاحب کی خدمات کے بارے میں بڑی معقول رائے کا اظہار کیا ہے۔ غرض کہ ''سفر جاری ہے'' کے آئینہ خانے میں پیدائش، بچپن، جوانی، شادی اور پیشے کے سلسلے میں جدو جہد کے متعلق بہت سی معلومات ایک تسلسل کے ساتھ نظر آتی ہیں۔ یوں اِسے ایک مکمل خودنوشت سوانح عمری کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ بلا شبہ اسے فنِ خودنوشت سوانح عمریوں میں ایک حسین اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

جناب ڈاکٹر وحید قریشی

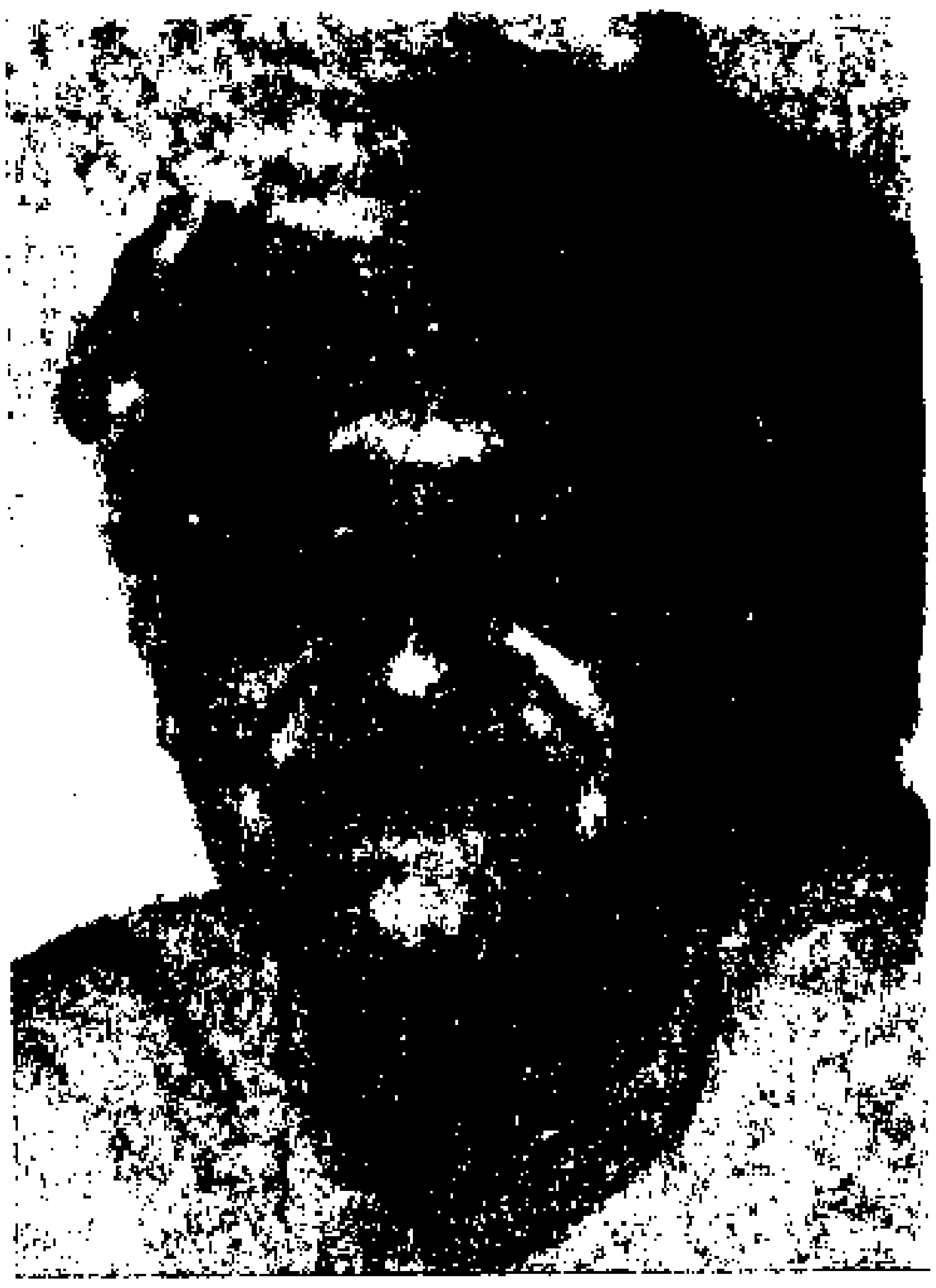

ڈاکٹر وحید قریشی جن کا آبائی وطن گوجرانوالہ ہے، 14 فروری 1925 کو پیدا ہوئے، ڈاکٹر وحید قریشی اردو ادب کی فعال ترین شخصیت کا نام ہے۔ ہزاروں طالب علموں کو اب تک ادب کی تعلیم سے فیضیاب کر چکے ہیں اور ابھی تک سرگرم عمل ہیں۔ انہوں نے بی اے آنرز (1944) اور ایم اے (1946) کے امتحانات پنجاب یونیورسٹی سے فارسی زبان و ادب میں کیے۔ بعد میں انہوں نے تاریخ کے مضمون میں ایم اے کی ڈگری 1950ء میں حاصل کی۔ ''فارسی میں انشائی ادب کا تحقیقی مطالعہ'' کے موضوع پر انگریزی میں مقالہ لکھ کر 1952ء میں پی ایچ ڈی کی اور 1965ء میں ''میر حسن اور ان کا زمانہ'' کے موضوع پر ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اسلامیہ کالج گوجرانوالہ اور اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور میں تدریس کی خدمات انجام دینے کے بعد اورینٹل کالج لاہور سے پرنسپل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

پنجاب یونیورسٹی سے ریٹائرمنٹ کے بعد انہیں مقتدرہ قومی زبان کا صدر نشین مقرر کیا گیا۔ انہوں نے ''بزم اقبال'' لاہور اور ''اقبال اکیڈمی پاکستان'' کے سربراہ کی خدمات بھی انجام دیں۔ ڈاکٹر صاحب ان دنوں قائداعظم لائبریری کے رسالہ ''مخزن'' کی اعزازی ادارت کے فرائض ادا کر رہے ہیں اور مغربی پاکستان اردو اکیڈمی کے ناظم اعلیٰ ہیں۔

ڈاکٹر وحید قریشی کے تحقیقی و تنقیدی و تالیفی کارناموں میں شبلی کی حیات معاشقہ، مطالعہ حالی، میر حسن اور ان کا زمانہ، دربارِ ملی، اردو کا بہترین انشائی ادب، کلاسیکی ادب کا تحقیقی مطالعہ، نقدِ جان، ارمغانِ لاہور، 1966ء کے بہترین مقالات، تنقیدی مطالعے اور متعدد دیگر کتابیں شامل ہیں۔ مقبول اکیڈمی کے لیے یہ بات افتخار کا باعث ہے کہ اسے ڈاکٹر وحید قریشی کی سرپرستی، معاونت اور راہنمائی حاصل ہے۔

ڈاکٹر وحید قریشی کا ''سفر جاری ہے'' پر تبصرہ رسالہ مخزن میں شائع ہوا ہے۔

Marfat.com

ڈاکٹر وحید قریشی

ملک مقبول احمد کی آپ بیتی ''سفر جاری ہے''

ہر شخص کی زندگی ایک حقیقت ہوتی ہے لیکن جب اس کے اپنے قلم سے لکھے ہوئے اس کے حالاتِ حیات پڑھیں تو اس میں ایک سچے افسانے کے عناصر بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب ''سفر جاری ہے'' ایک ایسی ہی خودنوشت سوانح عمری ہے، جس میں اُردو کتابوں کے ایک مشہور ناشر ملک مقبول احمد نے اپنی زندگی کو خود منکشف کیا ہے۔ مُصنف کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے غربت کی گود میں آنکھ کھولنے اور کم تعلیم یافتہ ہونے کا اعتراف کُھلے دل سے کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ انہیں پڑھنے لکھنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ اور ان کی راہنمائی بھی کسی نے نہ کی کہ وہ زندگی سنوار لیتے۔ مدرسے کی تعلیم کے دوران وہ کھیل کود میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے اور سکول سے بھاگ جاتے تھے۔ لیکن جب عملی زندگی میں آئے تو نہ صرف کتاب ان کی دوست بن گئی بلکہ انہیں ملک کے نامور ادیبوں سے ملاقاتیں کرنے کا موقع بھی ملا۔

انہوں نے زندگی کے بے شمار مدوجزر دیکھے، مشکلات نے ان کا راستہ روکنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن انہوں نے حوصلہ نہ ہارا اور توکل صرف خدا پر کیا۔ آخر زندگی ان پر مہربان ہوگئی۔ رسالہ ''چودھویں صدی'' کا ناکام ایڈیٹر ''مقبول اکیڈمی'' کا کامیاب ناشر بن گیا۔ اس کتاب کی کہانی ایک ایسے عام آدمی

Marfat.com

کی کہانی ہے، جس نے کم سرمائے سے کاروبار شروع کیا لیکن جو دیانت اور امانت کے اصولوں پر عمل کرتا رہا اور ادیبوں کی تخلیقات کو کتابی صورت میں پیش کر کے خلقِ خدا کو علم کی طرف راغب کرتا رہا۔ اس کتاب میں ملک مقبول احمد ایک ایسے ناشر کی صورت میں سامنے آتے ہیں، جو ادب تخلیق کرنے والوں کی خدمت کو اپنی زندگی کا اوّلین مقصد قرار دیتا ہے۔ انہوں نے اس ادارے سے تمدّنی، دینی، ادبی، سیاسی اور تہذیبی ہر قسم کی کتابیں شائع کی ہیں اور خوبی کی بات یہ کہ انہوں نے ادیبوں کی عزتِ نفس کو ہمیشہ قائم رکھا ہے، ان سے اپنی نسبتیں مضبوط سے مضبوط تر بنائی ہیں اور ادیبوں سے ملنے اور ان سے کتابیں حاصل کرنے کے لیے ان کے گھر پر حاضر ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صفدر محمود، میرزا ادیب، انور سدید اور غلام الثقلین نقوی سب ان کی تعریف کرتے ہیں۔

اس کتاب کی سادگی متاثر کرتی ہے۔ اہم بات یہ کہ انہوں نے اپنی ''جیون کتھا'' لکھتے ہوئے اپنی اشاعتی زندگی کو بے نقاب کر دیا ہے۔ مختلف نامور ادیبوں کے چھوٹے چھوٹے خاکے، ان کی تصویریں کتاب میں شامل کرنے کے علاوہ اپنے ادارے سے چھپنے والی چند مشہور کتابوں کے تبصرے بھی شامل کیے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب محض آپ بیتی نہیں رہی بلکہ اس میں جگ بیتی اور کتاب کی کہانی بھی شامل ہوگئی ہے۔ اور ملک مقبول احمد ایک ناشر سے مُصنّف بھی بن گئے ہیں۔ میں ادبی برادری میں ان کی آمد کا خیر مقدم کرتا ہوں اور اس کتاب کی اشاعت پر انہیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

رسالہ ''مخزن'' قائداعظم لائبریری ادبی مجلّہ نمبر 13

Marfat.com

جناب ڈاکٹر وزیر آغا

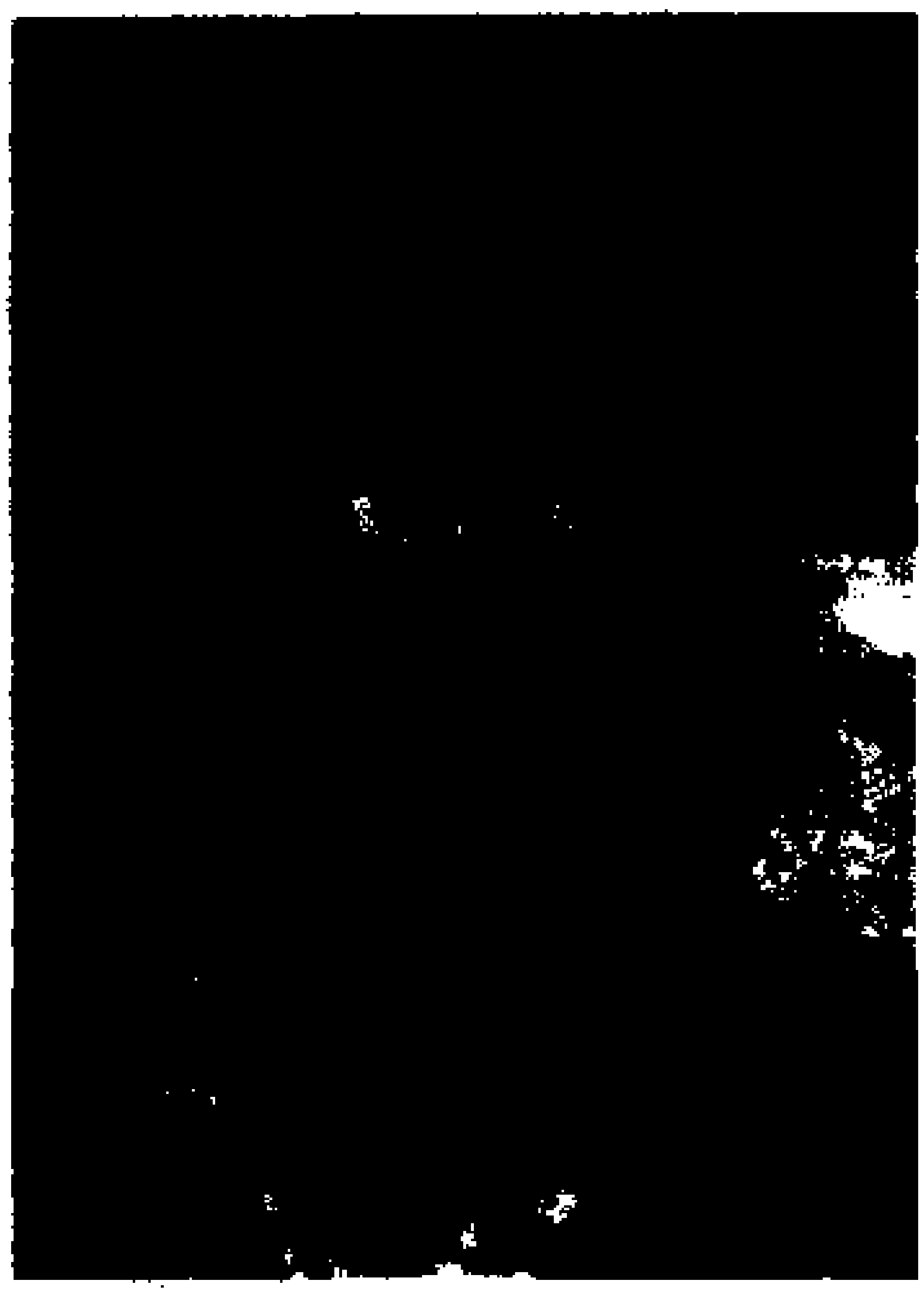

ڈاکٹر وزیر آغا اردو کے واحد مصنف ہیں جن کی شاعری اور تنقید کا سکہ پوری اردو دنیا میں چلتا ہے۔ اور جن کے نظریات سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ وزیر آغا 17 مئی 1918ء کو سرگودھا کے ایک نواحی دیہات وزیر کوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سرگودھا میں حاصل کی۔ انٹر جھنگ سے اور ایم اے گورنمنٹ کالج لاہور سے اقتصادیات کے مضمون میں کیا۔ ''اردو ادب میں طنز و مزاح'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

ادب کا فطری ذوق انہیں اپنے والد وسعت رخ سے ملا جو اپنے دور میں ایک صاحبِ نظر شخصیت تھے۔ وزیر آغا نے کالج کے زمانے میں ہی ادب تخلیق کرنا شروع کر دیا تھا۔ ابتدا شاعری سے کی مولانا صلاح الدین احمد نے ان کو نثر نگاری اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے جدید انشائیے لکھے اور اس صنف کے بانی شمار ہوئے، ادب کے وسیع مطالعے نے ان کو تنقید لکھنے پر مائل کیا۔ رسالہ ''ادبی دنیا'' کے پانچویں دور میں مولانا صلاح الدین احمد کے مدیر معاون بن گئے ان کی وفات کے بعد رسالہ ''اوراق'' جاری کیا جو اب مولانا صلاح الدین احمد کی یادگار کے طور پر چھپتا ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا بنیادی طور پر کاشتکار ہیں لیکن ان کے ذوق کی صنف ادب ہے۔ ان کی تنقید کی جہت جدیدیت کی طرف مائل ہے اور وہ نظریاتی نقاد شمار ہوتے ہیں۔ انہیں سویڈن میں نوبیل ایوارڈ کمیٹی میں لیکچر دینے کا اعزاز حاصل ہو چکا ہے۔ ان کی مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔ نظم جدید کی کروٹیں۔ ''اردو شاعری کا مزاج''۔ تصوراتِ عشق و خرد اقبال کی نظر میں، اردو ادب میں طنز و مزاح۔ ان کی جدید شاعری کے علاوہ انشائیوں کا کلیات بھی چھپ چکا ہے۔

کتابوں کی مجموعی تعداد چالیس کے لگ بھگ ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے ''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ'' میں انہیں ایک دبستان ادب کا بانی قرار دیا ہے۔

''سفر جاری ہے'' پر ان کی رائے میرے لیے قیمتی انعام ہے۔

Marfat.com

وزیر آغا

''سفر جاری ہے''

ملک مقبول احمد ایک مشہور ناشر ہیں۔ اُنہوں نے کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ پچھلی کئی دہائیوں سے جاری رکھا ہوا ہے۔ ان کی اِس کارکردگی کا اعتراف کئی مقتدر اور معروف شخصیتوں نے کیا ہے، جو ان کے لیے ایک بہت بڑا انعام ہے۔ ملک مقبول احمد ایک سیلف میڈ انسان ہیں۔

انہوں نے نامساعد حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے اور قسمت نے ان کا پورا ساتھ دے کر، انہیں نشر و اشاعت کے میدان میں ایک اعلیٰ مقام عطا کر دیا ہے۔ اب انہوں نے آپ بیتی لکھ کر، اہلِ نظر کے سامنے، اپنی زندگی کی کہانی پیش کر دی ہے اور فیصلہ زمانے کی تیز نگاہی پر چھوڑ دیا ہے۔ وہ پاکستان کے غالباً پہلے ناشر ہیں جنہوں نے اپنی آپ بیتی سپردِ قلم کی ہے۔ آپ بیتی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک وہ، جس میں اپنی کہانی بیان کرنے والا، دراصل زمانے کی کہانی پیش کرتا ہے۔ دوسری وہ، جس میں وہ زمانے کے حوالے سے اپنے اندر ہونے والی تبدیلیوں کے ارتقائی عمل کو منکشف کرتا ہے۔ ملک مقبول احمد نے مقدم الذکر طریق اختیار کر کے نشر و اشاعت کی دنیا کو اپنا موضوع بنایا ہے، جو ان کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اور جس کی غلام گردشوں میں پھرتے ہوئے، انہیں انوکھے تجربات سے گزرنا پڑا ہے۔ ملک صاحب نے اِن تجربات کو معروضی انداز میں بیان کیا ہے اور ایک ناشر کے صحیح منصب کو ہمہ وقت اپنے سامنے رکھا ہے۔ قارئین اِس کتاب کے مطالعے سے نشر و اشاعت کے بازار کی جملہ کروٹوں سے بخوبی آگاہ ہو سکتے ہیں۔

Marfat.com

ہفت روزہ اخبار جہاں

اسرار زیدی

لاہور کی ادبی سرگرمیاں

اس ہفتے ''لاہور رائٹرز کلب'' کے ملک مقبول احمد کی تازہ خودنوشت سوانح ''سفر جاری ہے'' کی تقریب پذیرائی کا اہتمام کیا، جس کی صدارت کے فرائض پروفیسر اشفاق رشید نے انجام دیے۔ راقم الحروف کے علاوہ ڈاکٹر یونس جاوید، پروفیسر امجد طفیل اور شاہد بخاری نے کتاب اور صاحب کتاب کے حوالے سے تاثراتی مضامین پڑھے۔ شدید گرمی اور لوڈ شیڈنگ کے باوجود درجنوں اہل قلم اور دانشور تقریب میں موجود تھے۔

نظامت کے فرائض ادا کرتے ہوئے روبیہ جیلانی نے کہا کہ ''سفر جاری ہے'' کسی پیشہ ور ادیب کی تصنیف نہیں بلکہ ایک ایسے ممتاز ناشر کی خودنوشت سوانح ہے جو ایک ایسے اشاعتی ادارے کا سربراہ ہے جس کے زیر اہتمام درجنوں نہیں بلکہ سینکڑوں مُصنّفوں کی تصانیف پورے اعزاز کے ساتھ شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میرے ذاتی علم کے مطابق ''سفر جاری ہے'' پہلی خودنوشت سوانح ہی نہیں بلکہ کسی ناشر کی ایسی تصنیف ہے جو ایک ادبی دستاویز کے حوالے سے بھی نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ میرا تعلق بنیادی طور پر انگریزی زبان کے ادب، شاعری اور صحافت سے ہے تاہم اردو کے علاوہ بعض دوسری زبانوں کی شدبد بھی رکھتی ہوں۔ ''سفر جاری ہے'' زیر مطالعہ آئی تو اس کے

Marfat.com

مُصنّف ملک مقبول احمد صاحب کے اسلوب بیان، سادگی، حقیقت پسندی اور راست گوئی نے بہت متاثر کیا۔

شاہد بخاری (ایڈووکیٹ) نے اپنا مضمون ان مختصر اقتباسات تک محدود رکھا جو کتاب کے ابتدائی صفحات میں بعض نامور اہل قلم کے تاثرات پر مشتمل ہے۔ ان کے مطابق ڈاکٹر صفدر محمود کا کہنا تھا کہ میں تو ملک صاحب کو ایک شریف النفس انسان اور ایک ممتاز اشاعتی ادارے کا مالک ہی سمجھتا تھا لیکن ''سفر جاری ہے'' کے مطالعے سے پتہ چلا کہ کتابیں ان کے اندر بستی ہیں، یہ کتاب بلاشبہ ان کی زندگی کے سفر کی کہانی ہے۔علی سفیان آفاقی نے کہا کہ ''سفر جاری ہے'' ایک دلچسپ خودنوشت ہے جس میں جا بجا مُصنّف کے گہرے مشاہدے اور مطالعے کے ثبوت واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید کہتے ہیں مقبول صاحب کی سوانح عمری میں میری دلچسپی یہ تھی کہ وہ بحیثیت ناشر ادیبوں کے بارے میں اپنے تجربات کا اظہار کس طرح سے کرتے ہیں، اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں شروع سے آخر تک زیب داستاں سے کام نہیں لیا گیا۔ اے حمید کہتے ہیں کہ میں ملک صاحب کی ادبی اور زیادہ تر رومانوی افتادِ طبع کو دیکھتے ہوئے یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ ان کے اندر ایک رومان پرور ادیب چھپا ہوا ہے جس کو ملک صاحب تو ظاہر نہیں کرتے لیکن ان کے حالات سے پوری طرح ظاہر ہو رہا ہے۔

شاہد بخاری نے کہا کہ ''سفر جاری ہے'' کے مطالعے کے دوران مذکورہ اقتباسات کی روشنی میں بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ ان زعماء سے آگے بڑھ کر اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ میرے نزدیک تو یہ ایک ایسی تصنیف ہے جسے بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

ڈاکٹر یونس جاوید کے نزدیک ''سفر جاری ہے'' ایک خودنوشت سوانح حیات

Marfat.com

ہی نہیں ایک ادبی تہذیبی اور ثقافتی دستاویز بھی ہے،اس کے مُصنّف نہ صرف یہ کہ سینکڑوں ادیبوں کی کتابیں شائع کر چکے ہیں بلکہ ان کی نجی زندگی سے بھی آگاہی رکھتے ہیں،ان کے معاشی اور معاشرتی کوائف بھی جانتے ہیں۔ان حوالوں سے ہم اس تصنیف کو سرسری طور پر نہیں دیکھ سکتے بلکہ اس کا انتہائی سنجیدگی اور گہرائی کے ساتھ جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر یونس جاوید نے مزید کہا کہ کسی بھی سوانح عمری میں ایسی فضاء ایسا منظر نامہ اور ایسے کردار سامنے آتے ہیں جن کا قاری کو یا تو پہلے سے علم نہیں ہوتا یا ہوتا بھی ہے تو بہت کم ہوتا ہے اور یہ علم بالعموم معلومات میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔''سفر جاری ہے'' میں بھی ہمیں یہ سب کچھ ملتا ہے جس کو مُصنّف نے کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے،اس کے لئے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ملک مقبول احمد کی سوانح ''سفر جاری ہے'' کے حوالے سے اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے راقم الحروف نے کہا کہ درجنوں خود نوشت سوانح عمریاں اور سفرنامے زیر مطالعہ آئے جن سے معروضی طور پر اپنے اپنے عہد کے علمی،ادبی،سیاسی اور تاریخی واقعات کے ساتھ ان کے لکھنے والوں کے ذاتی تجربات ومشاہدات سے آگاہی ہوئی۔لیکن یہ تصانیف ایک طرح سے باقاعدہ پیشہ ور اہل قلم کی صلاحیتوں اور کاوشوں کا نتیجہ تھیں جبکہ ''سفر جاری ہے'' کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ تصنیف ایک ناشر کی تخلیق ہے اور اس کے کم وبیش نصف صدی کے تجربات کا نچوڑ ہے۔

اس امر کی وضاحت غیر ضروری نہ ہوگی کہ ''سفر جاری ہے'' کوئی مافوق الفطرت تصنیف نہیں بلکہ ایک جیتی جاگتی جدوجہد کرتی زندگی کی کم وبیش نصف صدی سے زیادہ عرصے کی کامرانیوں اور ناکامیوں کی دیو مالا ہے،اس کو دو حوالوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔میرے نزدیک یہ خود نوشت سوانح بھی ہے اور ایک طرح سے سفر

Marfat.com

نامہ بھی ہے۔ یہ ایک ایسی تصنیف ہے کہ دونوں صورتوں میں جس کے دامن میں افسانہ طرازی کی بجائے راست گوئی اور حقیقت پسندی سے کام لیا گیا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ اس گئے گزرے اور منتشر دور میں بھی کتاب کا مُصنّف یاسیت کا شکار نظر نہیں آتا بلکہ بڑے حوصلے، جرأت مندی اور اعتماد کے ساتھ اپنے سفر پر رواں دواں ہے۔ ذاتی طور پر میں نے کتاب میں کچھ خامیاں تلاش کرنے کی سعی کی، لیکن اپنی خامیاں تو مُصنّف نے خود اس طرح بیان کر دی ہیں کہ یہ بھی زندگی کا حصہ ہیں، اس کے نزدیک انسان انسان ہے، فرشتہ تو نہیں ہوتا۔ چنانچہ کتاب کے حوالے سے اس نتیجے پر پہنچنا دشوار نہیں کہ ''سفر جاری ہے'' محض نشر و اشاعت کا سفر نہیں بلکہ تخلیقی سفر بھی ہے اور اس سفر کو آئندہ بھی جاری رہنا چاہئے!

تقریب کے آخر میں پروفیسر اشفاق رشید نے اپنے صدارتی کلمات میں کہا کہ یہ ہم سب کا مشترکہ خیال ہے کہ ''سفر جاری ہے'' اس اعتبار سے دوسری خودنوشت سوانح عمریوں سے مختلف ہی نہیں منفرد بھی ہے کہ اس کے مُصنّف ملک مقبول احمد نے اسے ناشر کے طور پر شائع کیا لیکن اس کو تحریر کر کے اپنے لئے مستند ادیبوں میں اپنی جگہ بنا لی، ہمیں توقع ہے کہ وہ اس دلچسپ اور کامیاب تخلیق کے بعد اپنا سفر جاری رکھیں گے۔

ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی
23 تا 29 جولائی 2007ء

Marfat.com

بجنگ آمد

اردو کی کتاب پر پنجابی میں تبصرہ

ملک مقبول احمد اک بوہت ای بی بے تے بھلے مانس انسان نیں اوہ اک محنتی تے دیانت دار پبلشر وی نیں کجھ چر پہلوں انہاں دی حیاتی تے یاداں بارے انہاں دے اپنے ہتھ نال لکھی کتاب ''سفر جاری ہے'' شائع ہوئی اے۔ ایہہ کتاب نئیں اک ایہو جئی داستان ایں۔جنھوں پڑھ کے اک عام جیا بندہ وی اپنی محنت دیانت تے شرافت دے نال وڈے توں وڈا مقام حاصل کر سکدا اے ایہہ ''خود نوشت'' اک ایہو جیے پبلشر دی کتھا اے جہڑا دیہاتی ماحول چوں نکل کے شہر آیا صحافت دی گلی چوں لنگھدا کتاباں چھاپن لگ پیا۔اوہدا اوہ نکا جیا ادارہ اج پبلشنگ دا بوہت وڈا ادارہ اے۔مقبول اکیڈمی دے ناں توں کون واقف نئیں .... ملک مقبول احمد ہوریں ایس توں پہلوں اک وڈے ناشر دے طور تے پچھانے جاندے سی۔ انہاں دی کہانی اک سچے کھرے تے محنتی بندے دی کتھا اے۔ اج تے ہر بندے دی حیاتی اک کہانی ہوندی اے، تے ہر بندے دی کہانی توں کجھ نہ کجھ سکھیا جا سکدا اے ..... ملک مقبول ہوراں نے اوکھے تے کٹھن حالات دی ویکھے پر انہاں ہمت نہ ہاری انہاں دے والد انہاں نوں پٹواری بنانا چاہندے سن پر اوہ مدرس بن گئے تے اوس توں بعد اوہ اک رسالے دے مدیر وی بنے چوہدویں

Marfat.com

صدی دے ناں نال ایہہ چھپن والا رسالہ بند ہویا تے انہاں نے کتاباں چھاپنیاں شروع کر دتیاں تے اپنی محنت راہیں ایس کاروبار وچ وی ناں پیدا کیتا انہاں اپنے بالاں نوں اعلیٰ تعلیم دوائی پر فیر اپنے کاروبار وچ رلا لیا۔ اج اونہاں دے بیٹیاں دے مقبول بکس دے ناں توں کئی ادارے بن چکے نیں ..... ملک مقبول ہوراں 1958ء نوں مقبول اکیڈمی دے ناں تے کتاباں چھاپنیاں شروع کیتیاں سن انہاں دے ادارے دی کتاباں بے حد مقبول تے مشہور وی ہوئیاں۔

ملک مقبول ہوراں دی خود نوشت ''سفر جاری ہے'' نہ صرف ایہہ کہ اونہاں دی حیاتی، اوکڑاں کامیابیاں تے خاندان دے حالات واقعات نیں سگوں ایس کتاب وچ اونہاں اپنی یاداں دے نال نال لکھاریاں نال اپنے تعلقات تے میل جول بارے وی روشنی پائی اے .... کتاب تے کئی منے پر منے لکھاریاں دے تاثرات شامل نیں۔ ملک مقبول ہوراں اپنی حیاتی بارے کجھ وی لکان چھپان دی کوشش نہیں کیتی۔ اونہاں بڑی سادگی نال اپنی ہر گل صاف صاف لکھ دتی اے اونہاں بڑے سلیقے نال کئی لکھاریاں دیاں کرتوتاں وی بیان کیتیاں نیں پر ایہدے وچ وی اونہاں نے ہتھ ہولا رکھیا اے تے ناں کسے دا نہیں لکھیا ادیباں، شاعراں، لکھاریاں دا پڑھ کے اندازہ لایا جا سکدا اے کہ ملک مقبول ہوراں نال کہڑے کہڑے لکھاری پیار کردے نیں اونہاں سب نال ہمیشہ محبت ای کیتی اے ''سفر جاری ہے'' اک چنگی کتاب اے ...... ایہدے وچ لکھن والیاں دے تجربیاں تے مشاہدیاں دیاں تصویراں وی نیں تے حیاتی دی دھپ چھاں وی..... کتاب وچ ڈاکٹر صفدر محمود، علی سفیان آفاقی، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر طارق عزیز، اے حمید، شعیب بن عزیز، طارق اسماعیل ساگر، واجد رضوی،

Marfat.com

ع س مسلم، قاضی ذوالفقار احمد، قمر نقوی، ڈاکٹر اللہ بخش ملک دے تاثرات وی شامل نیں، کتاب وچ خطوط انٹرویو تے انہاں دے ادارے دیاں کتاباں تے تبصرے وی کتاب دا حصہ بنائے گئے نیں۔ جہدے نال کتاب دی اہمیت تے اوہدا فایدا ودھ گیا رب کرے ملک مقبول ہوریں ایسے طرحاں سوہنیاں کتاباں چھاپن دے نال نال لکھدے وی رہن۔

(ست روزہ بجنگ آمد)

9 تا 16 فروری 2007ء

Marfat.com

روزنامہ ''جنگ'' کراچی

سفر جاری ہے

ملک مقبول احمد پاکستان کے اردو ناشرین میں سے ہیں اور '' سفر جاری ہے'' ان کی خودنوشت سوانح حیات ہے۔ اس میں انہوں نے اپنی زندگی کے حالات میں بچپن سے موجودہ دور تک کے واقعات قلم بند کرنے کے علاوہ اپنی اشاعتی سرگرمیوں کے بارے میں لکھا ہے اور یہ بتایا ہے کہ انہوں نے کس طرح اور کن حالات میں اپنے کاروبار کی ابتدا کی اور مرحلہ وار اس میں کیوں کر ترقی و توسیع کی۔ کتاب کا پہلا اور مرکزی حصہ اسی باب پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصے میں چند مُصنّفین کا تذکرہ ہے۔ وہ چونکہ کتابوں کی اشاعت کے ادارے کے مالک ہیں، اس لیے ادیبوں، شاعروں سے ان کا رابطہ اور ان سے تعلقات ہونا لازمی ہے، اس لیے اس دوسرے باب میں انہوں نے چند اہلِ قلم کے بارے میں اپنے تاثرات اختصار سے تحریر کیے ہیں۔ اس کے بعد ان کے دو انٹرویو ہیں جو ایک ہفت روزہ اور ایک اخبار میں چھپے تھے۔ پھر اگلے باب یا حصے میں چند ادیبوں کے خطوط ہیں جو انہوں نے انہیں تحریر کیے تھے۔ آخری باب میں چند کتابوں کے تبصرے دیے گئے ہیں اور یہ کتابیں وہ ہیں جو انہی کے ادارے کی مطبوعات ہیں جن پر بعض اخبارات و جرائد نے تبصرے کیے تھے۔ اس کے علاوہ مُصنّف اور ان کے اہل خاندان کی چند رنگین

Marfat.com

تصاویر بھی شامل ہیں۔اس طرح اس کتاب میں مُصنّف نے اپنی نجی اور کاروباری زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں تحریر کیا ہے اور اپنے تجربات و مشاہدات کا اظہار کیا ہے۔

روزنامہ ''جنگ'' کراچی

25 مارچ 2007ء

Marfat.com

روزنامہ خبریں لاہور

22 اپریل 2007ء

سفر جاری ہے خودنوشت

پاکستان میں خودنوشت لکھنے کا رجحان بہت کم ہے۔ کیونکہ اپنے باطن کو ظاہر کرنے کا حوصلہ ہر کسی میں نہیں ہوتا۔ جبکہ بیرونی دنیا میں سب سے زیادہ بائیوگرافی کی صنف موجود ہے جو لاکھوں میں بکتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے اور دوسروں کے بارے میں انتہائی بے خوفی اور بے باکی سے سچ کہتے ہیں۔ اور یہی ایک خودنوشت کی خوبصورتی ہوتی ہے۔ زیرنظر خودنوشت ملک مقبول احمد کی ہے جو خود بھی ایک بڑے اشاعتی ادارے کے مالک ہیں۔ ''سفر جاری ہے'' ان کی اپنی زندگی کی حقیقی کہانی ہے جس میں انہوں نے اپنی ذات کے سارے پرت کھول کر رکھ دیے ہیں۔ انہوں نے اپنی اس خودنوشت کو اپنی زندگی کا اعمال نامہ قرار دیا ہے۔ گویا انہوں نے خود کو اپنے پڑھنے والوں کی عدالت میں احتساب کے لیے پیش کر دیا۔ بقول ڈاکٹر صفدر محمود کے ''سفر جاری ہے'' ایک ادبی دستاویز ہے جس میں مقبول احمد نے کتابیں چھاپنے کے ساتھ ساتھ کتاب لکھنے کی ایک نئی روایت کی بنیاد بھی رکھ دی ہے۔ جو نہایت حوصلہ افزا ہے۔ علی سفیان آفاقی کا زیرتبصرہ کتاب کے بارے میں کہنا ہے کہ اس دلچسپ اور معلومات انگیز خودنوشت کے لیے قارئین کو ان کے پوتے، پوتیوں اور نواسیوں کا شکرگزار ہونا چاہیے ورنہ شاید ملک صاحب پرانے زمانے کے حکما کی طرح اس داستان کو بھی ایک راز کی طرح اپنے ساتھ لے جاتے۔ ''سفر جاری ہے'' ان لوگوں کے لیے ایک تحریک اور جذبے کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے کچھ پانا چاہتے ہیں۔

Marfat.com

ہفت روزہ ''فیملی'' لاہور

18 تا 24 فروری 2007ء

سفر جاری ہے۔۔۔خودنوشت

ہمارے پبلشر آج تک دوسروں کی خودنوشت اور سرگزشت شائع کرتے رہے ہیں لیکن غالباً یہ واقعہ پہلی بار پیش آیا ہے کہ ایک ناشر نے اپنی خودنوشت تحریر اور شائع کی ہے۔ ملک مقبول احمد ملک کے ایک ممتاز اور نامور ناشر ہیں۔ انہوں نے یہ خودنوشت اپنے نواسے نواسیوں اور پوتے، پوتیوں کی فرمائش اور تقاضوں کے بعد تحریر کی ہے جس کے لئے بچے تحسین کے مستحق ہیں، جن کی بدولت ایک دلچسپ معلوماتی اور قابل قدر خودنوشت قارئین تک پہنچی ہے۔ ملک مقبول نے ابتداء ہی میں اعتراف کر لیا ہے کہ ان کی نصابی تعلیم نہایت محدود ہے لیکن اپنے مطالعے، مشاہدے اور تجربات کی مدد سے انہوں نے جو علم حاصل کیا ہے۔ زیر نظر کتاب اس کا بین ثبوت ہے۔ اس سے یہ حقیقت ایک بار پھر واضح ہو جاتی ہے کہ علم اور نصابی تعلیم لازم وملزوم نہیں ہے۔ مُصنّف نے اس کا ثبوت اپنی دلچسپ اور شگفتہ تحریر کے ذریعے پیش کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنی ابتدائی زندگی کے نامساعد حالات اور اپنی کمزوریوں، ناکامیوں اور مشکلات کو پوشیدہ رکھنے کی قطعی کوشش نہیں کی۔ یہ سادگی، پرکاری اور سچائی ہی اس کتاب کا حسن ہے۔ اس خودنوشت کے مطالعے سے انسانی جدوجہد کا ایک ایسا نمونہ قاری کے سامنے ہے جس میں لکھنے والے نے اپنے بارے

Marfat.com

میں ہر حقیقت اور واقعہ بڑی سادگی سے پیش کر دیا ہے۔ اپنی نجی اور خاندانی زندگی کے حالات انہوں نے نہایت دلچسپ پیرائے میں بیان کئے ہیں خود نوشت لکھنے والوں نے اتنی صاف گوئی سے شاذ ہی کام لیا ہو۔ انہوں نے کسی قسم کے بخل یا مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا۔ انہوں نے اپنی پیشہ وارانہ جدو جہد کے ساتھ ساتھ اہل قلم حضرات کی دلچسپ تصویر کشی بھی کی ہے۔ تمام شخصیات کے خطوط بھی اس میں شامل ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں اچھے اور برے ہر نوع کے انسانوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ مقبول صاحب نے ان سب کے بارے میں بلا کم و کاست لکھا ہے۔ لیکن یہ بھی ملحوظ رکھا ہے کہ کسی کی دل شکنی نہ ہونے پائے۔ خداداد صلاحیتوں کا استعمال بھی کامیابی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ جس کا اندازہ اس کتاب کو پڑھنے سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ باقاعدہ نصابی تعلیم سے محروم رہنے اور اظہار انکساری کے باوجود ان کی نثر بہت رواں، شستہ و شگفتہ ہے جس سے ان کے گہرے مطالعے کا اندازہ ہوتا ہے۔ اردو اور فارسی کے اشعار کا برمحل استعمال بھی ایک ہنر ہے جس کا مظاہرہ اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ انہوں نے ایک مصروف، ان تھک اور دیانت دارانہ زندگی گزاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج وہ ایک مطمئن، پرسکون، صحت منداور آسودہ حال زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر نعمت سے نوازا ہے جس کا انہیں بخوبی اعتراف ہے۔ اس کتاب میں عام قاری کے ساتھ ساتھ اہل قلم حضرات کے مطالعے اور دلچسپی کا بھی کافی سامان ہے۔ نو عمری میں وہ سکول سے بھاگ جانے والے طالب علم تھے لیکن قدرت نے ان کے لئے مطالعہ اور نشر و اشاعت ہی کا شعبہ منتخب کر کے مصلحت اور قدرت الٰہی کا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔ کتاب کا دلکش سرورق انیس یعقوب نے بنایا ہے۔ طباعت و پیشکش انتہائی معیاری ہے۔ سفید اور رنگین کاغذ پر شائع کی جانے والی اس آپ بیتی کی قیمت چار سو روپے ہے۔ مقبول اکیڈمی چوک اردو بازار، سرکلر روڈ، لاہور سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

Marfat.com

ماہنامہ نیا زمانہ

سفر جاری ہے

ملک مقبول احمد ایک معروف اشاعتی ادارے کے مالک ہیں۔ ملک صاحب صرف کتابیں چھاپتے ہی نہیں بلکہ کتابیں اُن کے اندر بھی بستی ہیں اور وہ پبلشر ہونے کے باوجود کتابوں سے محبت کرتے ہیں۔ دراصل اسی محبت کی ایک اہم کڑی اُن کی کتاب زیست ہے جو گوناگوں تجربات، حوادث اور مشاہدات سے سجی ہوئی ہے۔ اُن کا اسلوب نہایت دلچسپ ہے، اُن کے زبان و بیان اور طرزِ تحریر پر ادبی رنگ غالب ہے جو اُن کے اعلیٰ ادبی ذوق کی عکاسی کرتا ہے۔ اس حوالے سے یہ کتاب سوانح عمریوں میں ایک اہم اضافہ ہے۔

''سفر جاری ہے'' ملک صاحب کی زندگی کے سفر کی کہانی ہے۔ اُن کے اس سفر کا اولین دیہات میں گزرا جہاں ہر طرف محبت و اخلاص اور ''بے فکری'' کے سدا بہار پھول کھلتے ہیں۔ اسی سفر کے دوران ملک مقبول احمد صاحب کو زندگی کی سنگلاخ وادیوں اور چٹیل میدانوں سے بھی گزرنا پڑا۔

Marfat.com

''چہارسو''

سفر جاری ہے

''میں تو ملک مقبول احمد صاحب کو صرف ایک شریف النفس انسان اور ایک معروف اشاعتی ادارے کے مالک کی حیثیت سے ہی جانتا تھا لیکن اُن کی خودنوشت سوانح عمری کے مسودے کی ورق گردانی کی تو یہ راز کھلا کہ ملک صاحب کتابیں چھاپتے نہیں بلکہ کتابیں اُن کے اندر بھی بستی ہیں۔ وہ پبلیشر ہونے کے باوجود کتابوں سے محبت کرتے ہیں۔ اسی محبت کی ایک اہم کڑی اُن کی زیرِنظر تصنیف ''سفر جاری ہے'' جس میں گوناگو تجربات، حوادث اور مشاہدات اور ملک صاحب کا نہایت دلچسپ اسلوب اور منفرد اندازِ تحریر اس کتاب کو سوانح عمریوں میں ایک اہم اضافہ کی حیثیت بخش رہے ہیں۔''

ڈاکٹر صفدر محمود

''یہ کتاب پڑھ کر مجھے محسوس ہوا کہ مقبول صاحب کی زندگی بھی افسانے سے کسی طرح کم نہیں۔ انہیں مشکلات اور حادثات کا سامنا کرنا پڑا مگر اُنہوں نے صداقت، دیانت اور امانت کے اصولوں کو قائم رکھا، خود محنت کی اور نتائج خدا پر چھوڑ دیئے۔ اس کتاب کا باب ''وکھری ٹائپ کے لوگ'' معاشرے کا حقیقی روپ ہمارے سامنے لاتا ہے۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ملک مقبول صاحب نے ہر طرح کے لوگوں سے روابط کا سلسلہ کس طرح قائم رکھا اور آبگینوں کو ٹھیس لگنے سے کس طرح بچایا۔ اس کتاب کی خوبی

Marfat.com

یہ ہے کہ اس میں ''زیب داستان'' سے کام نہیں لیا گیا۔'' ڈاکٹر انور سدید

ملک مقبول صاحب نے خودنوشت تحریر کر کے اپنی زندگی دلچسپ اور معلومات آفرین واقعات سے روشناس کرایا ہے۔ ایک اچھا ناشر وہی کہلاتا ہے جس کا مطالعہ اور مشاہدہ بہت گہرا ہوا اور وہ انسانی نفسیات پر بھی عبور رکھتا ہو۔ ملک مقبول احمد کی تحریر سلجھی ہوئی شستہ اور رواں ہے جس میں جابجا ان کے گہرے مطالعے اور مشاہدے کے ثبوت نظر آتے ہیں۔'' علی سفیان آفاقی

''سفر جاری ہے'' آپ بیتی کی مسلمہ تعریف پر پورا اترتی ہے۔ ملک مقبول احمد نے بچپن سے لے کر موجودہ عمر تک زندگی کے احوال، یادآفریں واقعات اور تلخ و شریں تجربات کے بیان پر مشتمل ہے۔ کتاب کا اہم حصہ اُس عرصے پر محیط ہے جس کا تعلق ملک صاحب کے بچپن، جوانی اور عملی زندگی کے آغاز سے شروع ہوتا ہے۔ یہ عرصہ حیات اُن کے گاؤں ''دیوال'' سے جڑا ہوا ہے جس کے بیان میں ملک مقبول احمد صاحب نے دیہی زندگی کی منظر کشی اس مہارت سے کی ہے کہ پریم چند اور سدرشن کے افسانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔'' ڈاکٹر طارق عزیز

''میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ ملک مقبول احمد ''گرم دم جستجو اور نرم دم گفتگو'' والے انسان ہیں ان کا رابطہ ہر قسم کے ادیبوں اور شاعروں سے پڑا جس کا تذکرہ زیر نظر کتاب میں موجود ہے۔ فطرتاً ملک صاحب ''خیالِ خاطر احباب'' رکھنے والے انسان ہیں جس کے باعث اُنہوں نے عملی زندگی میں اور نہ زیر نظر کتاب میں انسانیت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔'' شعیب بن عزیز

عمدہ نفیس کاغذ، ضخامت چار سو پچپن قیمت چار صد روپے،

دستیابی کا پتہ: مقبول اکادمی، چوک اردو بازار، سرکلر روڈ، لاہور۔

Marfat.com

روزنامہ ''جنگ'' لاہور

9 فروری 2007ء

سفر جاری ہے

ملک مقبول احمد کی خودنوشت سفر جاری ہے کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ جس میں مصنف نے بطور پبلشر اپنے گوناگوں تجربات، حوادث اور مشاہدات کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ اس حوالے سے یہ کتاب سوانح عمریوں میں ایک اہم اضافہ ہے۔ کتاب پر ڈاکٹر صفدر محمود، علی سفیان آفاقی، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر طارق عزیز، اے حمید، شعیب بن عزیز اور دیگر اہل قلم کی آراء اور مضامین درج ہیں۔ ڈاکٹر صفدر محمود کے بقول زندگی کے اس سفر کے دوران مقبول صاحب کو بہت سے معروف ادیبوں سے ملنے اور ان کی کتب چھاپنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا تذکرہ اور خطوط نے ''سفر جاری ہے'' کو ایک غیر معمولی ادبی دستاویز کی حیثیت دے دی ہے۔

Marfat.com

ندائے ملت

سفر جاری ہے

زیرِ نظر کتاب ''سفر جاری ہے'' ایک ناشر کی سرگزشت ہے۔ اگر چہ اس سے قبل چند آپ بیتیاں منظر عام پر آ چکی ہیں، یہ ان میں ایک خوشگوار اضافہ ہے۔ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے دلچسپی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ مقبول صاحب اسی عمر میں پہنچ کر واپس انہی قدموں پر اپنے بچپن کو تلاش کرنے نکلے ہیں، انہیں اپنا گاؤں، اس کی پگڈنڈیاں، ان کے درخت، اس کے ندی نالے، اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب ایک ایک کر کے سب یاد آتے ہیں۔ انہیں اپنے گاؤں کی وہ میٹھی میٹھی فضا بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے، جب وہ ہم جولیوں کے ساتھ گلی ڈنڈا، والی بال اور فٹ بال کھیلتے۔ مصنف نے اپنی والدہ محترمہ جنہیں وہ بے جی کہتے تھے کا ذکر ایک سعادت مند بیٹے کی حیثیت سے اتنے متاثر کن انداز میں کیا ہے کہ قاری کی آنکھوں میں بھی آنسو آ جاتے ہیں۔

''سفر جاری ہے'' کا ایک حصہ چند مصنفین کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں انہوں نے اپنے ان دوستوں اور کرم فرماؤں کے بارے میں لکھا ہے، جن کی علمی و ادبی صلاحیتوں کے ملک صاحب خود بھی معترف ہیں اور وہ ان کی کتابیں بھی شائع کر چکے ہیں۔

(ندائے ملت۔ ۲۹ مارچ تا ۴ اپریل ۲۰۰۷)

Marfat.com

Daily "Dawn"

Malik Maqbool Ahmed is a well-reputed book publisher of Lahore. I realy do not know what came over him that he decided to publish his memoirs, Safar Jari Hey, and earned kudos for his effort from such people as Dr. Anwar Sadeed, Mirza Adeeb and many others.

Malik Maqbool Ahmed has managed to pen a gripping account with utmost candidness. It not only reflects his own personality but also serves as a running commentary on the cultural and literary activities of his times.

My impression of Malik Sahib was that of a simple man. The same trait is evident in his auto-biography. He has included in the book some letters addressed to him, besides pictures and brief sketches of the writers, whose books he has published.

Marfat.com

Marfat.com